بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجتہاد و تقلید کے دفاع اور ردّ اخباریت پر مستند پیشکش

کشف الفساد

بجواب

کشف التضاد

مصنف:

حجة الاسلام سید احمدرضا رضوي (زرارہ)

نام کتاب: کشف الفساد بجواب کشف التضاد
مؤلف: سید احمدرضا رضوي (زرارہ)
نظرثاني: مولانا سید محمد اختر رضوي، مولانا سید محمد رضا غروي
کمپوزنگ: سید شوذب علي نقوي خرم آبادي
قطع وصفحات: رقعي،۱۸۴
سنہ اشاعت: ۲۰۱۵ء
تعداد: ۲۰۰۰
ناشر: حوزہ علمیہ امام خمیني، وٹوا، احمد آباد، گجرات
مطبع: پرنٹویل پرنٹس، شاہ پور، احمد آباد
قیمت:

حوزہ علمیہ امام خمیني، گولڈن پارک، وٹوا، احمد آباد
ادارہ اصلاح، مسجد دیوان ناصر علي، مرتضي حسین روڈ، لکھنؤ، یو۔پي

انتساب

مراجع کرام اور مجتہدین عظام کے نام جن کی قربانیوں اور محنت و مشقت نے غیبت کبری میں قوم شیعہ کو منسجم و متحد بنا کر تسبیح کے دانوں کی طرح ایک دوسرے کو جوڑ رکھا ہے۔

اپنے والدین کے نام جن کی محنت و مشقت اور تربیت نے اس لائق بنایا کہ دفاع محمدؐ و آل محمدؑ کر سکوں۔

سید احمد رضا رضوی (زرارہ)

التماس سورہ فاتحہ

مرحوم و مغفور مولانا سید عابد حسین و جملہ مؤمنین و مؤمنات

فہرست

باب ۷

استنباط احکام اور تقیہ

باب ۸

کشف التضاد کے ابتدائی صفحات

مقدمہ

اعوذ بالله المفتي السميع العليم من الشيطان الرجيم

و حسبنا الله و نعم الوكيل نعم المولي و نعم النصير و لا حول و لا قوة الا بالله العلي العظيم بسم الله الرحمن الرحيم الحمد الله الذي جعلنا من المتمسكين بالقرآن الكريم و سنة النبي العظيم ولاية ائمه المعصومين ذي الفضل الفخيم و الحمد الله الذي جعل مداد العلماء افضل من دماء الشهداء المجاهدين كما قسم الله تعالى بالنون و القلم في القرآن المجيد و فضل الله المجاهدين على القاعدين و الصلوة و السلام و التحية العاطره على سيدنا و مولانا حبيب اله العالمين ابي القاسم محمد عبده و رسوله الذي كان نبياً و آدم و بين الماء و الطين الذي بلغ رسالته حق رسالته و بلغ نبوة رب العالمين نصح لامته خيرة الاولين و الاخرين و جاهد في سبيل الله بالحكمة و الموعظة الحسنة للمسلمين و المومنين و اد الذي عليه من الحق انه قد رؤف بالمؤمنين الصالحين و غلظ على الكافرين الجاهلين و عبدالله مخلصا حتي اته اليقين المبعوث لتمهيد قواعد الدين و لتهذيب مسالک اليقين الناسخ بشريعته المطهرة شرائع الاولين و المرسل بالارشاد و الهداية رحمة للعالمين صلى الله عليه و آله و الهداة المهديين و عترته الكرام الطيبين الذين اذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهيرا الذين معلمي كتابه المتين و مفسری قرآنه المبين و مولى تاويله الراسخين و كاشفى من غطاء الحقائق و معرفى الدقائق كلها اجمعين و اللعنة الدائمة الباقية على اعداء سيد المرسلين و اشرف المعلمين و ناصبي اهلبيته الطيبين الطاهرين المعصومين الذين ابواب مدينة محمد المنتخب في السموات

و الارضين و مبغضى العلماء و الفقهاء و الذين حصون الاسلام و المسلمين و محافظين على حدود الدين المبين- اما بعد:

بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا

دنیا میں آنے والے انسانوں میں فطرتاً ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو انھیں ہر آن اکسایا کرتی ہے کہ کوئی ایسا کام کیا جائے کہ جس کے ذریعہ وہ شہرت کے بام در کو مسخر کر لیں ان میں دو طرح کے لوگ ہو تے ہیں کچھ وہ ہوتے ہیں جو نیک نامی کے خواہاں ہوتے ہیں اور اسی راستہ یہ چلکر شہرت کے بام عروج کو چھو لیتے ہیں، اپنے فن کے ذریعہ محنت کے ذریعہ اپنی علمی استعداد کے ذریعہ ان میں سے کوئی خود کو خدا

کے لیے فنا کر لیتا ہے اب خدا اس کو اپنے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق «اطعنی عبدی حتی صار مثلی» (حدیث قدسی) ایسی بلندی عطا کرتا ہے جہاں ملائکہ بھی سر بسجود نظر آتے ہیں اور شہرت و عزت کی اس بلندی کو حاصل کرلیتا ہے جہاں سے سب بونے نظر آتے ہیں۔

اور انھیں افراد کے مقابلے میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس اپنا کچھ نہیں ہوتا نہ اپنی ذاتی فضیلت ہوتی ہے نہ کسی فن کے فنکار نہ علمی میدان کے شہ سوار نہ محنتی ہوتے ہیں نہ میدان عمل کے عامل یہ لوگ چور دروازے سے وادی شہرت میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور انہیں لوگوں کے لئے ہی شاعر نے کہاہے ،ع، بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔۔ یہ لوگ شہرت حاصل کرنے کے لئے کبھی چند سکوں میں اپنا نفس بیچ دیتے ہیں تو کبھی چند ڈالروں میں اپنے نظریات کبھی مسلمات دین سے انکار کرتے ہیں تو کبھی عقل کا سودا کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا نہ کوئی دین ہوتا ہے نہ ایمان جدھر مال وزر دیکھا ادھر چلے گئے جدھر درہم و دینار کی چمک دیکھی ادھر ہو لئے جدھر دنیاوی شہرت وعزت دیکھی ادھر کے ہو گئے انہیں لوگوں کے لئے مثل کہی گئی ہے تھالی کے بیگن۔

یہ لوگ معاشرے کے ایسے ناسور ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہے جس طرح بدن کا حصہ کاٹ دیا جاتاہے جس حصے میں ناسور ہوتا ہے تاکہ بدن کے دوسرے حصے کو نقصان نہ پہونچاے اسی طرح ان افراد کو بھی معاشرے سے نکال دینا چاہیے تاکہ معاشرے کے دوسرے لوگ ان کی ذات سے بچ سکیں۔

امام حسین علیہ السلام کو شہرت ملی اور وہ شہرت کہ جو خدائی تھی الھی تھی جسے امام حسین علیہ السلام نے اپنا سب کچھ لٹا کر حاصل کیا تھا آج ہر انسان امام حسین کو علیہ اسلام بھی کہتا ہے ان کی مصیبت پہ گریہ بھی کرتا ہے دوسری طرف یزید کو بھی شہرت ملی دنیاوی شہرت کہ آج جو بھی اس کا نام لیتا ہے۔لعنۃ اللہ علیہ۔یزید بد بخت، یزید بلید، یزید ملعون کے ذریعہ ایسے افراد کے طرفدار کم ہوتے ہیں مگر ہوتے ہیں اگر نہ ہوں تو کیسے پتہ چلے گا کہ حسینی کون ہے اور یزیدی کون آج دنیا کے جس کونے میں ہم نظر ڈالتے ہیں ہم کو حسینی مل جاتے ہیں حتی کہ غیر مسلم افراد بھی خود کو حسینی کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں

مگر آج اگر دنیا پہ نظر ڈالیں تو یزید کا طرفدار کون ہے ہاں کچھ لوگ ہیں جن کو آپ انگلیوں پہ شمار کر سکتے ہیں مثلاالقاعدہ، سپاہ صحابہ، داعش جس خاندان نے سو سال حکومت کی ہو آج اس کا نام لینے والا کوئی نہیں اور جہاں اسکا تخت تھا آج وہاں اس کے قبر کا نشان بھی نہیں ملتا معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ تھے جھنوں نے دنیاوی شہرت حاصل کرنے کے لئے خدا دین خدا رسول خدا اور اوصیائے خدا سے بغاوت اور جنگ کی اور جنت کے عوض جہنم کے خریدار ہوئے جب کہ ان کے مقابلے میں اگر دیکھا جائے تو آج ان لوگوں کے مزارات زیارتگاہ بنے ہوئے ہیں جن کو ان ظالم حکمرانوں نے قید کیا قتل کیا اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے عوض اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیا للذا آج ہر انسان عاقل ان کا نام ادب واحترام سے لیتا ہے شہرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور بھی ہے جو لوگ اپنا ذاتی کچھ نہیں رکھتے وہ شہرت کی خاطر کسی بڑی شخصیت سے ٹکرا جاتے ہیں تاکہ ان کے نام کے ساتھ ہمارا نام بھی لیا جائے (بد نام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا)؛یزید کے پاس اپنا ذاتی کیا کارنامہ تھا سوائے یہ کہ معاویہ کی ناجائزاولاد شراب خوری زناکاری بندروں سے کھیل و کھلواڑ لیکن اسنے سونچا کہ نواسہ رسول دلبند زہرا سے ٹکرا جائیں تاکہ رہتی دنیا تک لوگ ہم کو بھی یاد کریں چاہے لعنت کے ذریعہ ہی سہی اور ایسے افراد ہر دور میں مل جائیں گے جو کبھی تو خدا اور سول کے مقابلے میں آجاتے ہیں کبھی بندگان خاص خدا کا مقابلہ کبھی بحرالعلوم کو ڈھونگی کہتے ہیں تو کبھی سید مرتضی و رضی کو بہروپیا کبھی مراجع کرام کی توہین کرتے ہیں تو کبھی علماء کرام کی دل آزادی مگر یہ لوگ یاد رکھیں کہ حسین اور حیسنیوں کا کچھ بگڑنے والا نہیں ہے۔

کل بھی دنیا ایسے لوگوں سے بیزار تھی اور آج بھی ان صفات کے حامل افراد سے عقلاء بیزار ہیں اور رہتی دنیا تک عقلاء ایسے افراد سے بیزار رہے گیں۔

اس کتاب کے لکھنے کا اصل ہدف علماء مراجع کرام اور تقلید واجتہاد کا دفاع ہے نہ کسی کی دلی آزادی مقصود ہے نہ کسی کی توہین، ہاں گمراہی کے راستہ پہ چلنے والے ضرور خفا ہونگے۔جس کا ہمیں کوئی خوف نہیں ہے اس کتاب کے ذریعہ ارادہ یہ ہے کہ اہل حق کو فکر و تدبر کی دعوت دی جائے اور کتاب کشف

التضاد کے مغالطوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے تا کہ نوجوان نسل گمراہی سے بچ سکے علماء مراجع کرام اور تقلید واجتہاد سے دور کرنے کی سازش بہت پرانی ہے کوئی نئی نہیں مگر بعض افراد نئے چہرے کے ساتھ ضرور نظر آئے ہیں اور ان لوگوں نے دشمنوں سے مال ودولت کے عوض بہت کوشش کی مگر پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرئے ، آج تقلید واجتہاد کے مخالفین حق پہ ہوتے تو آج سب کچھ اپنا داؤں پر لگانے کے باوجود کیوں کامیاب نہیں ہوئے اور تقلید واجتہاد کے باب کو بالکل کیوں نہیں ختم کر سکے جب کہ تقلید پہ عمل کرنے والے آج بھی اکثریت میں پائے جاتے ہیں۔

اس کتاب میں بعض مقامات پہ کچھ ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جس پہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے مگر چونکہ باقر نثار صاحب نے عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے لہٰذا ان کا جواب دیا گیا ہے انھیں کے لب و لہجے؛ میں لہٰذا ہمارے محترم قارئین اس نکتے کی طرف متوجہ رہیں۔

میں نے پہلے سوچا تھا کہ ان کی تمام کتابوں کا جواب دیا جائے مگر جب کتاب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ہر عاقل انسان اگر ان کی کتاب پڑھے گا تو خود ہی سمجھ جائے گا کہ یہ کتاب سوائے اباطیل اور خرافات نیز مغالطوں کے کچھ نہیں مگر بعد میں سنا کہ جناب باقر صاحب دعوی فرمارہے ہیں کہ ہماری کتاب کا جواب نہ عراق میں کسی عالم ومرجع کے بس کی بات ہے نہ ایران کے کسی عالم ومرجع کے بس میں ہے لہٰذا میں نے سوچا کہ اب واجب ہے کہ ان کی کتابوں کا جواب دیا جائے تا کہ انھیں احساس ہو جائے کہ مجھ جیسا ایک طالب علم جب آپ کی کتابوں کا جواب لکھ سکتا ہے تو مراجع کرام کی ذات تو اس سے کہیں زیادہ اجل وارفع ہے؛ ایک کتاب کشف الحقائق کا جواب والد مرحوم (خدا ان کو غریق رحمت کرے) معرفۃ الدقائق کے عنوان سے دے چکے ہیں اور دوسری کتاب کشف التضاد کا جواب بندہ ناچیز کشف الفساد در کتاب کشف التضاد کے عنوان سے دے رہا ہے۔

اہل حق اور اہل عقل وفکر کو دعوت ہے کہ تعصب کی عینک اتار کر کشف التضاد اور کشف الفساد کا مطالعہ کریں اور خود فیصلہ کریں کہ حق کدھر ہے اور باطل کدھر۔

کتاب کا جواب بہت پہلے لکھا جا سکتا تھا مگر درس وتدریس اور دیگر گوناگون مصروفیات کی وجہ سے تاخیر ہو رہی تھی اس مرتبہ میں نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ رمضان المبارک میں ہندوستان جاکر فرصت سے اس کتاب کو مکمل کر لیا جائے اور تقریبا۹۰ فیصد کتاب اس سال رمضان میں مکمل ہو گئی۔

اس کتاب میں استاد محترم ڈاکٹر نعمت اللہ صفری کی کتاب نقش تقیہ در استنباط احکام سے کافی مدد ملی اور جب میں نے ان سے کتاب کا مطالبہ کیاتو گرچہ ان کے پاس صرف ایک نسخہ ہی بچا تھا مگر انہوں نے اپنی کتاب مطالعہ کے لئے مجھے دیدی میں تہہ دل سے انکا مشکور ہوں استاد کے علاوہ اپنے دیگر اساتیذ کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے بار بار میرے سوالات کے جواب اور دیگر مطالب کے لئے کتابوں کی راہنمائی فرمائی۔

اساتیذ کے بعد اپنے برادران اور رفقاء کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے مختلف مراحل میں ہماری مدد کی جیسے مولانا محمد اختر رضوی، مولانا محمد رضا غروی، حیدر مہدی رضوی، محمد فائز باقر جنہوں نے اپنی تحقیق اجتہاد و تقلید کے عنوان سے اور مظہر صاحب جنہوں نے اپنا پایان نامہ امام زمانہ سے ملاقات یا عدم ملاقات کے عنوان سے لکھا تھا مجھے مطالعہ اور استفادہ کے لئے دیا اور میں نے ان دونوں مسودوں سے کافی استفادہ بھی کیاآخر میں، میں اپنے شریک حیات کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے مختلف اوقات میں میری کافی مدد کی۔

اس کتاب میں بعض جگہوں پر باقر نثار زیدی کی بے بنیاد باتوں اعتراضوں اور تہمتوں کا جواب بھی نقضی دیا گیاہے قارئین اس کی طرف بھی متوجہ رہیں نیز بعض جگہوں پہ نازیباالفاظ اور ذاتیات پر حملہ کیا گیاہے وہ بھی صرف اس لئے کہ جناب باقر صاحب نے بھی مراجع کرام کی ذات پر بھی اسی قسم کے بلکہ اس سے بھی بدتر الفاظ استعمال کئے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

والسلام

سید احمد رضا رضوی (زرارہ)

باب ۱

التقلید والاجتہاد

اس کتاب کا اہم ترین باب ہے جس میں تقلید واجتہاد پر بحث کی جائیگی کہ تقلید عقلاً اور نقلاً ثابت ہے اور دنیا کا کوئی شخص یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ اس کی زندگی تقلیدی نہیں ہے خواستہ یا نخواستہ وہ کسی نہ کسی کی تقلید کر رہا ہے، بچہ ہے تو ماں باپ کی تقلید کرتا ہے، بڑا ہوا بزرگوں کی اساتذہ کی تقلید کرتا ہے۔

اس باب میں ہم بحث کریں گے کہ تقلید کی اہمیت کیا ہے؟ تقلید کی ضرورت کیوں پیش آئی اور تقلید کی کتنی قسم ہے۔ اخباری حضرات جس تقلید کو مذموم بتاتے ہیں یقیناً وہ مذموم ہے مگر تقلید جو بالخصوص مسائل شرعیہ میں کی جاتی ہے وہ نہ یہ کہ مذموم نہیں ہے بلکہ مستحسن بھی ہے اور ائمہ طاہرینؑ نے تائید بھی کی ہے جس کی تفصیل ہم تاریخ اجتہاد و تقلید کے ذیل میں بیان کریں گے۔

انسان فطرتاً کمال طلب اور ترقی پسند ہے اور ہر وہ کام کرتا ہے جو اس کو کمال تک لے جائے۔ علم کمال ہے اور ہر انسان فطرتاً علم دوست ہے لہذا علم حاصل کرنے کے لئے جدو جہد کیا کرتا ہے۔ دوسر جانب رسول خدا کی حدیث ہے "طلب العلم فریضه علی کل مسلم و مسلمة" ہر مسلمان مرد و عورت پر علم حاصل کرنا واجب ہے۔ اس حدیث میں علم مطلق بیان ہوا ہے لہذا جتنے بھی دنیا میں علم رائج ہیں ہر مسلمان پر اس کا حصول واجب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کے تمام رائج علم ایک انسان حاصل کر لے یہ یقیناً غیر ممکن ہے لہذا علماء نے اس حدیث کی مختلف زاویہ سے بررسی کی اور بعض نے کہا علم سے مراد علوم دین ہے، بعض نے کہا علم سے مراد علم حلال و حرام ہے، بعض نے کہا علم

قرآن ہے اور بعض نے کہا جہاں تک ممکن ہو انسان علم حاصل کرے۔ اور جب امکان میں نہ ہو تو اب وہ دوسرے علوم کے لئے اس علم کے ماہر کی طرف رجوع کرے یا دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ اس علم کے سلسلے میں وہ دوسروں کی پیروی کرے جس کا نام تقلید بھی ہے۔ لہٰذا یہ بات عقلاً مسلم ہے کہ اس طرح کی تقلید بہر حال ہر انسان کر رہا ہے اسی طرح علوم اسلامی یا علوم دینی بھی ہے جہاں تک ممکن ہے علم حاصل کرے جب ممکن نہ ہو تو اس علم کے ماہر کی طرف رجوع کرے اور اس کا نام تقلید ہے جو لوگ تقلید کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں بلکہ یہ کہوں کہ جناب باقر صاحب کے نظریہ کے مطابق ہر شیعہ حدیث فہم ہے روایت کے ذریعہ مسائل شریعت کو اخذ کر سکتا ہے جب کہ ایسا ہر گز نہیں حدیث فہمی خود ایک علم ہے کیا ہر انسان کو ڈاکٹر کہہ سکتے ہیں؟ ہر انسان کو انجینئر یا وکیل کہہ سکتے ہیں؟ نہیں تو پھر ہر شیعہ کیا علم حدیث فہمی کے دروس حاصل کر سکتا ہے؟ کہ ہم کہیں ہر شیعہ حدیث فہم ہے جب ہم ہر انسان کو ڈاکٹر نہیں کہہ سکتے یا ہر انسان کو انجینئر نہیں کہہ سکتے تو ہر شیعہ کو محدث کیسے کہہ سکتے ہیں۔ دنیاوی علوم میں تو اتنی سختی کہ اگر ڈاکٹر نہیں ہے اور ڈاکٹری کا دعویٰ کرے تو اس کو سزا دی جاتی ہے تو پھر علوم آل محمدؐ اگر انسان حاصل نہ کرے ااور دعویٰ کرے کہ ہم حدیث فہم ہیں اور احادیث کے ذریعہ اپنے مسائل حل کر لیتے ہیں جب کہ اس نے نہ علم حدیث فہمی کا درس پڑھا ہے نہ علوم حدیث سے آشنائی ہے تو اب ایسے انسان کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ جناب باقر صاحب جو کہ اپنی کتابوں کو کتاب العقل سے شروع کرنے کے دعویدار ہیں ان کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے کہ احادیث معصومینؑ جس کے لئے کہا گیا ہے کلام الامام امام الکلام ہوتا ہے اور پھر جن ادوار سے گذر کر ہماری احادیث ہم تک پہنچی ہیں کیسے ممکن ہے کہ ہر کس و ناکس دعویٰ کر دے کہ ہم حدیث سمجھتے ہیں جب کہ حدیث فہمی کے لئے کم از کم عربی زبان کا معلوم ہونا عربی کے محاورات سے آشنائی زمان و مکان کا علم حالات و مخاطب کا علم ہونا ضروری ہے تب کہیں جا کر ایک حدیث انسان سمجھ پاتا ہے۔

اور اب اگر کوئی حدیث ہی پر عمل کرے اور حدیث نہ سمجھ پائے تو اب وہ بہر حال کسی سے سوال

کرے گا اور یہ ہی سوال کرنا تقلید کہلاتا ہے اسی لئے ہم کہتے ہں کہ انسان خواستہ نخواستہ تقلیدی زندگی گذار رہاہے یہ بات بھی واضح ہے کہ تقلید غلامی نہیں ہے بلکہ عین آزادی ہے اسی لئے ہمارے یہاں کہا گیا ہے کہ پہلے مجتہد بنو اگر نہیں بن سکتے ہو تو تقلید کرو۔

بہر حال اجتہاد و تقلید اس نظام کا نام ہے جہاں معاشرہ خوشحال ہوتا ہے، اتحاد برقرار ہوتا ہے جب کہ جناب باقر صاحب کہتے ہیں کہ تقلید سے قوم میں افتراق ہوتا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے تقلید مرکز اتحاد کا نام ہے جتنے لوگ جس مجتھد کی تقلید کرتے ہیں اتنے لوگ کم از کم ایک مجتہد پر متحد ہیں اور بہت کم مسائل ہیں کہ جہاں مراجع کے درمیان نظریاتی اختلاف ہے ورنہ اکثر مسائل میں نظر ایک ہے اختلافی مسائل میں سب متحد ہیں اور اختلافی مسائل ہیں بھی نظریاتی اختلاف ہے ورنہ در حقیقت اختلاف نہیں ہے، جس طرح جاہل افراد اگر علمی میدان میں اترائیں اور اہل علم افراد پر تنقید کرنے لگیں تو معاشرہ کا عالم کیا ہوگا؟ جاہل نہیں اگر ایک انسان کسی علم کا استاد ہے مگر دوسرے علم کو نہیں جانتا اور وہ اس علم میں دخل اندازی کرے تو یہ فعل اس کا مذموم فعل ہوگا اور معاشرہ میں ہرج و مرج لازم آئے گا للذا ایک عالم اپنے علم میں عالم ہے مگر دوسرے وہ علوم کہ جس کا وہ ماہر نہیں ہے وہ دوسرے ماہر کی طرف رجوع کرے گا مثلاً ایک انجینیر ہے مگر جب بیمار ہوگا تو وہ اب ڈاکٹر کی طرف رجوع کریگا یعنی ڈاکٹر کی تقلید کریگا اور اسی طرح سارا نظام چل رہا ہے ورنہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے ، نظام تقلید میں معاشرہ منظّم اور شریعت محمدی منظّم ہے ورنہ ہر انسان روایات خواہ صحیح ہو یا غلط اپنے اعتبار سے اپنے فہم کے لحاظ سے اگر روایات پر عمل کرتا تو شریعت محمدی جو سارے عالم کے مذاہب سے بہتر اور منظّم ہے اس کا حال کیا ہوتا؟ برادران اہلسنت کی فقہ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے وہاں ایک مدت تک اجتہاد کا باب بند رہا۔ نتیجہ سامنے ہے ہر فرقہ اپنے مطابق عمل کر رہاہے کوئی نماز میں ہاتھ سینہ پر رکھتا ہے کوئی پیٹ پر کوئی ناف پر شاید انہیں تمام علل و اسباب کی بنا پر آج کل اہلسنت برادران نے اجتہاد کے باب کو دوبارہ کھولا تاکہ امت کسی ایک محور پر آسکے اور میں تو جناب باقر صاحب کو دعوت دے رہا ہوں کہ آپ اخباری ہیں اور روایات ہی کو

محور تسلیم کرتے ہیں تو پھر (اہلسنت کے ہر فرقہ کا دعویٰ ہے کہ ہماری نماز عین نماز رسول ہے اور دلیل کے طور پر روایت کا سہارا لیتے ہیں) وہ بھی ہر طرح کی نماز پڑھیں کبھی ہاتھ کھول کر کبھی ہاتھ باندھ کر کبھی دونوں نماز ملا کر کبھی دونوں نماز کبھی الگ الگ کر کے پڑھیں مگر جن کی عقلوں پر اجتہاد در تقلید کی دشمنی کے مہیب پردے پڑے ہوئے ہیں وہ ہماری بات پر کان نہیں دھریں گے انہیں تو ایک ضد ہے کہ نظام اجتہاد و تقلید کی مخالفت کرنا ہے اور بس۔

اقسام تقلید

علماء نے تقلید کی چند اقسام بیان کی ہیں اور انہیں اقسام تقلید سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان خواہ نخواہ تقلیدی زندگی سے یا تو گذر چکا ہے یا گذار رہا ہے۔

ا۔ تقلید: یہ وہ تقلید ہے کہ جہاں انسان مجبور محض ہے صرف تقلید کرتا ہے اور بس اور یہ مرحلہ انسان کی پیدائش سے لے کر شعور کی وادی میں قدم رکھنے تک کا زمانہ ہے یہاں انسان کچھ کر بھی نہیں سکتا جو ماں باپ کہہ دیں اسی پر عمل کرنا ہے جو ماں باپ کروائیں اسی پر عمل ہوتا ہے اگر حکم والدین پر بچہ نے عمل کیا تو بچہ کو لائق کہا جائے گا اور اگر نہیں کیا بر عکس عمل انجام دیا تو عرف میں ایسے بچوں کو نالائق نافرمان کہا جاتا ہے۔

۲۔ تقلید احتیاجی: انسان کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں کہ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی کسی کی تقلید کرتا ہے وہ محتاج ہے کہ اس کی تقلید کرے جس کی طرف وہ احتیاج رکھتا ہے اور یہ تقلید ذی روح کے علاوہ بھی ممکن ہے نباتات، جمادات وغیرہ کی بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً ایک مالدار انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم کو کسی کی خدمت نہیں مگر بیمار پڑ جائے تو اب اسے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا ہے، خود مراجع کرام جن کی تقلید ہوتی ہے تو وہ ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۳۔ تقلید ادبی واحترامی: یہ وہ تقلید ہے کہ انسان بڑے بزرگ عالم دین مرجع وقت وغیرہ کی کرتا ہے بڑے نے کوئی فعل انجام دیا کسی عالم دین نے کسی مرجع وقت نے اگرچہ وہ در حال حاضر اس مرجع وقت

کا مقلد نہیں ہے مگر وہ کوئی ایسا فعل انجام دیتا ہے جس کو وہ شخص انجام دے رہا ہے صرف احترام کی خاطر۔

۴۔ تقلید محض، اندھی تقلید: یہ وہ تقلید ہے جو عقلاً شرعاً اخلاقاً ہر طرح سے مذموم ہے اور اسی تقلید کی قرآن نے مذمت کی ہے بعض افراد جو تقلید کے مخالف ہیں وہ قرآن کی اس آیت کو دلیل کے طور پر لاتے ہیں کہ قرآن نے تقلید کو فعل قبیح قرار دیا ہے انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ قرآن کس تقلید کو منع کر رہا ہے اور کس تقلید کی تائید کر رہا ہے۔ اہل ذوق افراد سورۂ زخرف آیت ۲۳، سورۂ بقرہ آیت ۱۷۰، سورۂ احزاب، آیت ٦٦، ٦٨ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جس میں تقلید مذموم کے سلسلے میں قرآنی نظریہ موجود ہے۔ جناب باقر صاحب نے اس جگہ پر بھی عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے اور ان آیات کا سہارا لیا ہے جو کہ تقلید محض اندھی تقلید کی مذمت کرتی ہے۔

۵۔ تقلید مدوح، تقلید درست: یہ وہی تقلید ہے جس کی تائید قرآن نے کی ہے روایت اور عقل نے کی ہے۔ جناب باقر صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ روایت فہمی میں ذاتی عقل کا دخل نہیں ہونا چاہئے تو یہ نظریہ بھی عجیب ہے کہ روایات فہمی عاقلوں کا کام نہیں بلکہ دیوانوں کا کام ہے۔ کیا خوب نظریہ ہے عقل کل کے قول کو سمجھنے کے لئے عقل کی ضرورت نہیں۔

بہر حال یہ وہ تقلید ہے جو کہ آج کل رائج ہے اور ائمہ طاہرینؑ نے اس کی تاکید سے زمانہ غیبت کبریٰ میں بہت بڑی نعمت ہے جو کہ ہمارے پاس ہے اس نظام تقلید نے شیعہ کو منسجم اور متحد کر رکھا ہے۔ جناب باقر صاحب مدعی ہیں کہ نظام تقلید نے قوم شیعہ میں افتراق پیدا کر دیا ہے تعجب ہے کہ باقر صاحب کس طرح اس قسم کا بے بنیاد دعویٰ کر رہے ہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیبت کبریٰ کے آغاز سے لے کر آج تک بہت سے ایسے مواقع آئے ہیں کہ مرجع وقت کی ایک آواز پر ساری دنیا کے شیعہ متحد ہوئے ہیں اور مختلف محاذ پر کامیابی حاصل کی ہے اور دشمن کو دانداں شکن جواب دیا ہے۔ مرحوم شیرازی صاحب نے حرمت تمبا کو کا فتویٰ دیا اور دشمن ناکام ہو گیا تو آپ ضریح امام علیؑ کو پکڑ کر گریہ فرما

رہے تھے کسی نے سوال کیا حضور یہ تو خوشی کا موقع ہے اور آپ گریہ فرما رہے ہیں تو آپ نے فرمایا خوشی تو ہے مگر دشمن نے اجتہاد و تقلید کی قوت کو دیکھ لیا ہے آج سے وہ اجتہاد و تقلید کے خلاف کام شروع کریں گے اور ہو رہا ہے ،لہٰذا آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اجتہاد و تقلید کے خلاف مختلف زاویہ سے حملہ ہو رہا ہے کبھی اخباریوں کو سامنے لایا جاتا ہے کبھی غالیوں کو سامنے لایا جاتا ہے اور کبھی بے بنیاد اشکالات و مغالطے لوگوں میں رائج کئے جاتے ہیں اور کتابیں لکھوائی جاتی ہیں، مرجع سازی کی جاتی ہے۔

امام خمینی نے اپنے اسی مرجعیت کے پاور کو استعمال کیا اور ہزاروں سال پرانی حکومت کا تختہ الٹ دیا، آقای سیستانی آج ساری دنیا کے شیعوں کو اتحاد حبل المتین میں باندھے ہوئے ہیں اور دشمن مختلف مقام پر آپ سے شکست کھا چکا ہے۔ آپ کی ایک آواز پر آج داعش کے مقابلے میں ہزاروں لوگ سر پر کفن باندھ کر اسلام کی حفاظت کر رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ نظام تقلید افتراق کا سبب ہے۔

تقلید کی تعریف

در لغت: تقلید کے سلسلے میں جو معنی بیان کئے گئے ہیں اگر صرف معنی پر تعصب کی عینک ہٹا کر غور کریں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقلید سے مراد کیا ہے؟ اہل عرب تقلید کو مختلف معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ ہم یہاں انہیں معنی پر بحث کریں گے۔

تقلید در اصل قلادہ سے ہے اور قلادہ کے معنی:

ا۔ گردن بند (ہار) کے ہیں اب اس مقام پر میں مخالفین تقلید سے سوال کرتا ہوں کہ ہار کون پہنتا ہے اور کیوں پہنتا ہے؟ جواب یقیناً یہ ہوگا کہ خواتین پہنتی ہیں اور زینت کے لئے۔ اب اگر تقلید کے معنی یہ کئے جائیں کہ نظام اجتہاد و تقلید ایک ہار کے مانند ہے اور اس کو انسان اپنی زینت کے لئے پہنتا ہے یعنی تقلید مجتہد انسانی زندگی کو زینت بخشنے کے مترادف ہے نہ غلامی اور اتباع نامعقول کے ہار یا گلوبند ٹوٹتا ہے تو موتی بکھرتے ہیں اور کوڑا بن جاتے ہیں اور اگر ایک دھاگے میں جڑے رہیں تو انسان کی زینت بن جاتے ہیں ،اب اگر نظام تقلید سے انسان جڑا رہے تو دنیا و آخرت دونوں خوبصورت ہے اگر ہار کی طرح

ٹوٹ کر بکھرے گئے تو خسر الدنیاوآلاخرہ کی منزل میں ہیں۔

۲۔ بمعنی ریسمان کہ جو جانوروں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے تاکہ اس کو مہار کہا جاسکے درست راستہ پر لگایا جاسکے لگام یا لجام کے معنی کیا ہیں اور اسے جانوروں کے گردن بالخصوص سواری والے جانوروں کے گردن میں کیوں ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کو مہار کہا جاسکے ور اِدھر اُدھر جانے سے روکا جاسکے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسے گمراہ ہونے سے بچایا جاسکے اب اگر تقلید کے معنی ریسمان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نظام مرجعیت ایک ایسی ریسمان ہے جو امت کو گمراہی سے بچاتی ہے اور اِدھر اُدھر جانے سے روکتی ہے۔

اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ احکام شریعت جن کا اصل منبع قرآن وفرامین معصومین ہیں اور قرآن میں تمام احکام کا تفصیل سے بیان نہ ہونا نیز ائمہ معصومینؑ جو کہ مفسر قرآن ہیں ان کے فرامین میں دشمنوں کی خیانت کے بعد انسان اگر صرف روایات واخبار کے ذریعہ احکام حاصل کرنا چاہے تو یقیناً اس کے لئے ایک مشکل مرحلہ ہے اور وہ سرگرداں ہوکر یا احکام شریعت پر عمل نہیں کرے گا یا پھر لامذہب ہونے کی کوشش کرنے لگے گا اسی لئے نظام مرجعیت وجود میں آیا تاکہ عام انسان کے لئے احکام شریعت پر عمل آسان ہو جائے۔

۳۔ بمعنی زنجیر: زنجیر کسے کہا جاتا ہے جو مختلف حلقوں سے مل کر بنے اگر تمام حلقات الگ الگ ہوں تو نہ یہ زنجیر جانور کے گلے میں پہنانے کے کام آسکتی ہے نہ کسی اور کام آسکتی ہے۔ لہٰذا جب تک تمام حلقات متحد نہ ہوں بے فائدہ ہے لہٰذا اب تقلید کے معنی اس طرح کئے جاسکتے ہیں کہ نظام تقلید واجتہاد وہ زنجیر ہے جو تمام قوم شیعہ کو متحد ومنسجم کئے ہوئے ہے اور جناب باقر نثار صاحب کے نظریہ کے مطابق نظام تقلید واجتہاد افتراق کا باعث ہے اتحاد کا نہیں۔ (ذرا عقل کے ناخن لیجئے جناب)

۴۔ بمعنی اتباع انسان کس کا اتباع کرتا ہے خدا نے انسان کو عقل دی ہے وہ اسی عقل کا سہارا لے کر ایسے انسان کا اتباع کرتا ہے جو اس کی نگاہ میں اتباع کے لائق ہو اگر کوئی برے انسان کا اتباع کرے تو

لوگ اسے بے عقل کہتے ہیں اب ہم کو ائمہ کے فرامین و کردار کا اتباع کرنا ہے تو یہ فرامین و کردار ہم کو کون بتائے گا؟ جو بتائے گا وہ مقلَّد ہو گا اور ہم مقلِّد ہوں گے اور اگر خود سے ہم اتنا علم حاصل کرلیں کہ فرامین ائمہ کو کما حقہ سمجھ لیں تو تقلید کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے کہ پہلے مرحلہ میں کہا گیا ہے کہ یا تو خود مجتہد ہو یا کسی مجتہد کی تقلید کرے۔ اب سوال یہ ہے کہ عام انسان سب کے سب فرامین معصومینؑ کو سمجھ سکتے ہیں جب کہ روایات و احادیث میں دشمن کی طرف سے خیانت و تحریف بھی مسلم ہے اور ائمہ طاہرینؑ کے فرامین میں بہت سی جگہ تقیہ بھی پایا جاتا ہے جس کا بیان ہم آئندہ کریں گے اب ان مشکلات کو اگر کوئی حل کر دیتا ہے اور ہم ان کا اتباع کرتے ہیں تو اس میں کیا مشکل ہے۔[1]

تقلید کے اصطلاحی معنی

ہم یہاں تقلید کے معنی بہت مختصر لکھ رہے ہیں انسان جاہل (نیز اس علم میں جاہل جس کا اسے علم نہیں نہ کہ مطلقاً جاہل اس کے لئے تو اور ضروری ہے کہ وہ تقلید کرے) کا کسی عالم کی طرف رجوع کرنا اب وہ عالم چاہے جس علم کا عالم ہو تقلید کہلاتا ہے مریض کا ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا۔ کھیتی کے لئے کسان کی طرف رجوع کرنا، مکان بنوانے کے لئے انجینئر کی طرف رجوع کرنا، مسئلہ شریعت کو معلوم کرنے کے لئے مجتہد کی طرف رجوع کرنا تقلید کہلاتا ہے اور اس فعل کو عقلاء عالم فعل حسن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب کوئی ڈاکٹر ہے اور وہ کہے کہ میں انجینئر کے پاس کیوں جاؤں میں تو خود عالم ہوں تو عقلاء اس کو جاہل اور بے عقل کہیں گے اس لئے کہ جو جس علم کا ماہر ہے وہ اس کے بارے میں زیادہ ادراک رکھتا ہے اگر ڈاکٹر انجینئر کی طرف رجوع کرے تو یہ جاہل نہیں بلکہ اس کا یہ فعل عالمانہ اور عاقلانہ ہے اس لئے کہ اس نے اس کی طرف رجوع کیا ہے جو اس علم کا عالم ہے۔ اب جناب باقر نثار صاحب جو

[1] لسان العرب، ابن منظور، ج۳، ص ۳۶۶، طبع بیروت تاج العروس محمد مرتضی زبیدی، ج۲، ص ۴۷۵، مصباح المنیر احمد بن محمد فیوسی، ج ۲، ص ۵۱۲، طبع قم مفردات راغب راغب اصفہانی، ص ۴۱۱، طبع بیروت، المنجد ص ۶۴۹ بیروت۔

فرماتے ہیں کہ مراجع کرام اور مجتہدین تمام عالم اسلام کو جاہل سمجھتے ہیں تو یہ دعویٰ ان کا غلط ہے اس لئے کہ مراجع کرام اس علم میں یعنی علم قرآن فہمی اور حدیث فہمی اور احکام فہمی میں عوام کو جاہل سمجھتے ہیں نہ کہ تمام علوم میں وہ جاہل ہے اور یہ بات ہر عاقل انسان قبول کر رہا ہے خود مراجع کرام جب مریض ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں لہٰذا وہ ڈاکٹر کے مقلد کہلائے گیں۔ جناب باقر صاحب عوام کو مغالطہ میں ڈال کر ان کے احساسات سے کیوں کھیل رہے ہیں۔"فاعتبروا یا اولی الابصار"

اب اگر کوئی کسی ماہر کے پاس جاتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے نسخہ پر عمل کرتا ہے اور نتیجہ برعکس نکلتا ہے تو لوگ یہ ہی کہیں گے کہ اس کی غلطی نہیں ہے مقصر وہ ہے جو ماہر ہے مگر پھر بھی آپ اس کا مواخذہ نہیں کر سکتے اس لئے کہ اس نے جو علم حاصل کیا ہے اس کے مطابق نسخہ بتایا تھا یہاں ماہر اور غیر ماہر کا فرق ضروری ہے عام ڈاکٹر اگر غلطی کرتا ہے تو اس کا مواخذہ ہوتا ہے لیکن اسپیشلسٹ اور اس علم کا ماہر اگر غلطی کرتا ہے تو اس کا مواخذہ نہیں ہے البتہ یہ غلطی جہل کی بنیاد پر نہ ہو اس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا ہے اب اگر دوا فائدہ نہیں کی تو یہ اس کی غلطی نہیں ہے اسی طرح اگر ہم عالم علم شریعت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اگر بالفرض محال مسئلہ درست نہیں ہے پھر بھی جواب دہ مقلِّد نہیں ہے مقلَّد ہے پیش خدا وہ جواب دہ ہے ہم سے خدا سوال نہ کرے گا کہ ایسا کیوں کیا۔ لیکن اگر خود حدیث و روایت کے ذریعہ عمل کیا اور وہ درست نہ ثابت ہوئی تو اب خدا مواخذہ کرے گا کہ تم نے اہل علم سے سوال کیوں نہ کیا؟ اب میرا سوال ہے کہ غلطی وخطا کے امکان کے ساتھ خود اگر روایت و حدیث پر عمل کریں یہ بہتر ہے یا یہ کہ مطمئن ہو کر کسی کے قول کو مان لیں کہ جہاں ہماری غلطی اور خطا کا امکان نہیں اگر بعینہٖ فتوے پر عمل کر رہے ہیں یہ بہتر ہے۔

دوسری طرف جناب باقر صاحب کے عقیدے کے مطابق روایت بھی موجود ہے :"کل مفت

ضامن "،"ان المفتی ضامن "[1]

ہر مفتی اپنے فتوے کا ضامن ہے یعنی جو لوگ اس کے فتوے پر عمل کر رہے ہیں وہ ان کے اعمال کا ضامن ہے اب اگر مقلد کسی کے فتوے پر عمل کرتا ہے تو قول مذکور کے مطابق بہر حال مقلِد بری الذمہ ہے اور جس کے فتوے پر عمل کر رہا ہے وہ صحیح و غلط کا ذمہ دار ہے۔

مسئلہ تقلید پر قرآنی دلیل

آیت ا۔ "وما کان المومنون لینفرو اکافة فلولانفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون"[2] مومنین سب کے سب کوچ نہ کریں بلکہ ہر گروہ و قبیلہ سے کچھ لوگ علم حاصل کرنے کے لئے سفر کریں تاکہ دین سے آگاہ ہو سکیں اور واپس آکر اپنی قوم کو تنبیہ کریں ڈرائیں احکام دین سے آگاہ کریں شاید وہ اس کی باتوں سے ڈریں۔

ترجمہ لفظی اور مفہومی کیا گیا ہے۔ اس آیت سے جواز تقلید پر دلیل قائم کی جاسکتی ہے کہ کچھ لوگ علم حاصل کریں اور دوسروں کو اس علم سے بالخصوص دینی علوم و احکام سے آگاہ کریں یہ آیت "فاسئلوا اهل الذكر" سے زیادہ تقلید و اجتہاد کے جواز پر دلالت کرتی ہے کہ ایک انسان ہر قبیلہ یا گروہ سے جائے تفقہ فی الدین کرے اور واپس آکر دوسروں کو دین کی باتیں اور احکام بیان کرے تو اب جو شخص علم حاصل کر کے آئے گا وہ ہوگا مقلَد مرجع وقت مجتہد اور دوسرے ہوں گے مقلِد اور عالم فقیہ مجتہد یہ کام اس لئے کرے تاکہ قوم کو ڈرا سکے، فقیہ کا کام ہے حاصل شدہ علم کے ذریعہ واجب و حرام لوگوں تک پہنچائے اور بتائے کہ واجب چھوڑ دینے والا سزا کا مستحق ہے اور اس کی سزا مثلاً جہنم ہے اور یہ انذار ہے۔

---

[1] فروع کافی، ج۷، ص ۴۰۹۔

[2] سورۂ توبہ، آیت ۱۲۲۔

آیت ۲۔ "فاسئلوا اهل الذکران کنتم لا تعلمون"[1] اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔

سوال، جو مقدمہ علم ہے پوچھو تاکہ اس کے مطابق عمل کر سکو۔آیت میں سوال کرنا محور نہیں ہے بلکہ اس سوال کے بعد جو کچھ حاصل ہو رہا ہے اس پر عمل مقصود ہے اگر عمل نہ ہو تو سوال و جواب کا مطلب کیا ہے اس قسم کا حکم عرف میں وظیفہ عملی کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی جس چیز کا علم نہیں ہے اس کو دریافت کرو تاکہ اس پر عمل کر سکو مثلاً مریض کو کہا گیا کہ اگر تم مریض ہو تو ڈاکٹر سے سوال کرو اور جو کچھ وہ کہے اس پر عمل کرو اگر انسان ڈاکٹر کے پاس جائے سوال کرے اور جواب ملنے پر نہ ڈاکٹر کے حکم کے مطابق پرہیز کرے نہ دوا کھائے تو مریض اچھا بھی نہیں ہوگا اور مرض میں اضافہ بھی ہوتا جائیگا۔

اب یہاں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اہل ذکر سے مراد تو ائمہ طاہرینؑ کی ذات والا صفات ہے تو جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل ذکر سے مراد ائمہ طاہرینؑ کی ذات ہے اب جب کہ اہلبیتؑ ہمارے درمیان نہیں ہیں تو کیا قرآن کی اس آیت کا کوئی فائدہ نہیں ہے؟ اس لئے کہ اہلبیتؑ نہیں ہے یہ آیت فقط اس وقت تک کے لئے تھی جب تک اہلبیت و ائمہ طاہرینؑ تھے تاکہ لوگ ان سے سوال کر سکیں اب جب کہ ائمہ طاہرینؑ نہیں تو اس آیت کا قرآن میں کوئی کام نہیں ہے نکال دینا چاہئے اور بقول جناب باقر صاحب کہ امام زمانہ سے ملاقات کا امکان نہیں ہے کہ آپ سے سوال کر سکیں لہٰذا ہماری ان بات پر جناب باقر صاحب کا نظریہ ص بنارہا ہے یا نہیں دوسری طرف ہم کہتے ہیں کہ ائمہؑ کے بعد علماء کے دست با کفایت میں ہے اور غیبت کبری میں علماء حجت خدا اور نواب امام زمانہ کے سپرد ہیں جس پر متعدد روایت دلالت کرتی ہے لہٰذا ہم زمانہ غیبت میں علماء سے سوال کرتے ہیں اور ان کے بتائے ہوئے احکام و دستورات پر عمل کرتے ہیں اور اسی کا نام تقلید ہے۔

---

[1] سورۂ انبیاء، آیت ۷، سورۂ نحل، آیت ۴۳۔

اب یہاں پر ایک اعتراض یہ بھی ہو سکتا ہے جناب باقر صاحب کی طرف سے ہوا بھی ہے کہ سوال و جواب سبب علم ہونا چاہیئے یعنی نہیں جانتے سوال کیا علم ہو گیا مگر علماء و مراجع کے جوابات میں علم نہیں یقین نہیں بلکہ ظن ہے اور ظن و گمان پر عقلمند انسان عمل نہیں کرتا تو جواب یہ ہے کہ آیت یہ نہیں کہہ رہی ہے کہ سوال کرنے کے بعد یقین پیدا کرو بلکہ آیت کہتی ہے سوال کرو اور جواب پاؤ اور اس پر عمل کرو اور جہاں تک علم کی بات ہے جو شخص جس کی تقلید کرتا ہے اس کی بات پر یقین بھی رکھتا ہے۔ مسائل و احکام میں اگر کہیں ظن و گمان کا احتمال ہے تو یہ خود مجتہد کے لئے ہے نہ مقلد کے لئے اور قبلاً بیان کر چکے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا ہے ہر مفتی اپنے فتوے کا ضامن ہے نہ مقلد تو مقلد فقط فتوے پر عمل کرتا ہے اور بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ آیا ضد و نقیض روایات پر عمل کر کے انسان مطمئن ہو سکتا ہے؟ ایک ہی روایت ایک حکم کو واجب کہتی ہے تو دوسری روایت حرام اگرچہ اس قسم کی روایات کم ہیں مگر ہیں تو اب دونوں احتمال پایا جاتا ہے کہ واجب بھی ہیں اور حرام بھی اور جناب باقر صاحب علم الحدیث کے بھی قائل نہیں ہیں کہ روایات درست کی تمیز کر سکیں لہٰذا ہم مجتہد کے فتوے پر عمل کر کے بری الذمہ اور مطمئن تو ہو ہی جاتے ہیں مگر دو متضاد روایت پر عمل اولاً ممکن نہیں جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ کون سی صحیح ہے اور کونسی روایت غلط اور عام آدمی روایات کے صحیح اور غلط کو سمجھ نہین سکتا لہٰذا وہ ان حالات میں اطمینان کہاں سے پیدا کر سکتا ہے کہ ہم نے جو عمل کیا ہے وہی درست ہے۔ ہاں اگر کیسی ایک طرف رجحان پیدا کر بھی لیا تو یقین بہر حال حاصل نہیں ہوا۔ اگر اب بھی نہیں سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

آیات کے سلسلے میں بہت زیادہ بحث کرنا مقصود نہیں ہے اس لئے کہ اخباری حضرات قرآن سے اختلاف رکھتے ہیں بلکہ ان کا کل محور اخبار و روایات ہیں البتہ اہل ذوق افراد اس مسئلہ پر اردو میں لکھی جانے والی کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں فارسی اور عربی مین بھی بہت سی موجود ہیں۔

جواز تقلید پر روایات معصومین

جواز تقلید پر معصومینؑ کی بہت سی روایات کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں اور جناب باقر صاحب جن کتابوں کو ماخذ و مدرک تسلیم کرتے ہیں انہیں کتابوں میں یہ روایات موجود ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جناب باقر شار صاحب آیا ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں؟ اگر تسلیم کرتے ہیں تو پھر اپنے نظریہ کے مخالف ہوں گے اور اگر نہیں تسلیم کرتے تو قول معصومؑ سے انکار اور قول معصومؑ کا منکر کیا ہوتا ہے یہ جناب باقر صاحب خود خوب سمجھتے ہیں اگرچہ جناب باقر صاحب جیسے افراد کو قول معصومؑ سے کیا رغبت ان کا ہدف تو جھوٹی شہرت اور دنیا طلبی کے علاوہ کچھ اور نہیں ۔ ہم یہاں جواز تقلید پر ائمہ معصومین کی طرف سے وارد چند روایات نقل کر کے اپنے قارئین کو حقیقت سے کرنا چاہتے ہیں اور باقر صاحب کے مغالطے اور کذب بیانی سے پردہ بھی اٹھانا چاہتے ہیں تا کہ ہماری بھولے بھالے شیعہ سمجھ سکیں کہ روایات کا راگ الاپنے والا کس حد تک روایات پر عمل کرتا ہے۔

۱۔ توقیع مبارک: اسحاق بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن عثمان سے کہا کہ میرا وہ خط مجھے لادو جس میں نے مولا سے چند مشکلات کا حل معلوم کیا تھا۔ محمد بن عثمان وہ خط یا کتاب لائے جس میں مولا نے اپنے ہاتھ سے لکھا کہ جب کوئی حادثہ یعنی نئی بات نیا مسئلہ نئی مشکل آئے تو ہمارے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ یہ لوگ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں ان پر حجت خدا ہوں۔ ہاں عثمان اور ان کے باپ سے خدا راضی ہے میرے معتمد مورد اعتبار ہیں اس کا لکھا میرا لکھا اور انکا کلام میرا کلام ہے۔[1]

امامؑ کے قول مذکور نے تقلید کی تائید اس طرح کی کہ امامؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہمارے قول کو عثمان بیان کریں بلکہ فرمایا ان کا قول ہمارا قول ہے یعنی وہ جو بیان کریں گے اگر بعینہ ہمارے الفاظ نہ بھی ہوں پھر بھی احادیث کے پرتو میں ہی بیان کریں گے یعنی اپنی طرف سے نہ کہیں گے بلکہ ہمارے نظریات کو اپنے طور پر بیان کریں گے۔ مراجع کرام و مجتہدین عظام بھی یہ ہی کرتے ہیں قرآن و روایات

[1] وسائل الشیعہ، ج۱۸، باب ۱۱، روایت ۹، ص۱۰۱۔

واحادیث سے جو وہ سمجھتے ہیں اسی کو بیان کرتے ہیں نہ اپنی طرف سے۔

دوسری بات حوادث واقعہ کا مطلب یہ نئے واقعات نئی مشکل نیامسئلہ اگر درپیش ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ نئے مسائل ہو سکتے ہیں جب کہ جناب باقر صاحب نئے حوادث نئی مشکل اور نئے مسئلہ کے منکر ہیں اس ذیل میں ہم آئندہ مفصل بحث کریں گے۔

تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ امام نے فرمایا ہے کہ راویوں کی طرف رجوع کرو، محمد بن عثمان کی طرف رجوع کرو وہ ہمارے قول کو نقل کرینگے تو اب جو رجوع کریگا وہ ہو گا مقلِد اور جس سے رجوع کیا جائے گا وہ ہو گا مقلَد۔ اس سے بہتر تقلید پر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور ہاں ایک بات اور بھی ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ امام نے راوی کی طرف رجوع کرنے کو کہا ہے کتاب کی طرف نہیں لہٰذا آپ کو کس نے اجازت دی ہے کہ آپ کتاب کی طرف رجوع کریں، کہیں آپ حسبنا کتاب اللہ کہ تائید تو نہیں فرمارہے ہیں اگرچہ آپ سے بعید بھی نہیں۔

۲۔ احمد بن اسحاق نے امام ہادیؑ سے سوال کیا مولا کس کے ساتھ معاملہ کروں؟ اپنے سوال کس سے پوچھوں؟ اور کس کی بات پر اعتماد کروں اپنی مشکلات کا حل کہاں تلاش کروں؟ تو آپؑ نے فرمایا: " عثمان بن سعید عمری ہمارے مورد اعتماد ہیں وہ جو کچھ کہیں ہماری طرف سے کہتے ہیں ان کا قول میرا قول ہے ان کی باتوں کو سنو اور ان کی پیروی کرو کہ وہ میرے امین و مورد اعتماد ہیں۔[1]

اسی سے ملتی جلتی تین اور روایت احمد بن اسحاق سے اور بھی موجود ہیں اہل ذوق افراد معجم رجال الحدیث ج ۱۱، مفاخر الاسلام، ج ۱، بحار الانوار، ج ۵۱، کافی ج ۱، وسائل الشیعہ، ج ۱۸ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

روایت مذکور میں بھی امامؑ نے راوی کے قول کو مورد وثوق قرار دیا ہے اب راوی یا روایت بیان کرے گا یا روایت کے مطابق مسئلے کو اپنی طرف سے بیان کرے گا اور امامؑ نے اس کے قول کی تائید کی

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۳۳۰، وسائل الشیعه، ج۱۸، باب ۱۱، ص ۹۹، روایت ۴۔

ہے نہ بیان روایت کی اور اسی کا نام تقلید ہے۔

۳۔ عبداللہ ابن یعفور نے امام صادقؑ سے کہا مولا میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا ہوں کس سے اپنے مسائل کے بارے میں سوال کروں اور لوگ بھی مجھ سے سوالات کرتے ہیں اور میں ان کے جواب دینے پر قدرت بھی نہیں رکھتا؟ امامؑ نے جواب دیا کیوں محمد بن مسلم سے اپنے سوالات نہیں پوچھتے جو اس نے میرے بابا سے علم حاصل کیا ہے اور مورد اعتماد بھی ہے۔[1]

۴۔ یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں تھا کہ آپ نے فرمایا کیا تم لوگ اپنے شرعی مسائل کے حل کے سلسلے میں کوئی پناہ گاہ رکھتے ہو اور کوئی شخص جو تمہیں مطمئن کر سکے نہیں رکھتے ہو؟ تعجب ہے کہ تم لوگ حارث بن مغیرہ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے کیوں اپنی مشکلات شرعی کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع نہیں کرتے۔[2]

۵۔ ابن اذینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے متعہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ عبدالملک بن جریح سے اس سلسلے میں سوال کرو وہ اس مسئلہ میں کافی علم رکھتے ہیں میں ان کے پاس گیا انھوں نے جو جواب دیا وہ آکر میں نے امام صادقؑ کو بتایا تو آپ نے تائید فرمائی۔[3]

مذکورہ تینوں روایات میں امام صادقؑ نے اپنے اصحاب کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی ہے نیز آخری روایت میں سائل نے جب امامؑ کو جواب سے مطلع کیا تو آپؑ نے تائید کی اگر روایت بیان کی جاتی تو آپ فرماتے یہ تو ہماری ہی روایت ہے۔ اس میں تائید کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی اور سائل بھی روایت امامؑ سننے کے بعد دوبارہ ان سے سوال نہ کرتا مگر عبدالملک نے روایت نہیں بلکہ روایت کے مطابق مسئلے کو بتلایا تھا اسی لئے سائل نے امامؑ سے تائید چاہی اور روایت کے مطابق مسائل کو حل

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۱۰۵، الاختصاص، ص ۲۰۱، بحارالانوار، ج ۲، ۲۹۴، سفینۃ البحار، ج۱، ص ۳۳۱۔

[2] وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۱۰۵۔

[3] وسائل الشیعہ، ج۱۸، ص ۱۰۰۔

کرنے کا نام ہی اجتہاد ہے۔

۶۔ یونس بن عبدالرحمٰن نے بہت سی کتاب فقہی موضوع میں لکھی تھیں احمد بن ابی خلف کہتے ہیں کہ میں بیمار تھا اور امامؑ میری عیادت کو آئے میرے پاس آپ نے کتاب "یوم ولیلۃ" دیکھی جو یونس بن عبدالرحمٰن نے لکھی تھی آپ نے اس کتاب کو دیکھا اور فرمایا خدا یونس پر رحمت نازل کرے یہ کتاب ہمارے اور ہمارے اجداد کے دین کے نشر میں لکھی گئی ہے اور اس کتاب میں جو کچھ ہے حق ہے۔ امامؑ نے اس کتاب کو دیکھنے کے بعد نہیں فرمایا کہ اس میں ہمارے اور ہمارے آباء واجداد کی روایت ہے بلکہ آپ نے فرمایا نشر دین کی باتیں ہیں اور چونکہ امامؑ تائید فرما رہے ہیں لہٰذا اس سے ثابت ہے کہ یونس نے جو کچھ لکھا تھا وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھا تھا اور اسی فعل کا نام اجتہاد ہے۔[1]

۷۔ امام صادقؑ نے اپنے اصحاب کے سلسلے میں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو روایات سے استنباط کرتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہماری روایات سے استنباط نہ ہوتا اور یہ ہی لوگ دین کے محافظ ہیں۔ حلال و حرام کے سلسلے میں ہمارے امین ہیں۔[2]

جناب باقر نثار صاحب استنباط در قرآن وحدیث کے کیا معنی ہیں آیا روایت بیان کرنا استنباط کہلاتا ہے یا پھر روایت کی روشنی میں مسائل کو سمجھنا استنباط کہلاتا ہے۔ اگر اب بھی نہیں سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

کسی بھی مسئلہ میں قرآن وحدیث کے ذریعہ استنباط کرنے کو ہی اجتہاد کہتے ہیں اب جناب باقر صاحب ان روایات کو کس خانہ میں رکھتے ہیں؟ کیوں سادہ لوح عوام کو مغالطہ میں ڈال کر اپنی طرح ان کے دین کو بھی خراب کر رہے ہیں۔ مرنا آپ کو بھی ہے آپ کالا کوا کھا کر نہیں آئے ہیں کہ مرے گیس ہی نہیں جب احمد مرسل نہ رہے کون رہے گا۔ ذرا سوچئے! میدان محشر میں کس طرح جواب دیں گے اگر مسئلہ

---

[1] وسائل الشیعه، ج۱۸، ص ۷۱، اختیار معرفة الرجال، ج ۲، ص ۷۷۹، الکنی والالقاب، ج۱، ص ۳۸

[2] وسائل الشیعه، ج۱۸، ص ۱۰۷

صرف آپ کی ذات تک ہوتا تو خدائے رحیم شاید معاف بھی کر دیتا اگر چہ وہ عادل ہے اور عدالت سے ہی فیصلے کریگا اور آپ کی معافی کی گنجائش کالعدم ہے مگر عوام کی گمراہی کو خدا یقیناً معاف نہیں کرے گا۔

وہ روایات جن میں فتویٰ دینے کی اجازت دی گئی ھے

جناب باقر صاحب مذکورہ روایات کے سلسلہ میں شاید کہہ دیں کہ یہ روایت اجتہاد و تقلید و فتویٰ پر کب دلالت کر رہی ہیں یہ روایات تو دلالت کر رہی ہیں کہ امامؑ نے روایت بیان کرنے کی اجازت دی ہے نہ فتویٰ دینے کی لہٰذا جناب باقر صاحب کی خدمت میں وہ روایات پیش کی جا رہی ہیں جن میں ائمہ طاہرینؑ نے اپنے اصحاب سے کہا ہے کہ فتویٰ دو۔

۱۔ امام باقرؑ نے ابان ابن تغلب سے فرمایا اے ابان مجلس میں بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو فتویٰ دو اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم جیسے افراد میرے شیعوں میں ہوں۔[1]

۲۔ معاذ بن مسلم کہتے ہیں میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کیا تم مسجد جامع میں بیٹھ کر فتویٰ دیتے ہو تو معاذ نے کہا ہاں مولا ایسا کرتا ہوں آپ نے فرمایا ایسا ہی کرو۔[2]

۳۔ حضرت علیؑ اپنی حکومت ظاہری کے زمانہ میں اپنے ایک عامل قثم بن عباس سے کہتے ہیں لوگوں کے درمیان بیٹھو اور ان کے دینی سوالات کے جواب دو۔[3]

۴۔ ابن فضال حسن بن جہم سے نقل کرتے ہیں کہ امام رضاؑ نے مجھ سے کہا اے حسن ایک مسلمان مرد اگر عیسائی عورت سے شادی کرے جب کہ ایک مسلمان عورت اس کے نکاح میں پہلے سے ہو تو اس بارے میں تمہاری کیا نظر ہے؟ حسن کہتے ہیں کہ میں نے امامؑ سے کہا آپ کی موجودگی میں میری رائے کی

---

[1] الفہرست شیخ طوسی، ص ۱۷، تحریر المعالم مشکینی، ص ۲۲۹، رجال الحدیث خوئی، ۱۴۷، اعیان الشیعہ محسن امین، ج۲، ص ۹۷

[2] اختیار معرفۃ الرجال، ص ۲۵۲، وسائل الشیعہ، ج۱۸، ص ۱۰۸، بحارالانوار، ج۲، ص ۲۳۶

[3] نہج البلاغہ، مکتوب ۶۷، سفینۃ البحار، ج۲، ص ۴۰۸۔

کیا اہمیت ہے۔ امامؑ نے فرمایا: اپنا نظریہ بیان کرو تاکہ میرا نظریہ معلوم ہو سکے۔[1]

۵۔ احمد بن ابی نصر کہتے ہیں کہ امام رضاؑ نے فرمایا ہمارا فرض ہے کہ ہم کلیات احکام اور قواعد کلی کو بیان کریں اور تمہارا کام ہے کہ تم انہیں کلیات کے اصول کے مطابق فرعی مسائل کو نکالو۔[2] لیجئے جناب اس سے بہتر فتوی دینے پر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

۶۔ ہشام بن سالم کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہمارا کام ہے اصول احکام کا بیان کرنا اور آپ کا کام ہے انہیں اصول سے مسائل فرعی کو استنباط کے ذریعہ نکالنا۔[3]

۷۔ امام حسینؑ نے فرمایا لوگوں کے تمام امور دین سے متعلق ہوں یا دنیا سے متعلق ہوں علماء کے ہاتھ میں ہے اور علماء ہی لوگوں کے حلال و حرام کے امین ہیں۔[4]

پہلی دوسری اور تیسری روایت میں امامؑ نے صاف لفظوں میں فرمایا فتویٰ دو جناب باقر صاحب فتویٰ دینا بیان روایت ہے یا پھر روایت سے اخذ کئے ہوئے غیر معصوم کا نظریہ؟

چوتھی روایت میں امامؑ اپنے صحابی سے سوال کر رہے ہیں کہ پہلے تم بتاؤ کہ تمہارا نظریہ کیا ہے اور امامؑ کو معلوم ہے کہ یہ جو کچھ بیان کرے گا یقیناً قرآن یا ہماری روایت کے مطابق بتائے گا اور اگر قرآن و حدیث سے غلط سمجھا ہے تو ہم اس کی اصلاح کر دیں گے۔ قرآن و حدیث کو سمجھ کر اپنی نظر دینا ہی فتویٰ کہلاتا ہے جس کو امامؑ نے پریکٹیکل کر کے بتایا ہے۔

پانچویں اور چھٹی روایت کاملاً مراجع کرام کی تائید کرتی ہے جس میں امام رضاؑ نے فرمایا ہم کلیات بیان کرتے ہیں فرعیات انہیں کلیات سے اخذ کرنا تمہارا کام ہے اور امامؑ معصوم کے اقوال کی روشنی میں فرعیات کو نکالنا ہی اجتہاد کہلاتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ کام تو ہم بھی کر سکتے ہیں تو جناب عالی جس

---

[1] البرہان فی تفسیر القرآن، بحرانی، ج۱، ص ۴۴۹۔
[2] اعیان الشیعه، ج ۱، ص ۱۰۴، مستطرفات السرائر، ص ۵۷۔
[3] مستطرفات السرائر، ص ۵۷، اعیان الشیعه، ج۱، ص ۱۰۴۔
[4] تحف العقول، ص ۱۶۹، الحیاة، ج۲، ص ۲۹۲۔

طرح ہر انسان ڈاکٹر نہیں، انجینئر نہیں، وکیل نہیں اسی طرح ہر انسان عالم علم حدیث نہیں ہو سکتا۔ علوم احادیث کے سلسلہ میں گذشتہ صفحات پر تفصیل سے بحث کر چکا ہوں کہ حدیث فہمی کے لئے کن کن علوم کا جاننا ضروری ہے جو کہ بہر حال ہر انسان کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

ساتویں روایت بیان کرتی ہے کہ تمام امور دین و دنیا علماء کے ہاتھوں میں ہیں اور وہی لوگوں کے حلال و حرام کے امین ہیں یعنی علماء بیان کریں گے کہ حلال و حرام کیا ہے؟ زندگی کیسے گذارنی ہے؟ دوسرے بہت سے مقامات ہیں ائمہ طاہرینؑ نے علماء کے سلسلے میں تمجید فرمائی ہے کیونکہ علماء ہی وارثین انبیاء ہیں، علماء ہی خدا کی حجت ہیں۔ رسول خدا ارشاد فرماتے ہیں میں اپنی امت کے علماء پر روز قیامت فخر کروں گا۔ اب اگر جناب باقر صاحب فرمائیں کہ علماء سے مراد ائمہ طاہرینؑ ہیں تو مجھے ان کی عقل پر رونا آئے گا کہ مذکورہ روایات میں اکثر روایات ائمہ طاہرینؑ نے بیان فرمائی ہے اور رسول خدا نے فرمایا ہے کہ میں اپنی امت کے علماء پر فخر کروں گا تو ائمہ طاہرینؑ تو روز ازل سے ہی لائق صد افتخار ہیں نہ یہ کہ صرف رسول خدا بلکہ انبیاء ماسبق ملائکہ کے لئے لائق صد افتخار ہیں۔

جناب باقر صاحب جن کتابوں کو اپنا مرجع و ماخذ قرار دیتے ہیں مثلاً من لایحضرہ الفقیہ یا اصول کافی وغیرہ تو شائد ان کو نہیں معلوم کہ یہ حضرات فقیہ بھی تھے اور فتویٰ دیتے تھے خود شیخ صدوق صاحب کتاب من لایحضرہ الفقیہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں تمام روایات معصومینؑ کو جمع نہیں کیا ہے بلکہ جن روایات واحادیث سے میں نے فتویٰ دیا ان کو جمع کیا ہے لہٰذا احرام حائض اور مستحاضہ کے سلسلے میں روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے ذریعہ فتویٰ دیا ہے نہ یہ کہ حدیث بیان کی ہے۔ باب وصیت میں اصول کافی سے ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں میں اس حدیث سے فتویٰ نہیں دوں گا بلکہ میرا فتویٰ حسن بن علیؑ کی روایت کے مطابق ہے۔[1]

---

[1] من لایحضره الفقیه، ج۱، ص ۳۱۲، ج۲، ص ۳۸۳، ج۱، ۴۱۱، ج ۴، ص ۲۰۳

لیجئے جناب باقر صاحب آپ جس ڈال پر بیٹھے تھے وہی کٹ گئی۔ اب کیا کریں گے یا تو شیخ صدوق کو دوسرے بزرگان اور عماد دین اسلام کی طرح ٹھکرا دیجئےاور اب تک جو اعمال ان کی کتاب کے مطابق انجام دے چکے ہیں ان کی قضا کیجئے (اگرچہ اعمال کاآپ سے کیا لینا ہے) یا پھر قبول کر لیجئے کہ وہ بھی مجتہد و مفتی تھے۔

اس قسم کی بہت شواہد اور بھی ہیں جسے ہم یہاں ذکر نہیں کر رہے ہیں البتہ اہل ذوق حضرات کتب روائی کے مقدمات کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جہاں مصنف و مؤلف کتاب نے کتاب لکھنے کی غرض و ہدف کو ذکر کیا ہے۔

مسئلہ اعلمیت

یہ مسئلہ بھی جناب باقر صاحب نے کافی شد و مد کے ساتھ اٹھایا ہے اور اس ترقی یافتہ دور میں تو اس مسئلہ کو بچہ بچہ سمجھ سکتا ہے کہ ایک وقت میں کئی اعلم ہو سکتے ہیں مثلاً ہر مجتہد اپنی اعلمیت کا دعویٰ کر سکتا ہے وہ اس طرح کہ دنیا میں بہت سے ڈاکٹر یا انجینئر ایسے ہیں جو کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے لہٰذا اس کے ماننے والے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ اس کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں لہٰذا اس کی طرف جاتے ہے اور فطرت بھی یہ ہی ہے کہ انسان بہتر سے بہتر کی طرف مراجعہ کرے اور جو شخص جس کسی کے پاس جاتا ہے وہ اس کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔

تو کیا وہ ڈاکٹر جس کی طرف اس شخص نے مراجعہ نہیں کیا اپنے دعوے میں چھوٹا ہے ہر گز نہیں بلکہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور جس نے اس کی طرف مراجعہ کیا ہے وہ بھی اپنی جگہ مطمئن ہو کر اس کے پاس گیا ہے لہٰذا یہ بھی اپنی جگہ درست ہے مگر جیسے ہی اس کو پتہ چلے کہ نہیں اس سے بہتر ڈاکٹر بھی موجود ہیں جو اس سے زیادہ پڑھا ہے تو اب اگر اس کے لئے یقین پیدا ہو جائے اور اب وہ اس کی طرف مراجعہ نہ کرے۔ تو خلاف عقل کام کہا جائے گا۔ اسی طرح ہر مقلد اپنے مرجع وقت کو اعلم سمجھتا ہے پھر تقلید کرتا ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ اس سے بہتر کوئی اور مجتہد اور اعلم تر ہے تو اب اس کو فوراً اس بہتر کی طرف رجوع کرنا ہو گا یہ ہی شریعت کا بھی مسئلہ ہے مگر اس سے خود اعلم پہ کوئی الزام نہیں آئے گا اس لئے کہ وہ خود کو اعلم سمجھتا ہے۔

صفحہ نمبر ۷۸ پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ علم ناپنے کا آلہ آج تک ایجاد ہی نہیں ہوا ہے جاہل یا کم علم رکھنے والے کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے سے بڑے عالم کے علم کو جانچ سکے یا اس کے لئے کوئی خاص مقدار یا درجہ متعین کر سکے۔

لیجئے جناب باقر صاحب کی اپنی باتوں میں زمین سے آسمان تک کا تضاد ملاحظہ فرمالیا آپ نے۔ اگر ایک کم علم یا جاہل شخص عالم کے علم کو نہیں ناپ سکتا تو پھر اب اپ کو کسی ایسے کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو اس کے علم کو سمجھ سکتا ہو اور یہ رجوع کرنا ہی تو تقلید ہے اور دوسری طرف آپ اس بات کے قائل ہیں کہ کم علم عالم کو نہیں سمجھ سکتا تو جناب جب ایک خاطی انسان کے علم کو کم علم انسان یا جاہل انسان نہیں سمجھ سکتا تو اب احادیث معصومینؑ جو عین علم ہیں منبع علم خدا ہیں، مخزن علم خدا ہیں ان کو ایک جاہل یا کم علم انسان کیسے سمجھ سکتا ہے۔ آپکے اس نظریہ سے تو آپ کا اپنا بھرم اور نظریہ ریت کی دیوار ثابت ہو گیا جایئے اور جا کر کوئی اور شیطانی اور استعماری حربہ اور دلیل تلاش کیجئے جس سے آپ کے آقا خوش ہو سکیں۔

پانچویں: اختلاف کے عنوان سے جو آپ نے ولایت فقیہ اور ولی امر مسلمین کا تذکرہ کیا ہے اس کا جواب دینا میں عبث سمجھتا ہوں اس لئے کہ یہ سب اصطلاحات آپ کی عقل سے بہت پرے ہیں حقیقت ولایت فقیہ وغیرہ کو تو آپ سمجھ ہی نہیں سکتے اور موضوع بھی طویل ہے خلاصۃً بھی اگر اس مقام پر ذکر کیا جائے تو چندین صفحات درکار ہیں مختصراً دو سطر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ولایت فقیہ نص قرآن وائمہ طاہرین ثابت ہے اور تمام مراجع کرام غیبت صغری سے لے کر آج تک اس مسئلہ میں اتفاق رکھتے ہیں، ہاں ایک جزئی اختلاف ہے کہ آیا یہ ولایت مطلق ہے یا مطلق نہیں ہے۔

باب ۲

فقہ، اجتہاد و اصول فقہ

اس بحث کی اس کتاب میں ضرورت نہیں تھی کہ لکھا جائے چونکہ کلام معصومینؑ میں جا بجا لفظ فقیہ فقہ کا تذکرہ ملتا ہے اور جناب باقر صاحب کو اصل دشمنی فقہاء سے ہے لہٰذا ہم بہب اختصار سے فقہ و اجتہاد کی بحث کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ کلام معصومینؑ میں فقہا سے مراد کیا ہے؟ نیز اصول فقہ کے سلسلے میں جناب باقر صاحب کا نظریہ بھی اخباریوں کا نظریہ ہے لہٰذا اس کو بھی مختصراً بیان کیا جائے گا۔

فقہ: لغوی اعتبار سے فقہ کے معنی فہم عمیق کے ہیں۔ لہٰذا ماہرین لغت مختلف انداز سے اسی معنی کو بیان کرتے ہیں مثلاً علم حاضر سے علم غائب تک پہنچنا فقہ کہلاتا ہے۔[1]

کسی چیز کا علم حاصل کرنا اور اس کو سمجھنا۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ عرف میں فقہ کے معنی علم شریعت کو جاننا ہے اگرچہ فقہ کے معنی فہم عمیق کے ہیں مگر عموماً جہاں فقہ کا استعمال ہوتا ہے صرف دین پیغمبرؐ کو جاننا مراد لیتے ہیں۔[2]

کسی چیز کا سمجھنا یا کسی کلام کا جاننا فقہ کہلاتا ہے وافقہ فلانا یعنی کسی کو درس دینا سمجھانا۔[3]

جہل و نادانی کے بعد کسی چیز کو جاننا فقہ الکلام یعنی کسی کے کلام کو سمجھنا۔[4]

کتب فقہی اور اصول میں بھی فقہ کے معنی فہم دقیق و عمیق کے بیان ہوئے ہیں۔[1]

---

[1] مفردات راغب، ص ۳۸۴

[2] لسان العرب، ابن منظور، ج۱۳، ص ۵۲۲

[3] منجد الطلاب، ص ۴۲۳۔

[4] فرہنگ لاروس، ج۲، ص ۱۵۸۵۔

تعریف علم اصول فقہ لغتاً: وہ علم جس کے ذریعہ استنباط اور احکام کا استخراج کرنا قرآن و سنت عقل و اجماع کے ذریعہ یہ وہ علم ہے کہ کلیات کے ذریعہ انسان کو جزئیات تک لے جاتا ہے اور یہ علم صدر اسلام میں بھی تھا۔[2]

معنی علم اصول فقہ اصطلاحاً علم احکام شرعی و فرعی: ادلۃ تفصیلی کے ذریعہ۔ لہٰذا احکام شرعی کا عالم فقیہ اور مجتہد کہلاتا ہے۔[3]

شہید صدر فرماتے ہیں کہ علم اصول فقہ ہماری عملی تکلیف کو استدلال اور دلیل کے ذریعہ بیان کرتا ہے علم فقہ میں فقیہ تمام واقعہ اور حادثہ زندگی انسان کی تکلیف کو معین کرتا ہے لہٰذا علم فقہ علم استنباط احکام شرعی کا نام ہے۔[4]

مذکورہ تعاریف کو جان لینے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر انسان فقیہ ہو سکتا ہے جواب یقیناً منفی ہو گا اس لئے کہ احکام دین کو سمجھنے کے لئے قرآن و احادیث کا علم ضروری ہے اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے جن علوم کا ذکر کیا گیا ہے اگر کوئی حاصل کرے تو وہ فقیہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر ان علوم کو حاصل کئے بغیر قرآن و حدیث فہمی کا دعویٰ کرے تو پھر ارباب انصاف خود فیصلہ کریں کہ ایسے شخص کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ جناب باقر صاحب میرا حسن ظن ہے کہ آپ قرآن و حدیث شائد کسی حد تک صحیح سمجھ لیتے ہونگے اور مسائل کو قرآن و روایات سے اخذ کر لیتے ہوں گے مگر تمام شیعیان حیدر کرار قرآن و حدیث فہمی کے تمام علوم کو جانتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں برادران ایمانی کو کسی کی تقلید نہیں کرنے دیتے کیوں ان کو گمراہ کر رہے ہیں اور ان کے اعمال کو خراب کر رہے ہیں۔

---

[1] القواعد شهيد اول، ج ۱، ص۱، منية المريدشهيد ثانى، ص ۲۲۱، معالم الدين، ص ۲۲، تحرير المعالم ص ۱۵۔

[2] خدمات متقابل اسلام و ايران مطهرى، ص ۴۲۴۔

[3] موضع القوانين ، ص ۳، القواعد شهيد اول، ج۱، ص ۱، سفينه البحار، ج۲، ص ۳۸۱، اعيان الشيعه، ج۱، ص ۱۱۰۔

[4] حلقه الاولى، ص ۳۶۔

اجتہاد: اس کی اصل ج ھ د ہے یعنی جھد جس کے معنی تلاش و کوشش کے ہیں نیز اس سے مشتق جو لفظ ہیں مثلاً جہاد مجتہد وغیرہ وہ بھی اسی معنی میں ہیں لہٰذا سورۂ عنکبوت کی آیت "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" میں "جاھدوا" کے معنی بعینہٖ لغوی معنی میں تلاش و کوشش کے لئے گئے ہیں۔ لہٰذا ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جہاد یعنی راہ بندگی میں کوشش کرنا دین کے لئے دشمنوں سے جنگ کرنا تاکہ دین خدا اور سنت رسول جاری کیا جاسکے، ابن حزم نے بھی اجتہاد کے مذکورہ معنی کو ہی قبول کیا ہے۔[1]

احادیث میں بھی اجتہاد کے معنی مطلق تلاش و کوشش کے ہیں اب وہ تلاش و کوشش چاہئے علمی ہو عملی ہو یا عبادی ہو جس کا تذکرہ ہم آئندہ اسی بحث کے ذیل میں کریں گے۔

اصطلاح میں اجتہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو استنباط کے ذریعہ احکام شرعی کو حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔[2]

اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ آیا اجتہاد کے سلسلے میں رسول خدا اور ائمہ طاہرینؑ نے اجازت دی ہے یا نہیں؟ تو جواب یقیناً مثبت ہوگا کہ یقیناً اجازت دی ہے اور ہم اگر یہ دعویٰ کر رہے ہیں تو ہمارے پاس اس سلسلے میں بے شمار روایات و احادیث دلیل کے طور پر موجود ہیں۔

اولاً جتنی روایات ہم نے فتویٰ دینے کے سلسلے میں گذشتہ بحث میں بیان کی ہیں وہ سب کے سب اجتہاد پر دلالت کرتی ہیں اس لئے کہ فتویٰ بغیر اجتہاد کے ممکن نہیں ہے۔

ثانیاً رسول خدا کے زمانہ میں ہی اصحاب نے اجتہاد کیا اور رسول خدا نے اس کی تائید فرمائی۔ زرارہ نے امام باقرؑ سے روایت نقل کی کہ ایک دن عمار رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول رات کو میں مجنب ہو گیا تھا اور پانی بھی نہیں تھا کہ غسل کرتا رسول نے پوچھا پھر کیا کیا کہا کہ میں نے کپڑے

---

[1] لسان العرب، ج۲، ص ۳۹۵، النہایة ابن اثیر، ج۱، ص ۳۱۹، المحلیٰ ابن حزم، ج۱، ص ۶۷۔
[2] مبادی الاصول علامہ حلی، ص ۲۴۰، معالم الدین، ص ۲۳۸۔

اتارے اور زمین پر لیٹ کر مٹی اپنے جسم پر مل لی۔ رسول خدا نے جناب عمار کو تیمّم کا صحیح طریقہ بتایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جناب عمار اور عمر ایک سفر میں ساتھ تھے اور اتفاقاً دونوں مجنب ہوگئے عمار نے اپنے جسم پر خاک ملی اور نماز پڑھی۔ مگر عمر نے ایسا نہیں کیا۔ رسول خدا نے جب سنا تو آپ نے فرمایا تیمّم حدث اکبر و اصغر کے لئے برابر ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس واقعہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جناب عمار نے اجتہاد کیا تھا وہ اس طرح کہ رسول خدا کی حدیث ان کی نگاہ میں تھی کہ نماز کسی بھی حال میں ترک نہیں کرسکتے اور ان کو معلوم تھا کہ شریعت میں طہارت دو چیزوں سے ہوسکتی ہے پانی اور مٹی کے ذریعہ اور پانی سے جس طرح سارا بدن دھونا ہوتا ہے اسی طرح مٹی کو پورے بدن پر ملنا ہوگا جناب عمار نے اسی طرح عمل کیا اور رسول خدا نے اس سے روکا بھی نہیں اور تیمّم کا صحیح طریقہ بتادیا۔[1]

اسی طرح دو صحابی سفر پر گئے نماز کا وقت آگیا مگر پانی ان کے پاس نہیں تھا لہٰذا تیمّم کر کے نماز پڑھی اس کے بعد ابھی نماز کا وقت باقی تھا کہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پانی مل گیا ایک صحابی نے وضو کیا اور دوبارہ نماز پڑھی جب کہ دوسرے صحابی نے اپنے پہلے والے عمل کو کافی سمجھا اور جب رسول خدا کے پاس آئے تو ماجراء بیان کیا رسول خدا نے جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا کہ تم نے سنت اسلامی کے مطابق عمل کیا ہے اور تمہاری نماز صحیح ہے اور جس نے نماز کا اعادہ کیا تھا اس سے کہا کہ تمہارے لئے دو اجر و ثواب ہے۔[2]

اس جگہ پر دونوں صحابی نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور رسول خدا نے دونوں کی تائید بھی فرمائی اور اجر و ثواب کو بھی بتایا کہ جس نے صحیح اجتہاد کیا اس نے دو اجر پایا۔ جناب باقر صاحب کو اس مسئلہ میں بھی اشکال ہے کہ یہ مجتہدین کا ڈھونگ ہے کہ اگر فتویٰ غلط دیں تو ایک اجر ہے صحیح دیں تو دو اجر کے مستحق

---

[1] وسائل الشیعه، ج۲، ص ۹۷۷، بحارالانوار، ج ۸۱، ص ۱۵۹، الاجتهاد و مدی حاجاتنا الیه فی العصر، ص ۲۹۳، ۲۹۴۔

[2] قواعد فقیه، ص ۵۰، اعلام الموفقین، ج۱، ص ۲۴۵۔

ہوں گے ۔ جناب باقر صاحب ہم نے حوالے سے روایت و حدیث نقل کی ہے اور آپ کا سارا دار و مدار روایت و حدیث پر ہے۔ لہٰذا یا تو روایت کو مان لیجئے یا رسول خدا کے قول کو ٹھکرا دیجئے۔

اس طرح کی بہت سی مثال تاریخ میں ملتی ہیں اہل ذوق افراد اجتہاد و تقلید کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب کی طرف مراجعہ کر سکتے ہیں۔

باب ۳

وہ روایات جن میں فقہ و فقہاء کی تمجید کی گئی ہے

۱۔ بیعت عقبہ کے بعد رسول خدا نے مصعب بن عمیر کو مامور کیا کہ وہ لوگوں کو قرأت قرآن معارف اسلام کا درس دیں اور لوگوں کو دین کا فقیہ بنائیں۔[۱]

۲۔ رسول خدا نے عمرو بن حزام کو قبیلہ بنی حارث کی طرف بھیجا تاکہ وہ اس قبیلہ کو مفاہیم دین سے آشنا کریں اور ان کو فقیہ بنائیں۔[۲]

۳۔ فقہاء جب تک دنیاداری میں ملوث نہ ہوں امین پیغمبران ہیں۔[۳]

۴۔ خدا جب کسی کے لئے ارادۂ خیر کرتا ہے تو اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔[۴]

۵۔ بہترین عبادت فقہ ہے۔[۵]

۶۔ ایک فقیہ و مجتہد شیطان کے لئے زیادہ خطرناک ہے ان ہزار عابد سے جو نہ فقیہ ہیں نہ مجتہد۔[۶]

۷۔ فقہاء میری امت کے رہبر ہیں اور ان کے پاس بیٹھنا عبادت ہے۔[۷]

۸۔ اگر کوئی دین کا فقیہ ہو اگر لوگ اس کی طرف مراجعہ کریں تو وہ نفع پہنچائے گا اگر کوئی مراجعہ نہ

---

[۱] سیرۂ ابن ہشام، ج ۲، ص ۷۶۔

[۲] سیرۂ ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۴۱، تاریخ طبری، ج۴، ص ۱۷۲۷۔

[۳] اصول کافی، ج۱، ص ۵۸، بحارالانوار، ج۱، ص ۱۱۶، منیة المرید، ص ۴۴۔

[۴] بحارالانوار، ج ۱،ص ۱۷۷و ۲۱۶، منیة المرید،ص ۹ و ۲۲۱۔

[۵] اصول الاصلیه ، ص ۱۰، کنز العمال، ج۱۰، ص ۱۵۰۔

[۶] بحارالانوار، ج۲، ص ۱۶۔

[۷] بحارالانوار، ج۱، ص ۲۰۱۔

کرے تو کم از کم وہ اپنے لئے فائدہ بخش ہے۔[1]

۹۔ امام علیؑ امام حسنؑ کو ایک نامہ میں لکھتے ہیں کہ دینی امور میں تفقہ سے کام لو۔[2]

۱۰۔ امام علیؑ: فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو رحمت خدا سے مایوس نہ کرے اور اس کی مہربانیوں سے لوگوں کو مایوس نہ کرے اور اس کے عذاب سے لوگوں کو مطمئن نہ بنائے۔[3]

۱۱۔ امام علیؑ: علوم کی چار قسمیں ہیں: علم فقہ دین کے لئے، علم طب بدن کے لئے، علم نحو زبان کے لئے، علم نجوم زمانہ کو پہچاننے کے لئے۔[4]

۱۲۔ امام باقرؑ: فقیہ وہ ہے جو امور دنیا میں زاہد آخرت کی طرف مائل اور سنت پیامبر پر عمل کرے۔[5]

۱۳۔ امام باقرؑ: حلال وحرام کے سلسلے میں تفقہ کرو ورنہ اعراب کی طرح ہو جاؤ گے۔[6]

۱۴۔ تم لوگ اگر ہمارے کلام کو سمجھنے لگو تو سمجھو کہ لوگوں میں افقہ ہو اس لئے کہ ہمارے کلام میں متعدد احتمالات ہوتے ہیں اور متعدد وجہیں۔[7]

۱۵۔ امام صادقؑ: اے کاش میرے اصحاب کے سر پر تلوار لٹکتی رہتی کہ وہ حلال و حرام میں تفقہ کرتے۔[8]

۱۶۔ امام صادقؑ: شیطان کو کسی مومن کے مرنے پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی ایک فقیہ کے اٹھ

---

[1] داستان راستان، ج۱، ص ۱-۲۔

[2] نهج البلاغه، نامه ۳۱۔

[3] نهج البلاغه، حکمت ۹۰۔

[4] بحارالانوار، ج۲، ص ۲۴۰۔

[5] بحارالانوار، ج۲، ص ۵۱۔

[6] بحارالانوار، ج۱، ص ۲۱۴، اعراب کے سلسلے میں قرآن کا نظریه هے که :الاعراب اشد کفرا ونفاقا، سورۂ توبه ایت ۹۷۔

[7] بحارالانوار، ج۲، ص ۱۸۴۔ ۱۹۹، وسائل الشیعه، ج۲، ص ۸۳۔

[8] بحار، ج۱، ص ۱۲۱، معالم الدین، ص ۲۲۔

جانے سے ہوتی ہے۔[1]

۱۷۔ امام صادقؑ: جو بھی فقیہ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے گا اور اس کو دوست رکھے گا تو قیامت میں خدا سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ خدا اسے راضی ہوگا اور اگر کوئی کسی فقیہ کی اہانت کرے اور اس کو دوست نہ رکھے اور اس کا احترام نہ کرے تو قیامت میں وہ اس طرح آئے گا کہ خدا اس پر غضبناک اور خشمگین ہوگا۔[2]

۱۸۔ امام رضاؑ: قیامت کے دن عابد سے کہا جائے گا تم نے اپنی نجات کے لئے اچھے کام کئے داخل بہشت ہو جاؤ اور اے لوگوں آگاہ ہو جاؤ کہ فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو دعوت خیر دیتا ہے دشمنوں سے نجات دیتا ہے روز قیامت فقیہ سے کہا جائے گا اے یتیمان آل محمدؐ کے سرپرست اور راہنمائے ضعفائے آل محمدؐ تم کھڑے رہو تاکہ شفاعت کروان لوگوں کی جنہوں نے تم سے کچھ سیکھا یا تمہارے فتوے پر عمل کیا۔[3]

مذکورہ تمام روایت میں فقہاء کی تعریف و تمجید کی گئی ہے ہم گذشتہ بحث میں فقہ و فقہاء کی تعریف ائمہ طاہرین کی نگاہ میں بیان کر چکے ہیں اب جناب باقر صاحب سے سوال کر رہے ہیں کہ یہ تمام روایات اگر فقہاء کی تعریف تمجید کر رہی ہیں تو اب ہم آپ کی بات مانیں یا ائمہ طاہرینؑ کی اور ہم نے روایات کا سہارا لیا ہے تاکہ آپ کے پاس راہ فرار نہ ہو چونکہ آپ حدیث محور ہیں فقہاء کی طرف رجوع کرنا آپ کے نزدیک درست نہیں ہے اب آپ مذکورہ روایات کے سائے میں کیا فرمائیں گے۔ ہم نے اس مقام پر صرف اٹھارہ روایات کا تذکرہ کیا ہے کتب روائی میں سیکڑوں احادیث اس قسم کی موجود ہیں۔ رسول خدا کی روایات پر اگر نظر کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کہیں حکم دے رہیں کہ فقیہ بناؤ، کہیں فرماتے ہیں کہ خدا جب کسی کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو فقیہ بنا دیتا ہے۔ اور کہیں پر فرماتے ہیں کہ فقہاء امین انبیاء ہیں اور ان کو خدا نے راہبر بنایا ہے۔

---

[1] کافی، ج۱، ص ۳۸، بحار، ج۱، ص ۲۲۰۔
[2] بحارالانوار، ج ۲، ص ۱۹۔
[3] بحارالانوار، ج۲، ص ۵،۶۔

اگر علماء و فقہاء سے آپ کو بیر ہے تو کم از کم احادیث معصومینؑ کا پاس ولحاظ تو رکھ کر زبان بند رکھی ہوتی قلم کو زحمت نہ دی ہوتی۔ اس لئے کہ ائمہ طاہرین کہیں پر فرماتے ہیں فقہاء کے پاس بیٹھنا عبادت ہے، کہیں فرماتے ہیں بہترین عبادت تفقہ فی الدین ہے، کہیں فرماتے ہیں فقہاء کی موت شیطان کو سب سے زیادہ خوشحال کرتی ہے اور آپ نہ جانے فقہاء کی مذمت کر کے کس کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ رسول جن کی تمجید کریں آپ ان کی توہین کریں معلوم نہیں آپ کے نظریات سے کون خوش ہو رہا ہے اور کون رنجیدہ خاطر۔ بہر حال اتنا تو معلوم ہے کہ روایات کی روشنی میں رسول خدا اور ائمہ طاہرینؑ بہر حال آپ کے کردار سے خوش نہ ہوں گے ہاں شیطان کے بارے میں آپ کو زیادہ معلوم ہوگا اس لئے کہ جو جس سے قریب ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔

امام باقرؑ تفقہ فی الدین کے سلسلے میں اس قدر تاکید فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تفقہ کرو ورنہ اعراب کی طرح ہو جاؤ گے اور ہم نے اعراب کی تعریف قرآن سے کر دی ہے کہ ان کا کفر و نفاق بہت سخت ہے اس لئے کہ یہ لوگ خدا اور اس کے رسول کی باتیں سننے کو تیار نہیں ہیں اسی طرح جیسے جناب باقر صاحب کسی فقیہ کی بات کو ماننے کو تیار نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر امام صادقؑ فرماتے ہیں ہمارے کلام کو سمجھنے کے لئے فقیہ ہونا ضروری ہے اور یہ بات بھی مسلم کہ کلام امام بھی امام ہی کی طرح ہے۔ کلام امام کو سمجھنے کے لئے مقدمتاً بیسوں علم کا حصول ضروری ہے اور جناب باقر صاحب ہر عام انسان کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ کلام امام کو سمجھ کر عمل کرے اور امام فرماتے ہیں کہ ہمارے کلام کو سمجھنے کے لئے فقیہ ہونا ضروری ہے ہم کس کی بات مانیں امامؑ کی یا جناب باقر صاحب کی؟

ایک فقیہ کے اٹھنے سے شیطان کی خوشی بتلاتی ہے کہ وہ تنہا گمراہی سے نہیں بچ رہا ہے بلکہ پوری ایک امت کو ضلالت و گمراہی سے نجات دے رہا ہے اسی لئے شیطان فقیہ کی موت پر بہت خوش ہوتا ہے۔

فقیہ کی منزلت اللہ اکبر امامؑ کے قول کے مطابق قیامت میں وہ شخص خدا کے غضب سے مبّرا ہو گا جو

ایک فقیہ کا احترام کرے گا اس کی عزت کرے گا اب جناب باقر صاحب آپ کا کیا ہوگا آپ تو غیبت صغریٰ سے لے کر اب تک جتنے فقہاء گذرے ہیں نام بنام تقریباً آپ نے سب کی توہین کی ہے کہیں بحرالعلوم کی توہین کی، کہیں سید مرتضیٰ کو ڈھونگی بتایا۔ غرض کہ فقہاء میں کوئی بھی آپ کی نوک قلم سے بچ نہیں سکا اب خود فیصلہ کریں کہ قیامت میں آپ کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ کم از کم آپ کا مقام اسفل السافلین سے کم نہ ہوگا اور آپ کی شفاعت بھی کوئی نہ کرے گا اس لئے کہ بقول امام رضاؑ ایک فقیہ ہزار ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا اور وہ بھی ان لوگوں کی جو اس کے فتوے پر عمل کر چکے ہیں یعنی اپنے مقلدین کی شفاعت فقہاء کریں گے یہ میرا قول نہیں ہے یہ امام رضاؑ فرمارہے ہیں آپ تو کسی کے مقلد ہیں نہیں لہٰذا آپ کی شفاعت کا مسئلہ بہر حال مشکل میں پڑ جائے گا اور اگر آپ اس خوش خیالی میں مبتلا ہیں کہ آپ کی شفاعت رسول خدا یا ائمہ طاہرینؑ کر دیں گے تو شفاعت ان لوگوں کے نصیب میں آتی ہے جن سے خدا راضی ہو رسول خدا یا ائمہ طاہرینؑ مغضوبین خدا کی شفاعت نہیں کریں گے اور روایت ہے کہ فقہاء کی اہانت کرنے والوں سے خدا غضبناک ہوتا ہے۔

ارباب فہم، مذکورہ بحث میں ہم نے تمام باتیں روایات کی روشنی میں کی ہے اور خود روایت کو بھی نقل کر دیا ہے اب آپ خود باقر صاحب سے سوال کیجئے کہ اگر روایات پر ہی عمل کیا جانا ہے تو ان روایات پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا یا پھر یہ کہ روایات تو بہانا ہے دراصل یہ مخالف اجتہاد و تقلید ہیں اور دشمن کے اشارے پر کام کر رہے ہیں تا کہ قوم شیعہ متحد نہ ہو سکے۔

باب ۴

حدیث فہمی

ائمہ طاہرینؑ نے حدیث فہمی کے سلسلے میں بہت تاکید فرمائی ہے اس لئے کہ کلام الامام امام الکلام ہوتا ہے ہر شخص کلام امامؑ کو نہیں سمجھ سکتا اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے کلام عمیق اور متعدد معنی کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ طاہرینؑ نے اسی بناپر علم حدیث فہمی کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

ا۔ ابراہیم کرخی کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا حدیث کے معنی اور مفہوم کو درک کرنے والا ہزار حدیث نقل کرنے والے سے بہتر ہے کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ وہ ہمارے کلام کے کنایہ اور عمق کو نہ سمجھے اور ہمارے کلام میں ایک ایک کلمہ ستر ستر جہات رکھتے ہیں۔[1]

۲۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی ہمارے کلام کے تعارض کو سمجھے اور عمق کلام کو درک کرلے اور اس کلام سے مختلف فروعات کا استخراج کرے وہی فقیہ ہے اور اسی کا نام اجتہاد ہے۔[2]

مذکورہ دونوں حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ امامؑ کے کام کو سمجھنے کے لئے علوم علم حدیث کا حصول ضروری ہے اور جو ان علوم کو حاصل کرلے اور کلام معصوم کو سمجھنے لگے وہی مجتہد ہے اور فقیہ، کیا جناب باقر نثار صاحب یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہر شخص کلام معصوم کو بغیر حصول علوم حدیث سمجھ سکتا ہے اگر جواب مثبت ہے تو کلام معصوم کی مخالفت ہے اور اگر جواب منفی ہے تو پھر کیوں جناب

[1] بحارالانوار، ج۲، ص ۱۸۴

[2] مستطرفات السرائر، ص ۱۴۹

باقر صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ ہمارے لئے حدیث ہی کافی ہے کسی مرجع وقت مجتہد یا فقیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حدیث کو سمجھنے کے لئے زبان عرب کا سمجھنا ضروری ہے اور زبان عرب کو سمجھنے کے لئے بیسوں علم کا حاصل کرنا لازم ہے کیا ہر عام شیعہ علوم حدیث اور زبان عرب سے واقف ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیسے ممکن ہے کہ حدیث و روایات کو دیکھ کر وہ اعمال انجام دے لے۔

اسلام دین زندگی ہے اور فقہ اسلام آئین زندگی؛ اگر انسان اس پیرایہ میں زندگی گزارے تو یہی سعادت کی کنجی ہے۔ اب اگر انسانی زندگی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ حالات کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی میں بھی تبدیلی واقع ہونا ناگزیر ہے لہٰذا اب انہیں تبدیلیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے آئین زندگی تبدیل ہوں گے۔ کل حالات کچھ اور تھے اور آج حالات کچھ اور ہیں۔ کل تقاضے کچھ اور تھے آج تقاضے کچھ اور ہیں۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی زمان و مکان کے اعتبار سے اقدامات کئے ہیں۔ حالات کا تقاضا ہوگا تو تلوار نیام سے باہر رہے گی۔ حالات اگر اس بات کے متقاضی ہوں کہ صلح کرلی جائے تو صلح ہوگی۔ اسلام صرف نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں سعادت شرعی کے تمام عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں اور نہ اسلام رکود و جمود فکری کا قائل ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان حالات کے ساتھ قدم اٹھائے اسی لئے حصول علم پر اسلام نے بہت تاکید کی ہے اور صرف علم نماز و روزہ کی تاکید نہیں ہے بلکہ زمانہ کے علوم کے حصول کو بھی اسلام نے واجب قرار دیا ہے تاکہ زمانہ سے قدم ملا کر چلیں۔

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں کہا کہ اسلام آئین زندگی ہے تو اب ضروری ہے کہ زندگی کے تمام قوانین اسلام طے کرے اور اسلام نے انہیں بتایا بھی ہے لہٰذا اب جو شخص بھی ان قوانین کو بتائے گا زمانۂ غیبت میں وہی مجتہد ہوگا اور اس آئین نامہ زندگی میں ہر وہ چیز شامل ہوگی جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے؛ اس میں سعادتِ اخروی کے ساتھ ساتھ سعادتِ دنیوی کا بھی ذکر ہوگا وہ چاہے اقتصادی زندگی ہو،

دفاعی زندگی ہو، معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے قوانین ہوں غرضکہ انسانی زندگی میں جو بھی ضرورت پیش آئے گی اسلام انہیں حالات و زمان و مکان کے اعتبار سے بتائے گا۔ عصر حضور میں خود سرور کائناتؐ پھر ائمہ معصومینؑ نے تمام اصول زندگی کے معیار بیان کردیئے اور اب غیبت کے دور میں مجتہدین حالات و زمان و مکان کے اعتبار سے انہیں اصول و قوانین کو مدنظر رکھ کر انسانی زندگی کو آگے لے جارہے ہیں۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی میں زمان و مکان کے مقتضیات واضح اور روشن دکھائی دیتے ہیں۔ مولائے کائناتؑ کا ۲۵/سال خاموش رہنا، حکومتِ ظاہری ملنے کے بعد مرکز حکومت مدینہ سے نکال کر کوفہ قرار دینا، صلح امام حسنؑ، جنگ امام حسینؑ، واقعہ کربلا کے بعد امام سجادؑ کا کردار یہ سب حالات و ضرورت کے تحت اقدامات کی بارزترین مثالیں ہیں۔

بعض وہ قواعد جو اجتہاد میں زمان و مکان کے اعتبار سے موئثر ہوتے ہیں " **قاعدۂ لاحرج** " ہے۔ ایک وقت ایک فعل بالکل عادی ہے مگر حالات کے تغیر سے وہ فعل امر عادی نہیں رہ جاتا تو اب حکم بھی تبدیل ہوجائے گا مثلاً پہلے پیادہ حج کے لئے جانا ایک عادی امر تھا مگر اب حالات بدلے تو استطاعت جو ایک حکم کلی ہے اس میں سفر حج کا آج کا خرچ شامل کیا گیا۔ اگر انسان کے پاس آج کے اعتبار سے اتنا پیسہ ہے کہ وہ سفر کرسکتا ہے تو مستطیع ہے ورنہ نہیں۔

قاعدۂ اہم و مہم: کبھی ایک امر مہم ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا تو جب اور جہاں جو امر مہم ہوگا اس کو مقدم کیا جائے گا۔

مکیل و موزون: ایک چیز ایک جگہ ناپ تول کر خریدی اور بیچی جاتی ہے اور وہی چیز دوسری جگہ وزن میں خریدی اور بیچی جاتی ہے اور وہی چیز کسی جگہ عدد میں فروخت کی جاتی ہے مثلاً انڈا ہمارے یہاں عدد میں خریدا بیچا جاتا ہے، ایران میں تول کر بکتا ہے ان حالات میں مکان کے اعتبار سے حکم بدل جائے گا۔

حداد: شوہر کے مرنے کے بعد عورت کا زینت کرنا حرام ہے اور تمام فقہاء اس پر متفق ہیں مگر ایک چیز ایک جگہ زینت میں شمار ہوتی ہے دوسری جگہ وہ شئ زینت نہیں ہے مثلاً ہمارے کلچر میں سفید کپڑا بیوگی

کی علامت ہے، ایران میں سفید کپڑے میں دلہن رخصت کی جاتی ہے یعنی شادی کے دن وہ سفید لباس میں زیب تن ہوتی ہے؛ ان حالات میں زمان و مکان کے اعتبار سے حکم دیا جائے گا اور ہمارے مراجع کرام نے یہاں معیار عرف کو قرار دیا ہے یعنی جو جہاں کا عرف ہے حکم اسی کے اعتبار سے جاری ہوگا۔

احکام حکومتی: بہت سے امور اس میں شامل ہیں:

قاعدۂ لاضرر: اس میں بھی بہت سے امور شامل ہوتے ہیں اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔

زوجہ کا نفقہ مرد پر واجب ہے مگر کتنا یہ عرف طے کرتا ہے؛ ایک دیہات میں رہنے والے پر کتنا نفقہ واجب ہے، ایک شہر میں رہنے والے پر نفقہ کیا ہوگا یہ مکان و حالات طے کریں گے۔

احکام اسلام

اسلام کے تمام قوانین کسی نہ کسی مصلحت یا مفسدہ کی بنیاد پر وضع کئے گئے ہیں جیسا کہ امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اس میں بشریت کے لئے یا مصلحت ہے یا فائدہ اور جسے حرام قرار دیا ہے اس میں یا فساد ہے یا نقصان۔[1]

خصوصیات احکام اسلام

۱۔ اسلام نے زندگی کے کسی گوشہ کو بھی قانون سے خالی نہیں رکھا ہے؛ پیدائش سے لیکر قبر کی آخری منزل تک کے تمام کلی اور جزئی قوانین موجود ہیں وہ چاہے فردی زندگی ہو یا اجتماعی۔

۲۔ اسلامی قوانین کسی ایک زمانہ یا ملک یا معاشرہ سے مربوط نہیں ہیں بلکہ سب کے لئے ہیں اس لئے کہ رسول خداﷺ کسی ایک طبقہ، ملک یا معاشرہ کے لئے نبی نہیں تھے بلکہ آپ عالمین کے لئے نبی بن کر آئے تھے اور آپ کا لایا ہوا دین قیامت تک آنے والوں کے لئے ہے اور آپ کے لائے ہوئے قوانین یا آپ پر نازل ہونے والی کتاب قیامت تک کے لئے ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے قرآن کو

---

[1] مستدرک الوسائل، ج۷، ص۷۷؛ الفصول المہمہ، ص۹۹

کسی زمانے یا کسی خاص قوم کے لئے مخصوص نہیں کیا ہے بلکہ آپ کی لائی ہوئی کتاب ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے ہے لہٰذا اسلام زمان و مکان میں محدود نہیں ہے۔[1]

۳۔ احکام اسلام فطرت سے ہماہنگ ہیں تمام قوانین اسلام عین فطرت بشر کے مطابق ہیں۔ البتہ اس کا یہ ہر گز مطلب نہیں ہے کہ یہ انسان دینی فطرت کے مطابق قانون وضع کرلے اور اسی کا نام دین و اسلام رکھ دے۔ خدا نے جس فطرت کی بات کی ہے وہ فطرتِ سلیم ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعض لوگ طرح طرح کی رسم و رواج دین میں داخل کر کے اسی کو اسلام اور دین بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو فطرت کے واقعی عین مطابق ہے وہ انہیں سمجھ میں ہی نہیں آرہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی فطرت سلیم نہیں ہے ؛ اگر فطرت سلیم ہوتی تو انہیں کوئی بھی اسلامی قانون فطرت سلیم کے خلاف نظر نہ آتا۔

۴۔ مقنن خدا ہے: اسلامی قوانین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بنانے والا خدا ہے جو تمام حالات و فطرتِ انسانی سے واقف ہے، اسے کسی قسم کی لالچ یا حاجت نہیں ہے اور ان احکام و قوانین کے مبلغ رسول خدا ﷺ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں اور یہ ذوات مقدسہ بھی کسی بھی قسم کی لالچ یا حاجت سے مبرا ہیں۔ اگر حاجت مند ہیں تو خدا کے سامنے جن کے قرآن کہتا ہے کہ یہ کچھ بولتے ہی نہیں مگر وحی خدا کے اشارے کے مطابق۔

۵۔ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام آخری دین ہے اور اسے لانے والا آخری نبی، ان کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ کوئی دوسرا دین لہٰذا یہ دین جو احکام بیان کرے گا وہ بھی از ابتداء تا یوم القیامت ہو گا۔

احکام الٰہی کی اقسام: اب جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ یہ دین آخری دین ہے اور اس کے احکام و قوانین آخری احکام و قوانین ہیں تو لازم ہے کہ یہ احکام ہر دور کے لئے ہوں تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر دور میں

---

[1] عیون اخبار الرضاؑ، ج۲، ص۱۳۰

وہی احکام نافذ ہوں گے جو چودہ سو سال پہلے نافذ ہوتے تھے؟ اس لئے کہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات و مقتضیات بدل گئے ہیں تو کیا احکام بھی بدلیں گے یا ویسے ہی رہیں گے جسے شارع مقدس لے کر آئے تھے؟ یہاں ہم اسی بحث کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ احکام الٰہی سب کے سب ثابت نہیں ہیں بلکہ ان میں حالات کے مطابق تغیر آسکتا ہے۔ تو اب دیکھنا ہوگا کہ کون سے احکام متغیر ہیں اور کون سے احکام ثابت؛ احکام کی علیٰ الظاہر دو قسمیں ہیں:

ا۔ احکام عبادی: یہ وہ احکام ہیں جنہیں خداوند عالم نے روح کی پرورش اور بالیدگی کے لئے جعل و وضع کیا ہے اور احکام کی اس قسم میں کسی قسم کی تبدیلی زمان و مکان کے اعتبار سے ممکن نہیں ہے۔

۲۔ احکام غیر عبادی: یہ وہ احکا ہیں جو نظامِ زندگی سے مربوط ہیں لہٰذا جیسے جیسے انسان کی نیاز بدلتی جائے گی احکام میں تبدیلی ہوتی جائے گی۔

شہید مطہریؒ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان دو طرح کی نیاز رکھتا ہے؛ ایک ثابت اور دوسرے متغیر اور خدا نے انسان کی ثابت نیاز کے لئے ثابت قانون بنایا ہے اور متغیر نیاز کے لئے متغیر قوانین بنائے ہیں اور انہیں قوانین کو اجتماعی اسلام کہا جاتا ہے۔[1] یعنی جب حالات بدلیں گے تو نیازِ بشر بدلیں گی اور جب نیازِ بشر میں تبدیلی آئے گی تو قانون بدلے گا اور اسی کو "موضوع حکم" کہتے ہیں۔

موضوع اور حکم کا رابطہ: جعلی احکام اسلام کے یہ دو اساسی رکن ہیں۔ "موضوع اور حکم" موضوع اسے کہتے ہیں جس پر حکم لگایا جائے جیسے پانی ہوگا تو نجس و پاک کا حکم لگے گا، اگر پانی ہی نہ ہو تو حکم کس چیز پر لگائیں گے۔ اسی لئے حکم پر موضوع کو مقدم کیا گیا ہے۔ نیازِ بشر جب سامنے آئے گی تو حکم لگایا جائے گا اور جیسی نیاز ہوگی حکم ویسا ہی ہوگا۔ ایک زمانہ تھا کہ انسان خون کا نیازمند نہیں تھا، شاید تھا مگر اس کے استعمال کا طریقہ سامنے نہیں آیا تھا لہٰذا ہمارے مراجع اس کی خرید و فروخت کو حرام جانتے تھے مگر

---

[1] اسلام و مقتضیات زمان، ج۲، ص۷۷

آج اسی خون کے استعمال کا طریقہ اور اس کی ضرورت سامنے آئی تو ہمارے مراجع کرام نے اس کی خرید و فروخت کو حلال قرار دیا۔

شہید صدرؒ موضوع اور حکم کے رابطے کو سبب اور مسبّب کی طرح مانتے ہیں اسی لئے حکم کا مرتبہ موضوع کے مرتبہ کے بعد ہے۔[1]

آیت اللہ مکارم شیرازی علت و معلول کے قائل ہیں یعنی موضوع اور حکم کے درمیان علت و معلول والا رابطہ ہے۔[2]

موضوع شناسی: قانون بنانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ موضوع شناس ہو اگر مقنن کو موضوع کا علم نہ ہوگا اور اس کے جوانب سے کما حقہٗ واقف نہ ہوگا تو قانون تو بن جائے گا مگر اس میں مشکلات زیادہ ہوں گی، حرج و مرج لازم آئے گا۔ اب اسلامی قوانین کو بنانے والے چونکہ شارع مقدس ہیں لہٰذا شارع نے دو قسم کے موضوع کو مد نظر رکھا ہے:

۱۔ موضوعات مستنبطہ: یہ وہ موضوعات ہیں جنہیں شارع مقدس نے خود بنایا ہے مثلاً وہ عناوین جو لغوی اعتبار سے ایک معنی پر دلالت کرتے تھے، شارع مقدس نے اس میں تصرف کرتے ہوئے ایک مفہوم و معنیٰ جدید کا سہارا لیا مثلاً لفظ صلوٰۃ لغوی اعتبار سے "دعا" کے معنی میں تھا شارع مقدس نے اسے کچھ حرکات مخصوص کے لئے استعمال کیا یا لفظ صوم ہر چیز سے بچنے کے معنی میں استعمال ہوتا تھا شارع مقدس نے اسے "اشیائے مخصوص سے وقت خاص میں بچنے" کے معنی میں استعمال کیا۔[3]

۲۔ موضوعات عرفی: شارع مقدس نے اس میں تصرف نہیں کیا بلکہ معیار کو عرف پر چھوڑ دیا۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی عرف کی طرف رجوع کیا ہے اور یہ باب فقہ میں جابجا دکھائی دیتا ہے اور مراجع کرام کے فتاویٰ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس میں عرف کا بہت زیادہ عمل دخل

---

[1] دروس فی علم الاصول الحلقة الاولی، ص۱۵۸

[2] مجلہ مسجد، شمارہ ۴، ص۴

[3] مفتاح الکرامہ، ج۳، ص۴۹۵

ہے مثلاً ایک جگہ کا عرف کچھ کہتا ہے تو مراجع کرام اس عرف کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، دوسری جگہ کا عرف کچھ اور تقاضا کرتا ہے تو مراجع کرام اس عرف کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

تشخیص موضوع میں عرف کی اہمیت

عرف کیا ہے: قوم، کلچر، جغرافیہ عرف کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حالات، زمان و مکان عرف کو بدل دیتے ہیں مگر یہاں عرف سے مراد عرفِ عام ہے اور یہ عرف عام سے مراد بنائے عقلاء ہے یعنی عرف وہ قابل قبول ہے جو عرف عقلاء اور عقل سلیم طے کرے نہ یہ کہ ہر عام آدمی عرف کو طے کرنے لگے اور اپنے اعتبار سے قوانین بنانے لگے۔ آج نیم ملا جو اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے لگے ہیں اپنے اعتبار سے دین میں دخل اندازی کر کے سمجھتے ہیں کہ جو وہ کر رہے ہیں وہی شریعت ہے۔

مرحوم نائینیؒ اور شیخ انصاریؒ نے بھی بنائے عقلاء کو عرف مانا ہے۔[1]

عرف کی طرف رجوع: عرف کی طرف رجوع صرف تشخیص موضوع کے لئے کیا جاتا ہے نہ تشخیص حکم کے لئے اور شاید یہی وجہ ہے کہ عرف کو منابع اجتہاد میں شمار نہیں کیا جاتا یعنی مجتہدین عرفی موضوعات کو زمان و مکان کے اعتبار سے سمجھتے ہیں پھر اس زمان و مکان کے اعتبار سے استنباط کر کے حکم جاری کرتے ہیں البتہ کچھ عرفی موضوعات ثابت ہیں اور کچھ متغیر۔

عرفِ ثابت: یہ ہر زمانہ اور ہر جگہ پر ثابت ہے اس میں تغیر نہیں ہو سکتا اور ہر دور کا انسان اس عرف کے سلسلے میں ایک ہی تفسیر بیان کرتا ہے جیسے عدالت؛ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

عرفِ متغیر: یہ وہ عرف ہے جو حالات کے ساتھ بدل جاتا ہے اور اس مسئلہ کو عقلاء کے سپرد کیا گیا ہے کہ وہ طے کریں کہ اس وقت کیا ہونا چاہئے جیسے احکامِ اجتماعی اسلام، احکامِ سیاسی اسلام وغیرہ۔ یہ زمان و مکان کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں مثلاً گائے کا ذبح کرنا شریعت مقدس اسلام میں جائز ہے مگر

---

[1] فوائد الاصول، ج۳-۴، ص۸۶

ہندوستان میں ہمیشہ نہیں، کبھی حالات بدلتے ہیں تو اسی جائز امر کو مجتہد حرام قرار دے دیتے ہیں۔

سنتی فقہ واجتہاد

اس فکر کے افراد کا عقیدہ ہے کہ موضوع احکام میں کسی قسم کی تبدیلی اور تغیر کا امکان ہی نہیں ہے۔ ظاہر آیات و روایات پر ہی عمل ہونا چاہئے اور استنباط واخراج احکام میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ طرزِ تفکر وہی اخباریوں کا طرز تفکر ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام زمانے کے تقاضوں اور مستحدثہ مسائل سے بے تفاوت ہے جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ اسلام کی طرف کوئی آنے کو تیار ہی نہیں ہوگا اس لئے کہ زمانۂ قدیم کے جو تقاضے تھے وہ آج نہیں ہیں بلکہ زمانۂ قدیم کے اکثر تقاضے آج جدید دنیا، جدید ٹیکنالوجی کے مقابلے میں یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ ہم اس جگہ یہ بات ضرور ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ استعمار کو دیگر فقہ اسلامی سے اتنا خطرہ نہیں تھا چونکہ ہمارے یہاں اجتہاد کا باب باز تھا اور حالات و زمان و مکان کے اعتبار سے لوگوں تک مذہب کی تبلیغ ہو رہی تھی لہٰذا انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ یہ مذہب حالات کے اعتبار سے اگر آگے بڑھے گا تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے انہیں سب وجوہات کی بنا پر استعمار نے اخباریت کی داغ بیل ڈالی تا کہ یہ مذہب بھی دقیانوسی ہو جائے مگر ہمارے فقہاء نے اس کا خوب خوب مقابلہ کیا اور آج الحمد للہ یہ درخت ایک تناور درخت بن گیا۔

اس سلسلے میں کہنے کو بہت کچھ ہے مگر ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے اس لئے اسے ختم کرتے ہوئے آگے بڑھ جانا چاہتا ہوں۔

اجتہاد سنی اور جدید روش: ہمارے فقہاء نے اجتہادِ سنتی کے زیر سایہ جدید طرز اور طریقہ سے بابِ اجتہاد کو آگے بڑھایا اور الحمد للہ یہ باب تمام جدید مسائل کو حل کر رہا ہے اور اس طرزِ اجتہاد کو ہمارے اکثر فقہاء نے قبول کیا اور آگے بڑھایا اور آج فقہ شیعہ غنی ترین فقہ شمار ہوتی ہے اور ساری دنیا وہ جس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہو اس کا لوہا مانتی ہے اور اسی بنا پر آج تشیع کے خلاف دنیا سر جوڑ کر سازش کر رہی ہے، روز نت نئے فرقے بنائے جا رہے ہیں تا کہ تشیع کا چہرہ بگاڑا جا سکے مگر یہ ان کی خام خیال ہے اس لئے

کہ جب تک نائبین امام فقہاء کی صورت میں مدافع فقہ اہلبیتؑ موجود ہیں تشیع کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

چونکہ اسلام آخری مذہب ہے لہٰذا اس کے قوانین بھی ہر دور کے لئے ہیں۔ کلیات بیان کئے جاچکے ہیں اور انہیں کلیات سے ہمارے فقہاء حالات کے اعتبار سے زمان و مکان کے پیش نظر فروعات پیش کرتے رہتے ہیں اس لئے بھی کہ ہمارے یہاں فقہ میں نہ جمود ہے نہ رکوع ہے؛ امام خمینیؒ نے ایک مقام پر فرمایا کہ میں اسی فقہ سنتی اور اجتہاد جواہری کا قائل ہوں اور اس سے روگردانی جائز نہیں سمجھتا مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہمارے یہاں فقہ میں تجدد نہیں ہے، زمان و مکان اجتہاد کے دو ستون ہیں جزء لاینفک ہیں اس لئے کہ

ا۔ اسلام ایسا کامل نظام ہے جہاں کسی وقت بھی ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اس مسئلہ میں کوئی قانون نہیں ہے اور ہمارا عقیدہ کہ اسلام کے تمام قوانین آیات و روایات میں بیان ہوچکے ہیں اسی کی طرف رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انسانی حیات کا کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جس کے لئے اسلام نے تکلیف روشن نہ کی ہو اور اس کے لئے حکم بیان نہ کیا ہو۔ قرآن و سنت میں بشریت کی سعادت کے تمام دستورات موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں قانونی خلاء کا امکان نہیں ہے۔ جب یہ بات طے ہوگئی تو اب یہ بات بھی روشن ہوجاتی ہے کہ قوانین اسلام میں زمان و مکان کی کیا اہمیت ہے اس لئے کہ جیسے جیسے حالات بدلیں گے زمان و مکان کے تقاضے سامنے آئیں گے، شریعت کے محافظ اسی انداز سے قوانین اسلام بناکر مشکلات کو حل کرتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ جیسے جیسے ترقی کررہا ہے مراجع کرام و مجتہد عظام کی اتنی زیادہ مخالفت بڑھ رہی ہے اس لئے کہ وہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے دشمنوں کے مقابلے میں اپنی قوم کو آمادہ کرتے ہیں۔

۲۔ احکام مستحدثہ: یعنی نئے مسائل کے آنے کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے اس کے لئے قوانین نہیں بنائے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ تمام حوادث و واقعات کے لئے کلیات و اصول پہلے بنائے جاچکے ہیں؛ یہ مجتہد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ زمان و مکان و حالات کے پیش نظر ان اصول و

کلیات سے مسائل کا استخراج کرے جیسا کہ امام رضاؑ کا قول ہے: "علینا القاء الاصول و علیکم التفریع" ہم نے اصول بتا دیئے ہیں فروعات کو تلاش کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔[1]

ایک مقام پر شہید مطہریؒ امام زمانہ (عج) کی توقیع مبارک "اما الحوادث الواقعۃ فارجعوا الیٰ رواۃ احادیثنا" کے بارے میں کہتے ہیں کہ حوادثِ واقعہ سے مراد مسائل مستحدثہ ہیں یعنی جدید مسائل جو ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں اور فقہاء ان کے حل بیان کرتے رہتے ہیں۔[2]

۳۔ برادران اہلسنت تصویب و رائی کے قائل ہیں مگر ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں صرف اس لئے کہ ہم قانونی خلاء کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ذکر ہوا ہے رائی اور تصویب کا سہارا اس وقت لیا جاتا ہے جب پہلے سے قانون موجود نہ ہو۔ ہمارے یہاں ہر قسم کا قانون و اصول پہلے سے موجود ہے لہٰذا نہ رائی کا سہارا لیا جاتا ہے نہ تصویب کا۔ شہید مطہریؒ اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں جو اجتہاد ممنوع ہے وہ اسی معنی میں ہے کہ جس میں قانون سازی اور تشریع کا نظریہ پایا جاتا ہے۔ ہمارا نظریہ ہے کہ قانون سازی کا حق صرف شارع مقدس کو ہے اور بس بقیہ تمام افراد اصول و کلیات سے فروعات نکالتے ہیں۔[3]

۴۔ منابع اجتہاد اور زمان و مکان: ہمارے مراجع کرام وہ چاہے ماضی میں گزر چکے ہوں یا حال حاضر میں ہوں کوئی زمان و مکان کو منبع اجتہاد قبول نہیں کرتا بلکہ اجتہاد کے دو اہم ترین عنصر مانتے ہیں۔ تمام مراجع کرام کتاب و سنت، اجماع اور عقل کو ہی اصلی منبع مانتے ہیں۔

۵۔ تاثیر تغیر موضوع در تغیر احکام اجتماعی اسلام: جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حکم و موضوع کے درمیان سبب و مسبّب یا علت و معلول کا رابطہ ہے لہٰذا موضوع میں ہر قسم کی تبدیلی یا تغیر حکم میں تبدیلی و تغیر کا سبب ہوتا ہے یعنی اگر موضوع بدل جائے گا تو حکم خود بخود تبدیل ہو جائے گا۔

سوال: اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موضوع کی تبدیلی سے حکم بدل جاتا ہے تو "حلال

[1] اعیان الشیعه، ج۱، ص۳۸۷
[2] وسائل الشیعه، ج۱۸، ص۱۰۱؛ مرجعیت و روحانیت، ص۵۷
[3] مرجعیت و روحانیت، ص۳۷-۳۸

محمد حلال الیٰ یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الیٰ یوم القیامۃ" کے کیا معنی ہیں؟

جواب: یہ نظریہ نہ صرف یہ کہ حدیث کے منافی نہیں بلکہ دونوں کے درمیان صد فیصد ہماہنگی ہے۔ موضوع کے بدلنے سے حکم کا تبدیل ہونا اس معنی میں نہیں ہے کہ ماہیت احکام الٰہی میں تغیر ہوگیا ہے، احکام الٰہیہ ہمیشہ سے ثابت اور غیر قابل تغیر تھے اور ہیں؛ یہ موضوع جو حالات، شرائط، قیود کے ساتھ بدل جاتا ہے اور جب موضوع بدلتا ہے تو حکم خود بخود بدل جاتا ہے اصول اولیہ اپنی جگہ پر باقی رہتے ہیں۔

آخر بحث میں ہم کچھ مثالیں پیش کریں گے جس سے ہماری بات مزید ثابت ہوجائے گی۔ ہم یہاں بالکل سامنے کی ایک مثال پیش کردیں کہ کسی بھی ہائی وے کا ایک قانون ہوتا ہے مثلاً ایک سو بیس کی اسپیڈ میں آپ کو گاڑی چلانا ہے؛ اب اگر حالات بدل جائیں اور ہائی وے پر ٹریفک زیادہ ہو تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اسپیڈ کم کرلی جائے یا اگر کسی گاڑی میں کوئی ایسا شخص ہو جو اچانک مریض ہوجائے اس پر ہارٹ اٹیک ہوجائے تو اب ایکسو بیس کی اسپیڈ بڑھا کر اسے اسپتال پہنچانا ضروری ہے، نہ پہلے اسپیڈ کم کرنے میں اصلی قانون کا نقض ہورہا ہے اور نہ اسپیڈ بڑھانے میں قانون ٹوٹ رہا ہے، قانون اپنی جگہ باقی ہے حالات بدلے، موضوع بدلا لہٰذا قانون بدل گیا۔

آیت اللہ مکارم شیرازی فرماتے ہیں کہ تمام الٰہی احکام قیود و شرائط کے ساتھ خاص موضوعات پر استوار ہیں؛ اگر شرائط و قیود نہیں بدلتے تو الٰہی احکام کبھی نہیں بدلیں گے اور اگر قیود و شرائط بدل جائیں تو احکام الٰہی کا بدلنا ناگزیر ہے۔ حدیث مذکور کا مفہوم بھی یہی ہے۔

۶۔ رسم و رواج اور احکام اسلام: زمان و مکان کا اجتہاد میں اہم کردار ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فقیہ ہر قسم کے حالات کے تابع ہوجائے اور جیسے بھی حالات ہوں اس کے مطابق احکام اسلامی وضع کردے لہٰذا واہی رسم و رواج کو فقیہ اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس کے خلاف فتاویٰ صادر کرتا ہے۔ آجکل ہمارے معاشرہ میں اس قسم کی فضا سازگار کی جارہی ہے اور عقائد کے نام پر نت نئے مسائل سامنے آرہے ہیں اور اس دعوے کے ساتھ کہ یہی عین عقائد ہیں جبکہ ان کا عقائد سے نہیں احکام اسلام سے تعلق ہے

اور فقیہ اس قسم کے مسائل میں اپنا نظریہ رکھتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ عوام کو اسی انداز سے بہکایا جارہا ہے کہ وہ احکام اور عقائد کے درمیان فرق کو محسوس نہیں کر پارہے ہیں اور اس سے بڑی مشکل یہ ہے کہ کچھ جاہل قسم کے علماء نما افراد بھی عوام کو مغالطہ میں ڈال کر اپنا الّو سیدھا کررہے ہیں اور اس کی بارز ترین مثال آجکل عزاداری، شہادتِ ثالثہ وغیرہ ہے۔ ان حالات میں فقیہ حالات و زمان و مکان کا پابند نہیں ہوتا بلکہ مسائل شریعت کو مقدم کرتا ہے۔

۷۔ اجتہاد و تابع محض زمان و مکان: کچھ روشن فکر افراد اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد زمان و مکان کے تابع محض ہیں جبکہ یہ نظریہ باطل ہے مثلاً اگر کسی معاشرہ میں رباخواری رائج ہو جائے تو مجتہد کو چاہئے کہ ان حالات میں رباخوری کو حلال قرار دیدے! ایسا ہرگز نہیں اور کوئی بھی عاقل اس نظریہ کا قائل نہیں ہوسکتا ورنہ کسی زمانہ میں یا کسی جگہ کچھ اور خلاف شریعت کام رائج ہو جائیں تو مجتہد ان کو حلال کرتا جائے۔ نہیں بلکہ ہم شروع میں ذکر کر چکے ہیں کہ زمان و مکان میں عرف کا عمل دخل ہے اور عرفِ عقلاء قابل قبول ہے اور عقلاء جس چیز کو درست مانتے ہیں مجتہد انہیں کے مطابق اجتہاد کرتا ہے اور نظریہ دیتا ہے۔

تشخیص موضوع میں اختلاف

بعض اوقات مراجع کرام کے یہاں تشخیص موضوع میں اختلاف ہوتا ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ احکام شریعت موضوع کے مطابق صادر ہوتے ہیں اور تشخیص موضوع ایک مشکل مرحلہ ہے اور ہر مجتہد کسی بھی ایک حکم کے موضوع سے ممکن ہے کہ اس وقت علم نہ رکھتا ہو لہٰذا وہ اس قسم کے مسائل میں اس مسئلہ کے ماہرین کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ صادر کرتا ہے۔ البتہ مجتہد کی یہ ذمہ داری بھی نہیں ہے کہ موضوع کو مشخص کرے، وہ ایک کلی حکم دیتا ہے مثلاً قرآن و حدیث کی روشنی میں وہ ایک حکم دیتا ہے کہ یہ مست کردینے والی شئی کا استعمال حرام ہے، اب کونسی شئی مست کردیتی ہے یہ اس فن کے ماہر بتائیں گے اور ہر ایک فن کے اگر کئی ماہرین ہوں گے تو ان کے نظریات میں بھی

اختلاف ہوگا اور اسی بناپر مجتہد کے فتوے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اخباری حضرات اسی اختلاف کو تضاد سے تعبیر کرتے ہیں جیساکہ باقر نثار زیدی صاحب نے ایک مکمل کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے۔

فقہی اور اصولی قواعد میں اختلاف

بعض فقہی اور اصولی قواعد کی حجیت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور اسی بناپر فتاویٰ میں اختلاف ہونا ناگزیر ہے مثلاً خبر واحد کے سلسلے میں فقہاء کا ایک گروہ شیخ اعظم انصاریؒ بھی شامل ہیں وہ اسے بغیر قرائن قطعیہ کے بھی حجت مانتے ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں بہت سے مجتہد و فقہاء قرائن قطعیہ کے ساتھ خبر واحد کو حجت تسلیم کرتے ہیں لہٰذا فتوؤں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ قواعد اصولی ہوں یا فقہی یہ بھی روایات معصومین سے ہی ماخوذ ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ مراجع ان روایات کے قبول کرنے میں اختلاف رکھتے ہون جیساکہ روایات کی بحث میں گزر چکا ہے۔

اس کے علاوہ بھی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جن کی بناپر مجتہد کے فتاویٰ میں اختلاف پایا جاتا ہے چونکہ یہ کتاب عوام کے لئے لکھی گئی ہے لہٰذا علمی موضوعات تک و یہاں پر ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔ اہل علم حضرات ان وجوہات سے بخوبی آشنا ہیں، ہم نے یہاں انہیں کا ذکر کیا ہے جسے عوام بھی آسانی سے سمجھ لے۔

تاریخ روایات واحادیث

احادیث معصومین (ع) زندگانی انسان کے لئے یقیناً مرکز و محور کی حیثیت رکھتی ہیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معصومین نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو اپنے فرامین و کردار سے مزین کیا ہے وہ چاہے اخلاقی پہلو ہو، عبادی ہو، اجتماعی زندگی ہو یا فردی شعبہ۔ انسان سازی کے طور طریقہ بیان کئے ہیں یہ احادیث کا بحر ذخار ہی تو ہے جس نے احکام الٰہیہ تفاسیر قرآن ہم تک پہنچائے ہیں ورنہ نہیں معلوم دین خدااور اسلام محمدیؐ مدینے سے باہر آ بھی پاتا یا نہیں۔

قول و فعل و تقریر معصوم (ع) کا نام حدیث ہے جو کہ ہمارے لئے دین فہمی کا دوسرااہم ذریعہ ہے جس طرح قرآن دین فہمی، خداشناسی، معاد شناسی کا پہلا ذریعہ ہے اور یہ ہی احادیث معصومین (ع) قرآنی حقائق و رموز کو بیان کرتی ہیں لہٰذا احکام شرعی اور فروع دین کو تفصیل پرائے میں ڈھالنے والے ائمہ معصوم ہیں، اگر احادیث و سنت و روایات معصومین نہ ہوتیں تو انسان قرآنی حقائق و رموز سے خاک نہ آشنا ہو پاتا۔

اسی لئے شاید رسول خدااور ائمہ طاہرین نے احادیث کو یاد کرنے کے سلسلے میں کافی تاکید فرمائی ہے اور حفظ احادیث کے سلسلے میں کافی تشویق بھی فرمایا ہے۔

جناب جابر امام باقر (ع) سے روایت نقل کرتے ہیں، آپ (ع) نے فرمایا: اے جابر اگر کسی صادق وامین شخص سے ایک حدیث بھی حلال وحرام کے سلسلے میں تم کو ملے تو یہ تمھارے لئے پر ارزش تر ہے اس چیز سے جس پر سورج روشنی ڈال رہا ہے۔ یعنی ایک طرف ساری دنیا اور دوسری طرف صرف ایک

حدیث جو حلال و حرام بیان کر رہی ہو۔[1]

خود رسول خدا کا فرمان ہے کہ میری امت سے جو شخص چالیس حدیث یاد کرے گا اور یہ چالیس احادیث ایسی ہوں جو امت کی احتیاج کے مطابق ہوں تو خدا قیامت کے دن اس کو فقیہ محشور کریگا اور اس پر عذاب نازل نہ ہو گا۔[2]

اس قسم کی بہت سی احادیث ہمارے کتب احادیث میں موجود ہین جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ احادیث کو حفظ کرنا (حافظہ میں یا کتابی شکل میں یا دوسرے طریقے جو ممکن ہوں) اور لوگوں کی احادیث کے ذریعہ مشکلات کو حل کرنا بہت زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہے۔

«««مگر»»»

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اور ہمارے پاس جو احادیث کے مجموعے ہیں ان کے بارے میں کسی نے بھی آج تک دعوی نہیں کیا ہے کہ یہ سب درست و بالکل صحیح ہیں بعض کتاب صرف ایسی ہیں جسمیں احادیث جمع کی گئی ہے، بعض میں تحقیق و تفحص بھی کی گئی ہے مگر جس زمانے میں کتاب لکھی جا رہی تھی اتنے وسائل مہیا نہیں تھے کہ کما حقہ ان احادیث کو علوم حدیث کے کسولی پر صحیح معنوں میں پرکھ کر لکھا جاتا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری اہم ترین کتاب کتب اربعہ میں بھی بہت سی روایات و احادیث ایسی ہیں جو ہمارے عقائد سے بالکل الگ ہیں بلکہ ہمارے عقائد کے بالکل مخالف ہیں مثلاً عقد ام کلثوم کے سلسلے میں یا نبات اربعہ کے سلسلے میں ہماری کتب میں روایات موجود ہیں لہٰذا اب ضروری ہے کہ ہم علوم حدیث کی طرف رجوع کریں اور علماء ماہرین علم حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے حدیث کو صحیح یا غلط ثابت کریں بالخصوص ان مسائل میں جس کی ہم کو ہر آن اور ہر لحہ ضرورت ہوتی ہے اور یہ بات بھی

[1] بحارالانوار، ج۲، ص۱٤٦، ح۱٥۔
[2] بحارالانوار، ج۲، ص۱٥۳، ح۳؛ الخصال، ج۲، ص٥٤١، ح۱٥۔

طے ہے کہ یہ کام ہر انسان اور بالخصوص ایک عام انسان کے بس کا نہیں ہے لہٰذا ان مسائل کو جاننے کے لئے بالخصوص احکام اسلام کی جانکاری کے لئے ہم کو یا تو خود ان علوم کو حاصل کرنا ہوگا یا پھر دوسرا راستہ تقلید کا ہے کہ ہم کیسی کی تقلید کریں۔

اور ایک بات جو مسلم ہے وہ یہ ہے کہ ہماری احادیث اور ہمارے ائمہ (ع) ان ادوار سے گذرے ہیں جہاں اکثریت دشمنوں کی رہی ہے اورا حادیث میں جو رخنہ اندازی کی گئی ہے اور جعل حدیث و وضع حدیث کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے اور کمال تو یہ ہے جعّال و وضاع افراد نے احادیث کو جعل کرنے میں نہایت ہی زیرکی سے کام کرتے تھے اور سلسلہ اسناد میں ایسے اصحاب کو لاتے تھے جو صادق و امین ہوتے تھے لہٰذا احادیث شناسی ایک بہت مشکل باب ہے جس میں زمان و مکان اور حالات و غیرہ کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے احادیث کو صحیح و غلط قرار دیا جاتا ہے۔ انھیں مشکلات کی وجہ سے علم حدیث کا باب کھلا اور یہ علم راویان اور روایات کی تحقیق کرتا ہے۔ یہ ہی علم تاریخ حدیث کا مختصر جائزہ تھا یہ ہی علم مشکلات علم حدیث کو حل کرتا ہے نیز یہ علم فہم حدیث کی روش کو بیان کرتا ہے اس باب میں ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم خلاصۃً تاریخ حدیث کو بیان کریں کہ کس کس طرح اور کن کن ادوار سے ہماری احادیث گذر کر ہم تک پہونچی ہے۔

جعل حدیث کی ابتداء

چھوٹی حدیثوں کی ابتداء کے سلسلے میں اختلاف ہے بعض قائل ہیں کہ یہ سلسلہ رسول کے زمانے میں ہی شروع ہو گیا تھا بعض کہتے ہیں کہ رسول خدا کے زمانے میں یہ کام نہیں ہوا بعد میں شروع ہوا بعض کا نظریہ ہے کہ یہ کام خلفاء چہار گانہ کے زمانے کے بعد شروع ہوا۔ ہم یہاں بعض آراء و نظریات کو نقل کرتے ہیں۔

جعل حدیث زمانے رسول میں

علماء اہل سنت کے بعض اور اکثر شیعہ علماء اس بات کے قائل ہیں کہ جھوٹی حدیثوں کا گڑھنا اور ان کو رسول کی طرف منسوب کرنا یہ خود رسول خدا کے زمانہ میں شروع ہو گیا تھا اسی لئے رسول خدا نے فرمایا تھا کہ جو شخص عمداً میری طرف حدیث کی غلط نسبت دے وہ اوندھے منھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔[1]

خلافت عثمان اور جعل حدیث

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ خلیفہ سوم کے آخری دور میں احادیث جعل کی جانے لگی تھی عثمان اور بنی امیہ کے فضائل ان احادیث میں بیان ہوتے تھے۔[2]

خلفاء چہار گانہ کے بعد

اکثر علماء اہلسنت قائل ہیں کہ چار خلفاء راشدین کے زمانے میں اس کام کے کرنے کی کسی کو جرائت نہیں تھی یہ کام ان حضرت کی خلافت کے بعد شروع ہوا ہے باالخصوص معاویہ کے زمانے میں یہ کام بہت زیادہ ہوا اور بنی امیہ کے فضائل کے صورت میں احادیث جعل کی جانے لگی مثلاً سمرة بن جندب کو

---

[1] فجر الاسلام، ص٢١١؛ الحدیث و الحدثون، ص٤٨٠۔

[2] بحوث في تاريخ السنة المشرفة، ج٤، ص٥۔

معاویہ نے چارہزار درہم دے کر سورہ بقرہ کی ایت ۲۰۴-۲۰۵ کو (جو کہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے شب ہجرت نازل ہوئی تھی) بجائے حضرت علی (ع) کی شأن کے ابن ملجم کے لئے نازل کروادی۔[1] یعنی شأن نزول آیت کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آیت ابن ملجم کے لئے نازل ہوئی ہے۔

معاویہ کو کاتب وحی بنایا گیا

عثمان کو رسول کی دو حقیقی بیٹیوں کا شوہر بتا کر داماد بنادیا گیا تا کہ حضرت علی کے برابر ہو جائیں۔ (اس سلسلے میں ہماری کتاب «فاطمہ زہرا نبی کی اکلوتی بیٹی» میں تفصیل سے ان بیٹیوں کے ربیبہ ہونے کو ثابت کیا گیا ہے، مطالعہ فرمائیں) اس طرح حدیث سازی کا کام آہستہ آہستہ اتنا عام ہو گیا کہ ہر شخص محدث ہو گیا۔

نتیجہ

جعل حدیث کا کام زمانے رسول میں ہی شروع ہو گیا تھا اسی لئے رسول خدا نے فرمایا تھا کہ جو شخص عمداً میری طرف غلط بات منسوب کرے اس کا ٹھکانہ جھنم ہے اس بات پر حضرت علی (ع) نے مفصل گفتگو کی ہے جب سلیم بن قیس ہلالی نے آپ سے حدیث سازی کی ابتداء کے سلسلے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: رسول کے زمانہ میں ہی آپ کی طرف جھوٹی نسبت دی جانے لگی تھی اور رسول خدا نے ان افراد پر لعن بھی کی اور آپ (ص) کے بعد تو یہ کام بہت زیادہ ہونے لگا اور یہ کام ان منافقین کے ہاتھوں زیادہ ہوا جو بظاہر تو اسلام لائے تھے مگر در اصل کافر تھے اور لوگ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ان کی بات مانتے تھے کہ اسنے رسول خدا کو دیکھا ہے ان کی محبت اختیار کی ہے اور ان سے احادیث سنی ہیں اور اے سلیم سمجھدار اور عقلمند انسان اس طرح کے افراد کو خوب جانتا ہے اور خود خدا نے قرآن میں اس قسم کے

---

[1] الغدیر، ج۱۱، ص۱۰۱-۱۰۲۔

منافقین کے صفات بیان کئے ہیں۔[1]

[1] بحارالأنوار، ج۲، ص۲۲۹۔

جعل حدیث کے عوامل

آخر وہ کیا وجوہات ہیں جن کی وجہ سے حدیث سازی کا کام شروع ہوا اور پھر یہ کام اتنا زیادہ ہو گیا کہ بغیر کسی خوف کے ہر شخص حدیث گڑھنے لگا جبکہ متعدد روایات اسی فعل مذموم کی مذمت کر رہی ہیں اور اس قسم کے افراد کا انجام بیان کر رہی ہیں۔ ہم اس مقام پر ان عوامل کا مختصر جائزہ لینگے۔

منع تدوین حدیث (حدیث نویسي پر پابندي)

رسول خدا نے حدیث نویسی کے سلسلے میں متعدد بار اصحاب کو تاکید کی تھی کہ تم لوگ حدیث لکھو تا کہ میرے بعد بھول نہ جاؤ اور اس سلسلے میں علماء اہل سنت نے بھی احادیث نقل کی ہیں مگر رسول خدا کے انتقال کے بعد تقریباً خلیفہ اول کے زمانہ میں ہی حدیث نویسی پر پابندی لگا دی گئی اور خلافت دوم کے زمانے میں تو ہزاروں حدیثی نوشتے جلادئے گئے اور کہا گیا کہ حدیث اگر کتبی شکل میں رہی تو قرآن اور حدیث میں فرق مشکل ہو جائے گا اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے اگرچہ ہدف کچھ اور تھا جسے اس اندازے سے سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنا کر حدیث نویسی کے باب کو بند کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں کی تعداد میں احادیث رسول ضایع ہو گئی اور بعد میں حدیث سازی کے مواقع فراہم ہوئے اور تقریباً دین مقدس اسلام کے ہر باب مبں رسول خدا (ص) سے مروی احادیث ختم ہو گئیں اور لوگوں نے قرآن کو کافی سمجھا اور قرآن کو کما حقہ نہ سمجھ کر غلط تفسیر کی گئی اور شریعت کے ہر باب میں تحریف کی گئی۔

نقل معني

جب حدیث نویسی سے پابندی ہٹائی گئی اور لوگوں نے حدیث جمع کرنی شروع کی تو اب چونکہ تقریباً سو سال کے عرصہ میں یا تو وہ لوگ جنھوں نے حدیث جمع کی تھی مر گئے یا بھول گئے یا اصل حدیث بھول

گئے تو اب اصل کے بجائے معنی اور مفہوم کو غنیمت جان کر معنی اور مفہوم بیان ہونے لگا جس کے نتیجہ میں جو سمجھ میں آیا اپنی طرف سے بیان کرنے لگے اور حدیث کی اصل اور لحن حدیث سے لوگ ناآشنا رہے اور حدیث سازی کی تاک میں لگے افراد نے اس زرین موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور خوب فائدہ اٹھایا یا اور کافی جعل مفاہیم دین مقدس اسلام میں وارد کر دیئے گئے۔

لشکرکشي اورفتوحات

رسول خدا (ص) کے بعد خلفاء کے زمانہ میں گسترش و نشر اسلام کے ہدف کے تحت مختلف ممالک پر اسلامی لشکر نے حملہ کیا اور فتوحات حاصل کیں (نہیں معلوم خلفاء اپنے ظاہری نظریہ گسترش اسلام میں کتنے سچے تھے) اور لوگوں کو مسلمان بنایا گیا یہ نو مسلم افراد جن میں سادہ لوح افراد بھی تھے اور ان لوگوں نے بغیر کسی ہدف کے اسلام قبول کیا تھا مگر رہبران قوم و ملک نے اسلام تو بظاہر قبول کر لیا تھا مگر در اصل یہ لوگ اپنے مسلک و مذہب پر باقی تھے اور انھوں نے اسلامی معاشرہ میں آکر اپنے مذہب و مسلک کی سنت اسلامی معاشرہ میں رائج کی مثلًا اہل کتاب اور بعض مسلمان نما افراد نے قصہ گوئی کے ذریعہ اسرائیلیات کو اسلامی معاشرہ میں منتشر کیا اور خلفاء وقت نے اس قسم کی بدعت کو روکا بھی نہیں۔ حدیث نویسی جس کو رسول خدا نے تاکید فرمایا تھا، روک دیا گیا اور اسرائیلیات جو کہ در حقیقت خرافات و بدعت کے علاوہ کچھ نہیں تھا، باقائدہ اسلامی معاشرہ میں رائج کیا جارہا تھا اور خلفاء روک بھی نہیں لگا رہے تھے بلکہ خلافت دوم و سوم کے زمانے میں ان کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر قصہ گوئی کے لئے خلفاء نے مأمور کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث سازی کا باب کھلا اور خوب خوب حدیث سازی کی گئی اس سلسلے میں خلفاء کی کیاانیت تھی روز روشن کی طرح واضح ہے، تفصیل کے لئے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کریں یہاں اس باب کو مین نہیں کھولنا چاہتا اور اس کتاب میں اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔[1]

---

[1] ضحي الاسلام، ج٢، ص١٢٩؛ کنز العمال، ج١٠، ص٢٦٢؛ مقدمه ابن صلاح، ص٣٦٥؛ الاجتهاد في تقابل النص، ص١٦٠۔

خلفاء بني اميه

خلفاء ثلاثہ کے بعد خلفاء بنی امیہ نے اس باب مین اتنا اضافہ کیا کہ ہر حدیث مشکوک نظر آنے لگی چونکہ ان خلفاء نے حدیث سازی کے لئے با قائدہ بجٹ معین کیا تھا جو شخص بھی اولاد علی اور حضرت علی کی مقصت و مخالفت میں ایک حدیث لاتا تھا اسے مالا مال کر دیا جاتا تھا اور اسے اسلامی معاشرہ میں رائج کرنے کے لئے افراد معین کئے گئے تھے جو اسے نشر کرتے تھے اور دوسرے طرف ایسے افراد بھی تھے جو بنی امیہ کے فضائل میں حدیث جعل کرتے تھے اور خلفاء داد و دہش حاصل کرتے تھے اور خلفاء کے مقرب ہو جاتے تھے حتی کہ دین مقدس اسلام کے قوانین اور احکام شرعیہ میں بھی ان لوگوں تحریف کیا اور روایات بھی رسول خدا سے نقل کرتے تھے اور سلسلہ اسناد میں ایسے افراد کو شامل کرتے تھے کہ کسی کو انکار کی جرائت نہ ہو مثلاً عمار، یاسر، مالک اشتر، ابوذر، سلمان فارسی۔

خلفاء بني عباس

یہ لوگ اٹھے تھے دفاع اہلبیت کے نام پر مگر روز اول سے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ انکا نعرہ صرف سیاسی تھا اور یہ لوگ اہلبیت کے سخت دشمن تھے، صرف نام و منصب خلافت کے لئے اہلبیت کو سہارا بنا رہے تھے ورنہ، نہ یہ اہلبیت کے دوست تھے اور نہ خلافت اہلبیت کے قائل۔ ان لوگوں نے بھی خلفائے بنی امیہ کی طرح افراد معین کئے جو جعلی حدیث ان کے فضائل میں بیان کرتے تھے مثلاً بنی عباس کا ساتواں خلیفہ میرے نام پر ہوگا عدل و انصاف قائم کریگا علم دوست ہوگا وغیرہ، یا مہدی نامی عباسی خلیفہ ہی مہدی آخر الزمان ہے اور ان لوگوں کا شیوہ بھی یہ ہی رہا کہ سلسلہ سند ایسی تیار کرتے تھے کہ جس میں ائمہ طاہرین کے باوفا اصحاب کا نام لیا جاتا تھا تاکہ کوئی آواز نہ اٹھائے سکے بالخصوص اس دور میں علوی حضرات اور ائمہ طاہرین اور ائمہ طاہرین سے رابطہ بھی اتنا آسان نہیں تھا کہ بالمشافہ کوئی جا کر ان سے پوچھ لیتا۔

شيعه فرقے

ان لوگوں نے سب سے زیادہ شیعت کو نقصان پہونچایا ہے اس لئے کہ ابھی تک دشمن مشخص تھا وہ

کھلکر دشمنی کر رہا تھا لہٰذا لوگوں پر آشکار تھا کہ کون اہلبیت کا دوست ہے اور کون دشمن مگر بعد میں جو شیعہ فرقے ہوئے انھوں نے کام زیادہ خراب کیا چونکہ ان فرقوں کا رہبر انحراف سے پہلے ائمہ طاہرین کے خاص اصحاب میں شامل تھا پھر جب منحرف ہوئے تو انحرف سے پہلے سینکروں احادیث ائمہ کے ناقل و راوی تھے جو کہ اسلامی معاشرہ میں رائج ہو چکی تھی بعد میں انھیں لوگوں نے اپنے مقصد و ہدف کے تحت روایات جعل کیں اور ائمہ طاہرین کی طرف منسوب کر دین اب بعد میں لوگوں کو مشکل ہوئی کہ کل تک فلاں شخص امام کا معتمد و امین تھا اور دور دراز کے رہنے والے جن کا ائمہ طاہرین (ع) سے رابطہ بھی نہیں ہو پاتا تھا وہ توان افراد کو امین و معتمد جان کر ان سے مروی ہر روایت کو قبول کرتے تھے اور دھیرے دھیرے اس قسم کی روایات اتنی پھیل گئیں کہ جز دین و شریعت بن گئیں بالخصوص وہ شیعہ فرقے جو کہ شیعوں سے بہت قریب ہیں مثلاً زیدیہ، اسماعیلیہ، غالی، واقفہ۔ ان فرقوں کے رہبروں کا عالم یہ تھا کہ اس زمانہ میں یہ لوگ ائمہ طاہرین کے مختلف علاقوں میں وکیل بھی تھے اور ائمہ کی طرف سے فتوی دینے پر مامور بھی لہٰذا ان لوگوں نے انحراف کے بعد اپنی ذاتی موقعیت سے خوب فائدہ اٹھایا اور دین مقدس اسلام کے ہر باب میں اپنی مرضی و ہدف کے تحت خوب خوب اضافہ کیا اور بعد میں آنے والے باالخصوص آج کے دور میں جو احادیث فہمی ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہے اس کی ایک اہم ترین وجہ یہ ہی ہے اور علم حدیث کا باب بھی انھیں سب مشکلات کی وجہ سے ہمارے علماء نے کھولا تا کہ صحیح و غلط احادیث کو جدا جدا کیا جا سکے۔[1]

[1] علم الحدیث، ص۱۲۸؛ اخبار و آرثار ساختگی، ص۳۱-۳۷؛ نهایة الدرایة، ص۲۸۵۔

وضع حدیث کے سیاسی اہداف اور مراحل

رسول خدا کے زمانہ میں اور ان کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا وہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی اور اس کام کے پس پردہ سیاسی اہداف پوشیدہ تھے لہٰذا پہلے مرحلے میں سازش کے تحت منع حدیث کا حکم نافذ کیا گیا اور ایک مدت طویل کے بعد درباری اور خوش آمد پسند افراد کو بیت المال سے مالامال کیا گیا صرف اس لئے کہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اہلبیت کے خلاف اور بنی امیہ کے ظالم حکمرانوں کے حق میں حدیث وضع کی اور رسول خدا کے فوراً بعد ایک مشہور حدیث رسول کی طرف منسوب کی گئی کہ «ہم انبیاء نہ میراث لیتے ہیں نہ میراث چھوڑتے ہیں» جب کہ اگر خود برادران اہل سنت کے نظریات کے تحت اس حدیث کی تحقیق کریں تو یہ وہ حدیث ہے جس کو سوائے ابو بکر کے کسی نے رسول سے نہیں سنی اور آخرش قضیہ فدک جب ابو بکر نے جناب فاطمہ (س) کے نام لکھدیا تو عمر نے یہ کہہ کر اس نوشتہ کو پارہ پارہ کردیا کہ اے ابو بکر اگر فدک فاطمہ کو دیدو گے تو مسلمین کے مخارج کہاں سے پورا کروٗ گے یعنی اہلبیت سے فدک لے کر مسلمان کے مخارج پورے کئے جائیں اور اہلبیت فاقوں کی زندگی گذاریں تا کہ کوئی ان کی طرف رجوع نکرے۔[1]

اس کے بعد مسئلہ خلافت پر حدیث وضع کی گئی اسلئے کہ یہاں دو فکر لوگوں کے درمیان تھی ایک مسئلہ امامت دوسری مسئلہ خلافت حضرت علی (ع) کے مسلم حق امامت کو لوگوں کے ذہن سے ختم کرنے کے لئے جعلی حدیث وضع کی گئی مثلاً رسول خدا جب معراج پر گئے تو آپ نے دعا کی کہ خدایا میرے بعد علی کو خلیفہ معین کر مگر رسول کی اس دعا کے بعد آسمان لرز اٹھا اور ملائکہ کی صدا آئی اے محمد

---

[1] شرح نهج البلاغه ابن ابي الحديد، ج١٦، ص٢٧٤؛ فدک في تاريخ، شهيد صدر، ص١٤٨؛ فدک، محمد حسين قزويني، ص١٨۔

یہ کیا کر رہے ہو، خدا جو چاہے گا وہی ہوگا اور خدا نے چاہا ہے کہ تمہارے بعد ابو بکر خلیفہ ہوں؛ خود علماء اہل سنت اس حدیث کو یوسف بن جعفر کی ساخت بتاتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ یوسف بن جعفر نے اس حدیث کو جعل کیا ہے۔[1]

اسی طرح حدیث جعل کی گئی اگر رسول خدا کے بعد کوئی نبی خدا مبعوث کرتا تو وہ عمر ہوتے یا رسول خدا نے معراج سے آکر کہا کہ ساق عرش پر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر صدیق عمر فاروق و عثمان ذوالنورین لکھا ہوا دیکھا۔[2]

یہ تو اشخاص کے لئے وضع حدیث کے نمونے تھے، اب آیئے خلافت کے سلسلے میں وضع حدیث کا حال دیکھا جائے، چونکہ رسول خدا پہلے فرما چکے تھے کہ خلافت بنی امیہ کے لئے شایستہ نہیں ہے لہٰذا اپنی حکومت کو شرعی حیثیت دینے کے لئے وضع حدیث کا سہارا لیا گیا۔ مثلاً قال رسول اللہ الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکا، میرے بعد تیس سال خلافت رہے گی اس کے بعد ملوکیت میں بدل جائے گی، یا کہا گیا کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا ہے: خلافت مدینے میں اور ملوکییت شام میں ہوگی۔[3]

اس روایت کا تنہا روای سفینة ہے جو کہ خود علماء اہل سنت کے درمیان جھوٹا اور خیانت کار سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح فضائل اہلبیت کو ختم کرنے اور دشمنان اہلبیت کی تعریف و تمجید میں بھی حدیثیں وضع کی گئیں وہ آیات جو دشمنان اسلام اور کافرین و مشرکین کے لئے نازل ہوتی تھیں ان کو حضرت علی کے لئے بتائی جاتی تھیں اور جو روایات فضائل اہلبیت میں تھیں ان کو دوسروں سے منسوب کر دیا جاتا تھا اور

---

[1] الموقوفات ابن جوزي، ج۱، ص۳۱٦۔

[2] الموضوعات ابن جوزي، ج۱، ص۳۳۷؛ الغدير، علامه اميني، ج۵، ص۵٤۵۔

[3] البداية و النهاية، ابن اثير، ج۸، ص۱۷۔

روایات کو رسول خدا سے منسوب کیا گیا۔ مثلاً عائشہ کہتی ہے کہ ایک دن رسول خدا نے حضرت عباس اور حضرت علی کو آتے دیکھا تو مجھ سے فرمایا اے عائشہ دونوں میری امت سے خارج ہو جائے گیں اور دوسرے دین پر مرے گیں۔[1] اس طرح کی بہت سی احادیث جعل کی گئیں جس میں اہلبیت کی مذمت بیان کی گئی اور ان کے مقابلے میں بنی امیہ بالخصوص معاویہ کے فضائل بیان کے گئے۔

اس دور میں جب کہ خلیفۃ المسلمین معاویہ جیسے افراد رہے ہوں اور وضع حدیث کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہو تو کیا بعید ہے کہ معاویہ کے احکام اللہیہ اور قرآنی تفاسیر میں دست اندازی نہ کی ہو جب کہ معاویہ کے اکثر امور خلاف شرع و شریعت تھے لہٰذا ان خلاف شریعت امور کو شرعی جامہ پہنانے کے لئے اس نے احکام شریعت میں بھی دست اندازی کی اور حدیثیں جعل کر کے جامعہ اسلامی میں رائج کر دی جس کا خمیازہ آج بھی امت اسلام بھگت رہی ہے۔

[1] ابن ابي الحديد، شرح نهج البلاغه، ج١، ص٢٥٨۔

وضع حدیث کے ثقافتی اہداف

اولویت اھلبیت

یہ بات مسلم ہے کہ رسول خدا (ص) نے اپنے بعد اہلبیت (ع) کو دوسروں پر اولویت دی اور بارہا تاکید کی کہ میرے بعد اگر کسی کو کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اہلبیت کی طرف رجوع کرے۔ حدیث ثقلین اولویت اہلبیت پر بارز دلیل ہے اور رسول خدا (ص) جو وحی خدا کے بغیر کچھ کہتے ہی نہیں تھے، آپ (ص) نے اہلبیت کو تمام مسائل کا عالم اور ہر مسئلہ میں ان کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی تاکہ امت گمراہ نہ ہوسکے اور یہ ہی بات امت کے منافقین کو ہضم نہ ہوسکی اور رسول خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی سقیفہ میں جو گل کھلایا گیا امت مسلمہ آج تک اس خار دار گلستان سے پھولوں کے نام کانٹے کاٹ رہی ہے۔ اور یہ پہلا قدم تھا جہاں سے امت مسلمہ میں افتراق و انتشار شروع ہوا اور اہلبیت طاہرین کو صحنہ روزگار سے ہٹانے کی پالیسی پر کھل کر عمل شروع ہوا اور اس قدر اہلبیت کی شخصیت کو گرایا گیا کہ ستر سال تک ممبروں سے علی اور اولاد علی کو گالی دی جاتی رہی اور وہ بھی شرعی و دینی فریضہ سمجھ کر نواسہ رسول امام حسن (ع) کو لوگ مضل المؤمنین کہ کر مخاطب کرتے رہے، امام حسین کو صحرائے کربلا میں شہید کردیا گیا جناب فاطمہ پر جو مظالم ہوئے آج بھی کائنات ہست و بود اسیر شرمسار ہے اور باقی ائمہ طاہرین بھی یکے بعد دیگرے شہید کردئے گئے اور یہ سب کام دینی لبادہ اوڑھ کر کیا گیا اور حدیث وضع کی گئی تاکہ سادہ لوح بھولے بھالے عوام انگشت اعتراض نہ اٹھا سکیں۔ شخصیت اہلبیت کو گرانے کے سلسلے میں خلفاء کے زمانے میں کام شروع ہوگیا تھا خلیفہ دوم ایک خطبہ میں فرماتے ہیں اگر کسی کو قرآن کے بارے میں سوال کرنا ہے تو وہ ابی ابن کعب سے سوال کرے اور اگر حلال و حرام کے بارے میں سوال کرنا ہے تو وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے فرائض و واجبات زیدن بن ثابت سے پوچھے اور مالی امور کے لئے لوگ میرے پاس آئیں اب آپ خود فیصلہ کریں باب مدینۃ العلم سب سے بڑے قاضی عالم علم لدنی

، عالم علوم نبی کی طرف رجوع کرنے کا کہیں تذکرہ نہیں اور جو لوگ مدتوں بعد اسلام لائے نزول قرآن کے بعد جن لوگوں نے قرآن پڑھا حقائق و رموز قرآن سے جو واقف نہیں حلال و حرام جنھوں نے رسول خدا سے یا اہلبیت سے حاصل کیا امت ان کی طرف رجوع کرے بہر حال ان سب واقعات سے یہ بات تو معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ سب سونچی سمجھی سازش کے تحت ہو رہا تھا تا کہ صحیح دین اور شریعت لوگوں کو نہ مل سکے اور جس طرح ہم سیاہ سفید کریں اس پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے اور اسی ذیل میں حدیث وضع کی گئی۔ نماز تراویح کی بدعت رائج کی گئی، متعہ حرام کیا گیا، دختران ربیبہ رسول کو صلبی بتایا گیا، عقد ام کلثوم کا افسانہ لکھا گیا، عثمان کو داماد بنایا گیا، خاندان رسالت پر ظلم ڈھائے گئے اور سب کچھ اخبار و روایت و حدیث کا سہارا لے کر۔

امت واحدہ کي فرقوں میں تقسیم

رسول خدا (ص) کی وفات کے فوراً بعد دو نظریہ یا دو فرقہ امت کے ہوگئے ایک سقیفہ والے دوسرے غدیر والے۔ اور یہ سلسلہ (جس کے بانی عمر بن خطاب، ابو بکر و غیرہ تھے) جو سقیفہ سے شروع ہوا وہ آج تک چلا آ رہا ہے اور ہر فرقہ خود کو بر حق سمجھ رہا ہے آج اگر طالبان سپاہ صحابہ، القاعدہ، داعش جیسی تنظیم بنی ہے تو اس کی اساس سقیفہ ہی ہے خود شیعوں میں مختلف فرقے ہوگئے، زیدیہ، کیسانیہ، اسماعیلیہ، غالی اور ہر فرقہ خود کو بر حق سمجھ رہا ہے اور اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کی غلط تأویل و تفسیر کا سہارا لیا جا رہا ہے تو دوسری طرف خود کو مشروعیت بخشنے کے لئے حدیث جعل کی جا رہی ہے اور جیسا کے پہلے گذر چکا ہے شیعہ فرقوں کے رہبر وہ لوگ تھے جو ابتداء میں ائمہ طاہرین کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے بعد میں منحرف ہوئے اور ان کی شخصیت بہر حال معاشرہ میں اہمیت کی حامل تھی لہٰذا موقعیت کا فائدہ اٹھا کر ائمہ طاہرین کی طرف جعلی حدیثوں کو منسوب کر کے اپنا اُلو سیدھا کر رہے تھے اور آج اسی قسم کی روایات ہماری کتابوں میں بھی بے شمار موجود ہیں جس کا جدا کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں مکتب تقلید و اجتہاد و عوام کو جاہل نہیں سمجھتی جیسا کہ باقر صاحب نے عوام کے جذبات کو یہ کہ کر

ابھارنے کی کوشش کی ہے کہ تقلید والے عوام کو جاہل سمجھتے ہیں، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم تو سوال کرتے ہیں کہ اخبار و روایات جس وادی پر خار سے گذر کر ہم تک پہونچی ہے کیا ہر عام انسان اسکے صحیح و غلط ہونے پر یقین کر سکتا ہے اور اس پر عمل کر کے مطمئن ہو سکتا ہے لہٰذا مکتب تقلید نے اس راہ پر خطر کے خطرات کو آسان بنایا اور باب تقلید کھولکر عوام الناس کے سر کا بوجھ ہلکا کیا ہے تا کہ عوام کسی ایک مقلد کے فتوے پر عمل کر کے خود کو مطمئن کر سکے۔

وضع حدیث کے دیگر اسباب

سبب اول: دنیاپرستی وهوس مال

تاریخ گواہ ہے کہ دنیاپرستی اور ہوس مال کے سبب تاریخ میں بڑے بڑے حوادث رونما ہوئے ہیں، جنایت، آدم کشی، غارت گری، طولانی جنگیں، اور از این قبیل ہزار ہا حادثوں کا سرچشمہ یا ہوس مال ہے یا دنیاپرستی۔ ائمہ طاہرین کی زندگی پر اگر نظر کی جائے تو ہم بخوبی محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کی مظلومانہ زندگی اور آخرش شہادت، انھیں دنیاداروں کی دنیاپرستی اور ہوس مال کی وجہ سے واقع ہوئی ہے چند دن کی دنیا اور چند دن کا عیش آرام انسان کو کس حد تک گرادیتا ہے کہ دنیا آخرت کی سعادت کو چھوڑ کر شقاوت دنیاوی و اخروی کو اپنالیتا ہے تاریخ نے ایسے افراد کی نشان دہی کی ہے تاریخ کے دامن میں ایسے افراد کی کمی نہیں جنھوں نے آخرت کے عوص دنیا کو خرید لیا ہے۔

حدیث سازی کے باب میں بھی اس قسم کے بہت افراد ملے گیں کہ جنھوں نے مال کے عوض اپنا دین و ایمان بیچ کر وضع حدیث کو دنیاوی عیش و عشرت کا سبب بنایا مثلاً سمرہ ابن جندب، ابوہریرہ، ابوالخطاب و غیرہ۔ یہ تاریخ کے وہ بدنما چہرے میں جنہوں نے نہ یہ کہ صرف اپنے ہدف و مقصد تک پہونچنے کے لئے یہ کام کیا بلکہ رسول کی طرف جھوٹی نسبت دی اور ایسی ایسی روایت گڑھی کہ جس کو دیکھ کر ہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کس ذہن کی اختراع ہے۔

سبب دوم: تقرب

دنیا اتنی پست ہوگئی ہے کہ لوگ تقرب خدا کے بجائے سلاطین وقت کے تقرب کو حاصل کرنے کے لئے خدا سے دور ہوگئے اور جب انسان خدا سے دور ہو جائے تو پھر اس سے کچھ بعید نہیں ہے اب ممکن

ہے کہ وہ اپنے خونی رشتوں کو عزت آبرو داؤ پر لگائے یا بندگان خاص خدا کو قتل کردے اور اس کی نظر تقرب سلاطین ناحق پر ہے اور اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے وہ تمام اخلاقی حدود کو توڑ سکتا ہے۔ لہٰذا حدیث سازی میں بھی ان افراد نے زیادہ کام خراب کیا اور ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ہمارے معصومین کے خلاف کس کسی طرح کی حدیث جعل کی گئیں اور دستگاہ اموی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے بعض مقام پر تو رسول خدا کی بھی توہین کی گئی۔

سبب سوم: منافع شخصی

ذاتی حصول فوائد کے سلسلے میں بھی کافی حدیث وضع کی گئیں اب یہ فائدے مختلف قسم کے ہوتے تھے کبھی منصب خلافت تک رسائی کے لئے یہ کام کیا گیا اور اکہ کی پیاز کو مکہ میں بیچا گیا، کبھی خود کو رسول سے قریب کرکے دنیاوالوں کو بیوقوف بنانے کے لئے یہ کام کیا گیا اور یہ باب ایسا ہے کہ جس میں بڑے بڑے صحابہ کرام ملوث ہیں جن کو تاریخ نے اپنے دامن مین ثبت کیا ہے چونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں ورنہ ہم لکھتے کہ اس راہ پر کتنے بڑے بڑے اور جلیل القدر صحابہ چلے ہیں اور ذاتی فوائد کے لئے کس کس طرح حدیث وضع کروائی گئی۔

سبب چھارم: خیر خواهي

بعض سادہ لوح افراد نے خیر خواہانہ حدیث وضع کی اور یہ لوگ زیادہ خطرناک تھے اس لئے کہ ان لوگوں نے اس قسم کی حدیث وضع کی جس کا انکار کرتے ہوئے بڑے بڑے علماء اور فضلاء آج بھی ڈرتے ہیں مثلاً بعض خواص سورہ ہای قرآنی جو ہم دیکھتے ہیں اسکے واضع نے خود اقرار کیا ہے کہ ہم نے جب دیکھا کہ لوگ قصہ گوئی اور فقہ ابوحنیفہ کی طرف جارہے ہیں تو ہم نے قرآن کی طرف لوگوں کے اذہان موڑنے کے لئے حدیث وضع کردی۔[1] اس قسم کے بہت سے افراد ہیں جنہوں نے اس قسم کی حدیثیں

[1] تدريب الروي، ج۱، ص۲۸۲، خطيب بغدادي۔

وضع کی ہیں مثلاً مؤمل بن اسماعیل، میرہ بن عبدربہ، وغیرہ ان لوگوں سے ملاقات کی اور کہا کہ یہ حدیث تم نے کس سے سنی ہے، تو جاعل کہتا ہے کہ ہم نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے اعراض کررہے ہیں لہٰذا ہم نے حدیث وضع کی تاکہ لوگ قرآن کی طرف راغب ہوں۔[1]

اب اہل اخبار اور صرف روایات پر عمل کرنے والوں سے میں سوال کرتا ہوں کہ ان دست درازیوں کے بعد بھی کیا آپ کو ہر حدیث کے درست ہونے کا یقین ہے، اور اگر ہے تو کس دلیل کے تحت اور اگر نہیں تو کس طرح حدیث پر عمل کرکے آپ خود کو بری الذمہ قرار دے رہے ہیں جب کہ تاریخ علم حدیث ہم کو بتارہی ہے کہ احادیث میں دشمن تو دشمن، دوست نما دشمن نے بھی خوب دست درازی کی ہے۔

اس لئے شائد مجتہد کے فتوے کے بارے میں ائمہ سے روایت ہے کہ اگر صحیح فتوی ہے تو دو ثواب اور اگر خدا نخواستہ فتوی درست نہیں پھر بھی ایک ثواب کے مستحق ہیں، اس لئے کہ ہمارے مجتہدین ایک ایک فتوی کے لئے کتنی زحمت اٹھاتے ہیں یہ اہل علم سمجھ سکتے ہے ہمارے بزرگ علماء نے ایک ایک روایت کے حصول کے لئے کیا کیا زحمتیں برداشت کیں پھر ان کے صحیح یا غلط ہونے پر وقت صرف کیا، حالات کا جائزہ لیا، راویوں کے احوال پر تحقیق کی اور اس قسم کے بہت سے مسائل جن کے ذریعہ صحیح حدیث تک پہنچ جائیں تاکہ آنے والی نسلوں تک صحیح اسلام صحیح دین صحیح مذہب پہنچ سکے اور ہمارے علماء کی ان زحمات کے مقابلے میں دشمن ہمیشہ رخنہ اندازی کرتا رہا ہے اور آج بھی کررہا ہے۔

[1] الموضوعات، ج۱، ص۳۹۳۔

وضع حدیث کے طریقے

ہمارے دشمن ہمیشہ سے ہی بہت چالاک رہے ہیں ایسا نہیں ہے کہ ہم بیوقوف ہین نہیں ہرگز نہیں۔ در اہلبیت سے متمسک ہونے کے بعد ہمارے جو صلاحیت اور ملکہ پیدا ہو جاتا ہے وہ کسی اور میں ممکن نہیں اس لئے کہ ہم جس در سے وابستہ ہیں وہ در علم و حکمت ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہماری وابستگی کس حد تک ہے اور کیسی ہے آیا صرف زبانی وابستگی ہے یا پھر واقعی ہم اہلبیت طاہرین سے وابستہ ہیں اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو واقعی اس در سے وابستہ ہو جاتے ہیں وہ دنیا کی نگاہ میں تو دیوانہ ہو سکتا ہے مگر در حقیقت ساری دنیا دیوانی ہے وہ دراصل دانا ہوتا ہے۔ بہرحال دشمنوں نے نہایت ہی چالاکی کے ساتھ ہمارے ائمہ طاہرین کے اس گرانقدر سرمایہ میں رخنہ اندازی کی اور مختلف طریقوں سے ہم کچھ نمونے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

وضع حدیث کامل

کل کے کل الفاظ کیسی ایک شخص کی طرف سے بنائے گئے ہوں اور اس کو نبی یا امام کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو ایسے افراد تاریخ میں بہت سے آپ کو ملے گیں جنہوں نے اس قسم کی حدیث نقل کی ہے جس کا نبی (ص) خدا یا ائمہ طاہرین نے اصلاً کوئی ربط نہیں ہے مگر منسوب ہے لہٰذا عمر ابن عمران التمیمی کہتا تھا: «انا و صفت خطبة ابنی» میں نے مکمل خطبہ رسول گڑھا ہے یا مثلا میسر کہتا ہے میں نے روایات گڑھی ہیں تا کہ لوگ قرآن کی طرف رغبت پیدا کریں۔[1] یا مثلاً احکام دین میں اس قسم کی حدیث بھی زیادہ پائی جاتی ہے مثلاً اسحاق ابن بجیح نے ہشام بن حسان سے اور اس نے امام حسن سے روایت نقل

---

[1] الرعاية، شهيد ثاني، ص١٥٧؛ الواضع في الحديث، ج٢، ص٦١۔

کی کہ زناکاراس شخص سے پہلے معاف کردیا جائے گا جوزنا کے لئے واسطہ بنتا ہے۔[1]

یا یہ حدیث جس میں ابن عباس رسول سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بیگن میں ہر درد کی دوا ہے اور اسمیں کیسی قسم کا نقصان نہیں ہے۔[2]

زيادتي الفاظ در حديث

احادیث صحیح میں الفاظ کو زیاد کردینا اور یہ ایک قسم کا اشتباہ ہے کہ بعض وقت حدیث لکھنے والے محدث کے ذاتی الفاظ یا شرح کو جزء حدیث بنا کر پیش کردیتے ہیں اور وہ مرور زمان کے ساتھ حدیث کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ مثلاً اول حدیث میں ایک لفظ یا الفاظ یا کوئی مطلب کا اضافہ کردینا مثلاً رسول خدا سے منقول ہے کہ «اسبغوا الوضو ويل للاعقاب من النار» یعنی وضو کو طولانی کرو اس لئے کہ یہ جہنم کے عقاب سے بچانے والا ہے۔ حدیث شناس افراد کہتے ہیں کہ «اسبغوا الوضو» خود راوی سے کہ جو ابوہریرۃ ہے اضافہ کیا گیا ہے۔ اصل حدیث اس طرح نہیں ہے یہ وہ حدیث ہے جس کا تعلق احکام سے ہے۔ اب اخبارین اس حدیث پر عمل کرینگے یا نہیں۔[3]

یا ایک دوسری حدیث ہے: «يا على المدينه لا تصلح الابى اوبک و انت منى بمنزلة هارون من موسى»، اے علی شہر مدینہ اصلاح نہیں ہوسکتا مگر میرے یا تمہارے وجہ سے اور میرے لئے تمہاری نسبت وہی ہے جو ہارون کی موسی کے لئے تھی حدیث کے ظواہر پر اگر نظر کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ اس میں کس طرح کا اضافہ کیا گیا ہے اس لئے کہ حدیث میں شہر کا تذکرہ ہے جو کہ اضافہ کیا

---

[1] الواضع و الوضاعون في الحديث النبوي، ص۹۳۔

[2] الموضوعات ج۲، ص۳۰۱۔

[3] اضواء علي السنة المحمدية، ص۱۴۰۔

گیا ہے پھر بے ربط بات کی گئی کہ میرے نسبت تم سے ہارون و موسی والی ہے پہلے جملے سے اس جملے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[1] ابن حجر کہتے ہیں کہ دوسرا جملہ حدیث کا درست ہے مگر اس حدیث کے ساتھ پہلا جملہ ہم نے کسی حدیث کی کتاب میں نہیں دیکھا۔

بعض وقت در میان حدیث میں کوئی ایک لفظ الفاظ یا کوئی مطلب اضافہ کر دیا جاتا ہے اور وہ حدیث جسمیں اضافہ کیا گیا ہے وہ صحیح السند بھی ہے تا کہ کوئی اس اضافہ پر انگشت نہ رکھ سکے مثلاً عن ابن عمر قال النبی (ص) لا یذہب الدنیا حتی یبعث اللہ رجلا من اہل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی۔ دنیا ختم نہ ہو گی مگر یہ کہ اللہ میرے اہلبیت سے ایک شخص کو مبعوث کریگا جس کا نام میرا نام اور جسکے باپ کا نام میرے باپ کا نام پر ہو گا۔ علامہ تستری کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اسم ابیہ اسم ابی کا اضافہ منصور دوانقی نے کیا ہے تا کہ اپنے بیٹے کو مہدی آخر الزمان کے نام سے لوگوں میں پہچنوا سکے جب کہ دوسری تمام احادیث جو کہ امام زمانہ سے متعلق اس موضوع میں ہیں اس میں کہیں بھی اسم ابیہ اسم ابی کا ذکر نہیں ہے۔[2]

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جو الفاظ اضافہ کئے گئے ہیں اسکا اثر بھی حدیث کا اصل معنی پر نہیں ہوتا مگر اضافہ بہر حال اضافہ ہے مثلاً عن الزہری عن الجارود فی خبر امام الصوم الحرام فہو یوم الفطر یوم الاضحیٰ وثلاثۃ ایام من ایام الشتریق۔ یعنی حرام روزہ عید فطر و اضحیٰ کے دن ہے اور تین دن ایام تشریق کے اس حدیث ہیں جو کہ احکام سے مربوط ہے ایام من کا اضافہ ہے اور یہ حدیث اصول کافی اور من لایحضرہ الفقیہ میں بھی ذکر ہے اب اہل اخبار بتائیں کہ اس حدیث کو قبول کرلین گے یا نہیں۔[3]

کبھی آخر حدیث و روایت میں لفظ، مطلب یا الفاظ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے مثلاً رسول سے روایت ہے کہ بین کل اذانین صلاۃ الا المغرب، یعنی دو اذانون کے در میان نماز ہے مگر نماز مغرب میں ایسا نہیں ہے،

---

[1] لسان المیزان، ج۲، ص٤١٤۔

[2] الاخبار، ص٢٣٨، محمد تقي تستري۔

[3] مستدرک الاخبار الا اخلیه، ص٢١٦، محمد تقي تستري۔ تذکرة الموضوعات، ص٣٦، ابن طاهر مقدسي۔

اس حدیث میں کہ جو احکام سے مربوط ہے الا المغرب کا ضافہ کیا گیا ہے دو-سرے مقام پر یہ ہی حدیث موجود ہے جہاں لفظ الا المغرب کا تذکرہ نہیں ہے۔[1]

اور کبھی کبھی الفاظ یا مطلب کو بدل دیا جاتا ہے اور اس طرح کہ اصل حدیث کا مطلب یا بالکل بدل جاتا ہے یعنی اس طرح جیسے شب روز ہوں مثلاً عن جابر عن النبی (ص) اذا رایتم معاویۃ تخطب علی منبری فا قبلوہ، اے جابر جب معاویہ کو تم میرے منبر پر دیکھنا تو قبول کرلینا، حدیث دراصل رسول خدا سے اس طرح ہے جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو فا قتلوہ، قتل کر دینا، دیکھا آپ نے احادیث میں کس طرح کی خیانت کی گئی ہے۔ یعنی ایک لفظ کیا بدلہ کہ معنی کے اعتبار سے حدیث میں زمین آسمان کا حق و باطل کا فرق ہوگیا۔ اس طرح کی بہت سی احادیث و احکام میں بھی وضع کی گئیں ہیں جن کو علماء علم حدیث اور مجتہدین نے مشخص کیا ہے اور جعلی احادیث کو صحیح حدیث سے نکال کر الگ کیا ہے۔

سند حدیث میں تبدیلي

حدیث کو معتبر بنانے کے لئے اور اس کے وزن کو بڑھانے کے لئے سند حدیث میں تبدیل کی جاتی ہے اور یہ کام بہت زیادہ ہوا ہے بالخصوص سلاطین اموی اور عباسی نے یہ کام بہت کروایا ہے درمیان سند یا پھر مکمل سند میں ایسے افراد شامل کئے جاتے ہیں جو معتبر ہی نہیں ائمہ کے خاص اصحاب اور اپنے وقت کے ہر دل عزیز نیز معتبر سمجھے جاتے تھے اور فریقین کے نزدیک ایسے افراد پر کسی کو اعتراض بھی نہ ہو مثلاًعن ابن عباس عن الرسو ل الله (ص) قال: ما فی الجنة شجرة الا مکتوب علی کل ورقة منها محمد رسول الله ابوبکر صدیق، عمر الفاروق ، عثمان ذوالنورین، جنت میں کوئی ایسا درخت نہیں جس کے ہر پتہ پر رسول اللہ ابو بکر صدیق عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین نہ لکھا ہو، اس روایت میں ابن عباس کا وجود ہی نہیں ہے اس کو علی ابن جمیل نے وضع کیا اور معروف بن

---

[1] تذکرة الموضوعات، ص٢٦، ابن طاهر مقدسي۔

ابی معروف نے اسے نقل کیا۔[1]

کبھی کبھی سند کے ساتھ ساتھ اصل حدیث میں بھی تبدیلی کردی جاتی ہے مثلاً رسول اللہ کی اس حدیث میں کہ کل شراب مسکر فہو حرام، میں سند کے لحاظ سے بھی اور متن کے لحاظ سے بھی تبدیلی کی گئی اور اس طرح حدیث بیان کی گئی: مااسکر کثیرۃ فقلیلہ حرام۔[2]

خلط در حدیث

یعنی احادیث کی کتاب یا وہ نوشتے جس میں احادیث لکھی ہوئی ہوں اس میں اپنی مرضی سے اضافہ کردینا اور یہ کام بھی دوسرے جعلی کاموں کے ساتھ بہت ہوا اور یہ کام ائمہ طاہرین کے زمانہ میں شروع ہو گیا تھا لہٰذا ہمارے ائمہ (ص) نے اس کام سے لوگوں کو آگاہ بھی کیا اور اس قسم کے افراد پر لعنت بھی کی ہے۔ امام صادق (ع) اپنے صحابی خاص ہشام ابن حکم سے فرماتے ہیں کہ ہمارے بیانات کو آنکھ بند کر کے قبول نکرنا بلکہ دیکھنا کہ قرآن سے موافقت رکھتی ہے یا نہیں اگر موافق ہے تو قبول کرلینا ورنہ قبول نکرنا اس لئے کہ بعض افراد نے میرے اور میرے والد کے اقوال میں کافی دست درازی کی ہے اور ہم سے منسوب کردیا ہے۔[3]

کتاب یا کتابچہ اور انتشار

حدیث جعل کرنے والوں نے صرف یہ ہی نہیں کہ حدیث جعل کرتے تھے بلکہ اس کو کتابی شکل یا کتابچہ کی شکل دے کر معاشرہ میں اور جس جگہ ائمہ طاہرین نہیں ہوتے تھے وہاں نشر کردیتے تھے۔ سمجھ دار طبقہ یا اہل علم افراد اس زمانہ میں سفر کر کے جب تک امام تک پہنچتے تھے یا اس سلسلے میں مکاتبہ کرتے تھے اس وقت تک یہ احادیث نشر ہو چکی ہوتی تھیں۔ انھیں سب اسباب کا نتیجہ ہے کہ آج فتاوی مراجع

---

[1] المواضع في الحديث، ج٢، ص٤١۔
[2] الكامل في ضعفاء الرجال، ج١، ص١٢٥۔
[3] معجم الرجال الحديث الامام الخوئي، ج١٨ ،ص٢٧٥۔

میں اختلاف ہے اس لئے کہ بعض احادیث ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں اصلاً علم نہیں ہوتا کہ درست ہے یا غلط مگر بظاہر سند بہت محکم اور متن بھی درست مگر اس جگہ ایک دوسرا مجتہد اپنی کوشش سے اصل تک پہنچ کر اس حدیث کو رد کر کے پہلے فتوے سے متفاوت فتوی دیتا ہے تو اہل علم اس اختلاف کو سمجھتے ہیں اور قبول کرتے ہیں مگر کیا کیا جائے ان عالم نما جھلاء کا جو اخبار ہی کو سب کچھ سمجھ کر اسی پر عمل کر رہے ہیں جب کہ ان کو بھی معلوم ہے کہ احادیث ہماری کتنی مراحل سے گذری ہے مگر یہ لوگ جان بوجھ کر ایسی حرکت کرتے ہیں تا کہ قوم میں انتشار ہو دشمن خوش ہو اور جہنم بھرتا رہے۔

اس قسم کے افراد کی علماء نے نشان دہی کی ہے ، علامہ امینی نے ایسے بیس لوگوں کی نشان دہی کی ہے کہ جن لوگوں نے حدیث وضع کر کے کتابی شکل میں اسے منتشر کیا۔[1]

ایک دوسرے مقام پر امام صادق (ع) ارشاد فرماتے ہیں بعض افراد ہماری طرف احادیث کی جھوٹی نسبت دیتے ہیں ابھی ہمارے زبان سے کوئی بات نکلتی ہی ہے کہ یہ لوگ اس کی غلط تفسیر و تاویل کر کے لوگوں تک پہونچادیتے ہیں۔[2] ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ ہم نے روایات و احادیث پر عمل کر کے اپنا وظیفہ انجام دیا ہے یہ وہ مشکل ہے کہ ائمہ طاہرین کے زمانہ میں بھی لوگوں کے لئے درد سر تھی ائمہ یا زندان میں تھے یا ان سے آسانی سے ملاقات نہیں ہونے دی جاتی تھی یا اصحاب ائمہ امام سے اتنے دور تھے کہ امام سے رابطہ میں کئی کئی مہینہ لگ جاتے تھے۔ اس وقت تک اتنی دیر ہو چکی ہوتی تھی کہ روایات لوگوں تک پہنچ جاتی تھی اور لوگ اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔ لہذا ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ائمہ علیہ السلام کے اصحاب ائمہ سے اس سلسلے میں سوالات کرتے تھے کہ مولا ان حالات میں ہم کیا کریں اور ائمہ طاہرین جواباً ارشاد فرماتے تھے کہ ہمارے اقوال کو قرآن کے معیار پر دیکھو اگر قرآن سے موافق ہے تو قبول کرو، ورنہ قبول نکرو۔ جب ائمہ کے زمانہ میں اصحاب ائمہ کے لئے مشکل پیش آسکتی ہے تو آج

---

[1] الوضع في الحديث، ج۲، ص۱۳۰۔

[2] وسائل الشيعة، ج۱۸، ص۵۸۔

کے اخباریین یہ کیسے دعوی کرتے ہیں کہ ہم حدیث سمجھ لیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ حدیث کا ترجمہ کرلینا بہت آسان ہے جب کہ حدیث کے حقائق اور رموز کا سمجھنا ہر کس و ناکس کی بات نہیں۔ ایک حدیث کو سمجھنے کے لئے کن کن مرحلے سے گذرنا ہوتا ہے یہ شاید اہل اخبار کو نہیں معلوم۔ امام نے کس سے کن حالات میں کیوں اور کس وقت کیا ارشاد فرمایا۔ یہ سب مد نظر رکھ کر حدیث پر عمل ہو سکتا ہے نہ یہ کہ ہر شخص بس ترجمہ دیکھ کر حدیث پر عمل کرنے لگے تو پھر اسلام کو خداحافظ کہہ دینا چاہئے۔ علم ائمہ علم لدنی اور معدن علم رسالت ہے اور علم رسالت علم وحی کا سرچشمہ ممکن نہیں کہ علوم آل محمد کو سمجھنے کا ہر کس و ناکس دعوی کردے اپنے ذاتی گمان میں چاہے وہ کچھ ہو مگر اہل علم ایسے افراد کو بہر حال قبول نہیں کر سکتے۔

باب ۵

اختلافات در فتاوی

کلام معصومینؑ سے ہم اس بات کو سمجھے ہیں کہ ائمہ طاہرینؑ کی روایات میں بعض وجوہ کی بناپر (جن کا تذکرہ ہم گذشتہ بحث حدیث میں کرچکے ہیں اور آئندہ تقیہ کے زیر نظر بحث کریں گے) تعارض پایا جاتا ہے حالات و مواقع کے اعتبار سے ائمہ طاہرینؑ کی متعارض روایات جا بجا دیکھنے کو ملتی ہیں اور پھر خود اقوال معصوم اس بات پر دال ہیں کہ ان کے کلام میں ستر ستر جہات ہیں وجہیں میں معنی ہیں تو اب اگر کوئی مجتہد کسی جہت کو سمجھتا ہے کوئی کسی دوسری جہت کو تو اس میں بظاہر کوئی مشکل نہیں ہے یہاں جناب باقر صاحب کی کتاب کشف التضاد جو صرف فساد کا پلندہ ہے اس میں بھی یہ بات ثابت نہیں کرسکتے کہ ایک مجتہد نے کسی بات کو حرام اور دوسرے نے اسی بات کو حلال کیا ہو۔

اختلاف بھی دو طرح کا ہے ایک ذاتی اختلاف دوسرا نظریاتی اختلاف۔ ذاتی اختلاف جیسے زمین جائداد کے بارے میں اختلاف دشمنی کے سلسلے میں اختلاف اس اختلاف کو مذموم بتایا گیا ہے جب کہ دوسری طرف نظریاتی اختلاف ہے جس کا کوئی منکر نہیں دنیا کے تمام علوم میں اختلاف ہے اور نظریاتی اختلاف علم آور ہوتا ہے یعنی نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں ہر علم کے متعدد عالم ہوتے ہیں اور سب کے اس علم کے فروعات پر نظریاتی اختلاف ہوتا ہے کیسی بھی علم کے کلیات پر کسی کو اختلاف نہیں ہوتا اور فروعات میں اختلاف کی صورت میں مختلف نظریات سامنے آتے ہیں جس سے انسان تمام نظریات کو دیکھنے کے بعد کسی ایک نظریہ کو قبول کرتا ہے جو اس کے نزدیک کلیات سے زیادہ قریب ہوتا ہے مگر

جناب باقر صاحب اس قول سدید کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ اختلاف شک آور ہے اور شک وہیں ہوتا ہے جہاں جہالت ہو۔ جناب باقر صاحب اگر اختلاف شک آور ہے اور جہالت ہے تو مجھے آپ کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے اس لئے کہ اختلاف وہیں ہوتا ہے جہاں علم ہو اگر انسان کیسی علم کا عالم نہیں ہو گا تو اختلاف کیسے کریگا، اختلاف وہیں ہوتا ہے جہاں علم ہو۔

جناب باقر صاحب اتنے واضح قضیہ کو سمجھ نہیں پارہے ہیں تو مراجع کرام کے نظریاتی اختلاف کو کیا سمجھیں گے اپنی کتاب کشف التضاد میں آپ اختلاف کو جہل آور بیان کررہے ہیں اور مراجع کرام کے نظریاتی وفروعی اختلاف کو تضاد کی صورت میں پیش کررہے ہیں ہم نے گذشتہ حدیث روایت کی بحث میں بیان کیا ہے کہ ائمہ معصومینؑ کی کلام میں اتنی خورد برد ہوئی ہے کہ چند احادث کے علاوہ کسی کو بھی ہم آنکھ بند کر کے تسلیم نہیں کرسکتے لہٰذا کلام معصومؑ میں بھی تخریب کاروں نے اس قسم سے رخنہ اندازی کی ہے کہ بعض مقام پر خود کلام امام میں اختلاف نظر آتا ہے۔اب ان رخنہ اندازیوں کو کون سمجھ سکتا ہے عوام یا پھر علماء ومراجع کرام۔اسی لئے فتاویٰ مجتہدین میں ہم اختلاف دیکھتے ہیں اور یہ بات بالکل طبعی ہے ابھی ہم کچھ روایات معصومینؑ ایسی نقل کریں گے گے جن میں اختلاف ہے (کلام معصوم میں اختلاف ممکن نہیں ہے اسے اس طرح بیان کی گئی ہے کہ وہ اختلافی نظر آرہی ہے) تو پھر آپ کس طرح اس روایت سے برخورد کریں گے آپ کے نظریہ کے مطابق ہر روایت صحیح اور معتبر ہے تو پھر ایک اختلافی روایت کو کیا کہیں گے ؟مثلاً جس کتاب کو آپ مدرک کے طور پر استعمال کرتے ہیں اصول کافی، تہذیب ، من لایحضرہ الفقیہ ان میں روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے خلفاء کی بیعت کی تھی۔ حضرت علیؑ نے عمر سے اپنی بیٹی کی شادی کی تھی، رسول نے اپنی بیٹیوں کا عقد عثمان سے کیا تھا۔اب خود آپ کے نظریہ کے مطابق ان روایت کو تسلیم کرلیں آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کیجئے ہم کم از کم اس قسم کے خرافات کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ روایات کو علم حدیث کی کسوٹی پر تولتے ہیں اور پھر ردّ کردیتے ہیں یا قبول کرتے ہیں، اختلاف شک آور اور جہالت کا سبب نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی اعتبار سے دو ڈاکٹر

ہیں اور ایک ہی مرض کے لئے دونوں الگ الگ دوا تجویز کرتے ہیں، ایک ڈاکٹر بخار کے لئے استامینوفن کا استعمال کرتا ہے تو دوسرا ڈاکٹر پیراسیٹمال، کورسین دیتا ہے جب کہ دونوں کا ہدف ایک ہے کہ مریض اچھا ہو جائے یہاں بھی اگر فتاوی میں اختلاف ہے جب کہ دونوں مرجع کا ہدف یہی ہے کہ مریض روح کو شفا مل جائے، جس طرح وہاں کوئی اعتراض نہیں کرتا، یہاں بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، اسی سے پتا چلا ہے کہ اختلاف نہ جہالت کا پیش خیمہ ہے نہ شک و شبہہ کا، بلکہ یقین تک پہونچنے کا ذریعہ ضرور ہے۔

اختلاف فقہاء کے علل واسباب

سب سے پہلے ہم یہ بیان کردیں کہ اختلافات ذاتی نہیں ہیں بلکہ نظریاتی ہیں اور نظریاتی اختلاف بھی صرف اس لئے ہیں کہ ائمہ طاہرینؑ کے بیان کردہ علم اصول کے کلیات سے بعد میں جو فروعات نکالی گئیں ان فروعات میں میں علماء کے الگ الگ نظریہ ہیں کوئی کسی نظریہ کو قبول کرتا ہے کوئی کسی دوسرے نظریہ کو درست سمجھتا ہے۔ البتہ کلیات دین حلال و حرام میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور سب کا نظریہ قرآن و حدیث پر ہی جاکر منتہی ہوتا ہے۔

۱۔ منابع فقہی: بعض منابع فقہی سند اور دلالت کے اعتبار سے یقینی ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں لہٰذا ان منابع سے رجوع کرنے کے بعد فقہاء کے درمیان اختلاف نہیں ہے جب کہ بعض منابع فقہی سند کے اعتبار سے قطعی نہیں ہیں جب ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو مراجع اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرتے ہیں لہٰذا ان کے فتاویٰ میں اختلاف دیکھنے کو ملتا ہے۔

۲۔ کتب روائی: عصر غیبت میں چونکہ علماء امامؑ سے مستقل رجوع نہیں کرسکتے لہٰذا کتب روائی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کتب روائی جن مشکلات سے گذر کر ہم تک پہنچی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے کہ ان کتب کی تمام روایت پر ہم بھروسہ نہیں کرسکتے اس کے علاوہ کتاب جو چھپی ہیں وہ مختلف جگہوں سے چھپی ہیں کہیں پر طباعت کی غلطی ہے تو کہیں پر خود خط میں اشتباہ ہے اور جو کتاب خطی یعنی چھپی

نہیں ہے ہاتھوں سے لکھی ہوئی ہیں ان میں کہیں نقطہ غائب ہے کہیں اصل عبارت حذف ہے کہیں ایک کلمہ غائب ہے کہیں پر راوی الگ الگ ہیں اور ابتدائے زمانہ میں نہ نقطہ کا رواج تھا نہ الفاظ کی صحیح شناخت کا ذریعہ لہٰذا قدیم کتابوں کے پڑھنے کے لئے ماہرین جیسا پڑھ دیتے تھے اسی کو قبول کر لیا جاتا تھا آج جب کہ طباعت اتنی پیشرفت کر چکی ہے پھر بھی اکثر کتابوں میں غلطی پائی جاتی ہے تو اس زمانہ میں تو یہ کام بدرجۂ اولیٰ ممکن تھا اور آج کا زمانہ گذشتہ زمانہ سے کافی فرق رکھتا ہے آج ایک کتاب آسانی سے مل سکتی ہے تو کل ایک روایت کے لئے مراجع کرام کو دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا تھا اور پھر بھی کما حقہ مطمئن نہیں ہوتے تھے کہ جس مقصد کے لئے آئے ہیں وہ حاصل ہوا بھی کہ نہیں۔

۳۔ اسناد روایات: مہم ترین مسئلہ اختلافات فتاویٰ مراجع کا یہ ہی ہے کہ آیا سند کے اعتبار سے روایت صحیح ہے یا غلط؟ کس نے بیان کی ہے؟ کب بیان کی ہے؟ سلسلہ رواۃ میں نقص تو نہیں ہے ان سب سے زیادہ مشکل یہ ہوتی ہے کہ راوی سب کے سب موثق ہوتے ہیں اور حدیث قرآن کے بالکل برعکس یا نظریات ائمہ کے بالکل برعکس ہوتی ہے ان تمام امور کو سمجھنا ایک جہاد سے کم نہیں ہے اس لئے مراجع کرام احادیث کے فہم میں اختلاف کرتے ہیں بعض فقیہ کسی راوی کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جب کہ دوسرا فقیہ اس راوی کو تسلیم نہیں کرتا۔[1]

مثلاً روایت میں ہے کہ ابن سنان نے اس روایت کو نقل کیا ہے اب ابن سنان سے مراد صمد بن سنان ہیں یا عبداللہ بن سنان ہے اب یہ کام مجتہد اپنے علم و فہم و فراست سے تشخیص دیتا ہے کہ اس سے مراد کون ہے اور اس مشکل کو حل کرنے کے لئے علوم احادیث و رجال کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۴۔ استعمال الفاظ: ایک لفظ ائمہ طاہرینؑ کی روایت میں دیکھا گیا کہ جو مختلف ادوار میں مختلف معنی میں بدلتا رہا یا اس کے مختلف معنی ہیں اب جو امام سے براہ راست مخاطب نہیں ہے اس کے لئے یقیناً دشوار ہے کہ وہ امام کے مطلوب کو سمجھے لہٰذا وہ قرائن کی طرف رجوع کرتا ہے اب مختلف مراجع مختلف قرینوں کو

[1] مثال کے لئے فہم حدیث کے سلسلے میں مکمل باب جو گذر چکا ھے ، کی طرف رجوع کیا جائے۔

سمجھتے ہیں لہٰذا فتاویٰ میں اختلاف نظر آتا ہے۔

۵۔ تقیہ: وہ روایت جو ائمہ نے تقیۃً بیان کی ہیں مثلاً ایک شخص کو کچھ کہا وہ چلا گیا اب وہ اسی پر عمل کر رہا ہے اور اس سائل نے دوسروں کو بھی یہ ہی حکم بتا دیا ہے ایک مدت کے بعد ائمہؑ کی طرف سے پیغام آیا کہ اب اس طرح فعل انجام دو وہ تو اب اس طرح عمل انجام دے رہا ہے مگر جس کو بتایا وہ دسترس میں نہیں ہے اور اب وہ شخص بعنوان راوی روایت کرتا ہے تو اس مقام پر بھی مراجع کے لئے مشکل ہوتی ہے کہ کس طرح ان مسائل کو حل کیا جائے لہٰذا راہ حل مراجع کرام کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے فتویٰ مختلف ہوتا ہے (اس سلسلے میں تفصیل بحث آئندہ کریں گے)

۶۔ زمان و مکان: کسی بھی انسان کو حدیث فہمی کے لئے زمان و مکان کی شناخت بہت ضروری ہے۔ امامؑ نے کن حالات میں کہاں اور کس سے روایت بیان کی ہے بعض مرتبہ حالات ایسے نہیں رہے کہ امامؑ واضح طور پر حدیث بیان کرتے حکام جور کے افراد امامؑ کے گرد جاسوس کی حیثیت سے رہا کرتے تھے لہٰذا امامؑ چند وجوہی جواب دیا کرتے تھے جس سے دشمن استفادہ نہ کر سکے اور اسی لئے بہت سی روایات مختلف ہیں اور مراجع کرام کے فتاویٰ بھی اسی لئے مختلف ہیں۔

۷۔ جعل حدیث: منع حدیث کا دور تاریخ اسلام کا سیاہ ترین دور ہے۔ اس دور میں موجود حکام نے خوب خوب فائدہ حاصل کیا اپنے مطلب و ہدف کے تحت احادیث جعل کروائیں بالخصوص دوران خلافت عثمان سے لے کر اموی تمام حکمرانوں تک اور پھر اس کے بعد عباسی خلفاء کے زمانہ میں بھی مختلف قسم کی روایات کا جعل کرنا اور کتب روائی میں شامل کرنا ہم اس سلسلے میں حدیث فہمی کے ذیل میں تفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اختلاف فتاویٰ کے لئے یہ بھی اہم ترین باب میں سے ایک باب ہے۔[1]

کلام امام

[1] مزید اختلاف در فتاوي کے سلسلے اصلاح کے خصوصي نمبر غيبت حضرت حجت و خدمات مرجعيت کے ص۳٦١ کي طرف رجوع کيا جائے۔

ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ معصوم کا کلام سمجھنا ہر کس و ناکس کی بات نہیں ہے۔ امام کے کلام کو سمجھنے کے لئے مدتوں علم حاصل کرنا پڑتا ہے، مختلف علوم کو حاصل کرنے کے بعد بھی کوئی یہ دعوی نہیں کر سکتا اور نہ کرتا ہے کہ ہم نے امام (ع) کے کلام کو کما حقہٗ سمجھ لیا ہے اسی لئے مراجع کرام فتوی دینے کے بعد واللہ اعلم لکھتے ہیں تا کہ اس بات کا شبہ بھی نہ ہو کہ ہم بالکل صحیح امام کے کلام کو سمجھے ہیں جیسا کہ خود امام فرما رہے ہیں۔

داوؤد بن فرقد امام صادق (ع) سے نقل کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا: اگر ہمارے کلام کو سمجھ لو تو فقیہ ترین افراد میں سے ایک ہو اس لئے کہ ممکن ہے ہمارے بیان کردہ ایک جملے کے کئی معنی ہوں اور اگر متکلم معنا بیان کرنا چاہتا ہے تو بیان کر سکتا ہے جیسا کہ وہ خود سمجھا ہے، ہاں اس بات کا خیال رہے کہ ہماری طرف جھوٹ کو منسوب نکرے۔[1]

ایک دوسری جگہ عبد الاعلی ابن اعین نقل کرتے ہیں کہ میں اور علی ابن حنظلہ امام صادق (ع) کے پاس گئے، علی نے امام (ع) سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا، امام (ع) نے ان کو جواب دیا، علی کہتے ہیں اگر ایسا ہو تو، امام (ع) نے دوسری طرح جواب دیا، اسی طرح وہ سوالات کرتے رہے اور امام جواب دیتے رہے، علی میرے طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا، امام (ع) نے فوراً کہا اے علی تم تو ایسا نہ کہو، تم نیک انسان ہو، سنو اے علی، بعض مسائل کے حکم محدود و مشخص ہیں اور ان میں ایک سے زیادہ حکم کی گنجائش نہیں ہے، جیسے نماز جمعہ کا وقت کہ وہ زوال کے وقت ہے اور اس کا صرف ایک وقت مشخص ہے، مگر بعض دوسرے مسائل ایسے نہیں ہیں ان میں وسعت پائی جاتی ہے اور تمہارا سوال بھی اسی ضمن میں ہے جس میں وسعت ہے، خدا کی قسم اس مسئلہ میں میرے پاس ستر/۷۰ جوابات اور وجہیں ہیں۔[2]

علی ابن ابی ہمزہ کہتے ہیں میں اور ابو بصیر امام صادق (ع) کے پاس گئے، امام (ع) نے گفتگو شروع کی اور دوران گفتگو ایک ایسی بات کہی جس کے لئے میں نے دل میں کہا خدا کی قسم ابھی تک میں نے یہ حدیث نہیں سنی تھی، اس کو میں شیعوں کو جا کر سناؤنگا، امام (ع) نے میری طرف دیکھا اور کہا میں کبھی کبھی ایسی بات کرتا ہوں یا کہتا

---

[1] وسائل الشیعة، ج۱۸، ص۸٤۔

[2] بحارالانوار، ج۲، ص۱۹۷، ح ۵۰۔

ہوں جس کے ستر معنی اور وجہیں ہوتیں ہیں، میں جس کا چاہتا ہوں اسی کا ارادہ کرتا ہوں۔[1]

مذکورہ تمام روایات سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ امام کے کلام کو سمجھنا آسان نہیں، یہ وہی افراد کر سکتے ہیں جو اس علم کے ماہر ہوں، ہر عام آدمی احادیث و روایات کا صحیح ترجمہ تو کر نہیں سکتا، سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے اور پہلی روایت تو مراجع کرام کے اختلاف فتوای پر بیّن دلیل ہے کہ جو جس طرح امام کے کلام کو سمجھا ہے اسنے اسی طرح فتوی دیا ہے۔

ہمارے مراجع کرام جب قرآن و حدیث سے کیسی بھی مسئلہ کے سلسلے میں استنباط کرتے ہیں تو یہ بات بھی ان کے پیش نظر رہتی ہے کہ روایت کن حالات میں امام سے صادر ہوئی ہے، مخاطب کون ہے؟ اور تقیہ کے طور پر تو امام نے یہ روایت بیان نہیں کی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہماری روایات کتب میں متعارض روایات بہت ہیں اور مراجع کرام نے متعارض روایات کو جمع کر کے درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش کی ہے تاکہ دونوں روایات پر عمل ہو سکے، اگر ایک صحیح ہے تو وہ چھوٹنے نہ پائے اور اگر دوسری صحیح ہے تو وہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اخباری حضرات بہر حال ایک روایت کو چھوڑے گیں دوسری پر عمل کرئے گیں، بغیر یقین کے ساتھ کہ جس پر عمل کر رہے ہیں وہی درست ہے۔ اب باقر صاحب جو یقین کا ڈھول پیٹ رہے ہیں بتائیں شک و تردید میں وہ ہیں یا مراجع کرام!۔

[1] انی لا تکلم علي سبعين وجهاً لي في كلها المخرج؛ بحارالانوار، ج۲، ص۱۹۷، حدیث ۵۲/ ۵۳/ ۵۴/ ۵۵/ ۵۶۔

باب ٦

عصر ائمہ طاہرین میں اجتہاد کی ضرورت کیوں؟

گذشتہ بحث میں ہم مختلف طریقہ سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں عصر ائمہ طاہرین (ع) میں اجتہاد ہوتا رہا ہے اور ائمہ (ع) نے اس کی اجازت ہی نہیں تشویق و تاکید بھی کی ہے البتہ ائمہ طاہرینؑ کے زمانے میں اجتہاد کم ہوتا تھا چونکہ خود ائمہ موجود تھے لیکن یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر عصر ائمہ طاہرینؑ میں اجتہاد کی ضرورت کیوں ہوئی تو اس سوال کا جواب بہت واضح ہے ہم مختلف وجوہ کا ذکر اس بحث میں رہے ہیں:

ا۔ پراکندگی شیعہ: (اصحاب خاص ائمہ) زمانہ قدیم کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ نہ اس زمانہ میں تیز ترین سفر کے امکانات تھے نہ خط و کتابت کا معقول ذریعہ اور ان حالات میں شیعیان حیدر کرارؑ کا پوری دنیا میں موجود ہونا اس سوال کا جواب ہے کہ عصر ائمہ طاہرینؑ میں اجتہاد کی کیوں ضرورت تھی۔ ائمہ طاہرینؑ عموماً مدینہ میں رہتے تھے اور شیعیان جو مدینہ میں تھے وہ تو ائمہ سے استفادہ کرتے تھے مگر جو لوگ دور تھے وہ ائمہ طاہرینؑ کی روایات کے مطابق اجتہاد کرتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے اس دور میں ہر شیعہ کا امامؑ سے رابطہ ہو پانا بھی مشکل تھا لہٰذا جو لوگ ائمہ سے ملے تھے اور اہل علم تھے وہ ائمہ طاہرینؑ کی روایات حفظ کرتے تھے اور اسی کی بنا پر اجتہاد کرتے تھے اور ائمہؑ کی طرف سے مورد تشویق بھی قرار پاتے تھے جیسا کہ گذشتہ بحثوں میں گذر چکا ہے۔

۲۔ ائمہ طاہرینؑ سے مستقل رابطہ پر پابندی: یہ بات تاریخی شواہد و دلائل سے مسلم ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کی زندگی بالخصوص امام سجادؑ سے لے کر امام عسکریؑ تک آزاد زندگی نہیں تھی بلکہ ہمیشہ حکام جابر

کی طرف سے ائمہؑ پر پابندی رہتی تھی یا تو زندگی کا اکثر حصہ زندان میں گذر جاتا تھا یا لوگوں سے ملاقات پر پابندی ہوتی تھی۔ امام باقرؑ و امام صادقؑ کا زمانہ کچھ غنیمت تھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں بھی دونوں امامؑ سے عمومی ملاقات بہت مشکل تھی۔ خلیفہ عباسی سفاح نے امامؑ کو حیرہ سے بلا کر مدینہ میں تحت نظر رکھا اور لوگوں کو ملاقات سے منع کر دیا۔[1]

امام کاظمؑ و امام رضاؑ اور ان کے بعد دیگر ائمہؑ کی زندگی کا اکثر حصہ زندان میں گذرا ان حالات میں شیعہ کس سے رابطہ کریں کس سے اپنے مسائل معلوم کریں؟ اگر اجتہاد کا راستہ بند ہوتا تو مسائل شریعت کا حل کس طرح عموم شیعیان معلوم کرتے لیکن ان حالات میں ائمہ طاہرین بعض اصحاب کی طرف رجوع کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ گذشتہ ابحاث میں ہم اس سلسلے میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔[2]

۳۔ رابطہ کی صورت میں اصحاب پر مظالم: تاریخ گواہ ہے کہ طاغوتی اور جائر حکومتوں نے نہ یہ کہ صرف ائمہ طاہرینؑ پر مظالم کے پہاڑ گرائے بلکہ آپ کے چاہنے والوں کو بھی سخت ترین مصائب سے گذرنا پڑا اور یہی وجہ ہے کہ خود معصومینؑ اپنے اصحاب کو ملاقات سے منع کیا کرتے تھے کہ کم آیا کرو کم رابطہ کیا کرو ان حالات میں اصحاب ائمہ مستقل امام سے رابطہ نہیں کر پاتے تھے اور اپنے اجتہاد پر خود عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی مسائل سے آگاہ کرتے تھے ائمہؑ کی زندگی ایسے حالات سے گذری ہے کہ خود تو خود اپنے دوستوں پر ہوئے مظالم سے بھی غمزدہ رہتے تھے۔ حجاج ابن یوسف کا زمانہ سیاہ ترین دور ہے جہاں شیعہ ہونا سب سے بڑا جرم تھا اور ایسا جرم کہ جس کی سزا موت ہوتی تھی حجاج کے زندان میں ایک لاکھ بیس ہزار شیعہ مرد و عورت مقید تھے ان میں سے اکثر ایسے زندان تھے جہاں چھت نہ تھی مرد و عورت کو ایک زندان میں رکھا جاتا تھا۔[3]

---

[1] سفینۃ البحار، ج۲، ص ۲۰۔
[2] کشف القناع تستری، ص ۶۸، کشف الغمه، ج۳، ص ۲۲، اعلام الوریٰ طبری، ص ۲۸۶، الارشاد، ج۲، ص ۲۳۱، بحارالانوار، ج۴۹، ص ۲۶۱۔
[3] سفینۃ البحار، ج۱، ص۲۲۲۔

منصور کا زمانہ بھی کسی سے کم نہ تھا اس نے سیکڑوں شیعوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا تھا۔ ابن ابی عمیر کو جب پکڑ کر لایا گیا تو ان کو روز اس لئے سزادی جاتی تھی کہ امامؑ سے رابطہ کرنے والوں کا نام بتائیں مگر انھوں نے تازیانوں کے زخم برداشت کر لئے اور اصحاب خاص کے نام نہیں بتائے ان حالات میں ائمہ طاہرینؑ نے اصحاب خاص کو کلیات سے تقریباً آگاہ کر دیا تھا تا کہ وہ ان کلیات سے فرعی مسائل کا اجتہاد کریں اور لوگوں کو درست مسائل شرعی بتائیں۔[1]

۴۔ تقیہ: اس سلسلے میں ہم مفصل بحث آئندہ کریں گے یہاں پر مختصراً ائمہ طاہرینؑ کا کردار بیان کرنا ہے کہ آپ نے باب تقیہ کھول کر نہ یہ کہ صرف شیعوں کی جان بچائی بلکہ مسائل شریعت و دین کو بھی صحیح طور پر لوگوں تک پہنچایا ہے۔ ائمہ طاہرینؑ جن حالات سے گذرے ہیں اگر تقیہ کا باب نہ کھولتے تو حکام ستمگر اکثر شیعوں کو قتل کر دیتے اور اساس مذہب کو نقصان پہنچاتے اسی لئے ہماری کتابوں میں اس قسم کی بہت سی روایات موجود ہیں جو امامؑ نے تقیہ کی صورت میں بیان کیں ہیں اب یہ مشخص کرنا کہ کون سی روایت کس حالات میں بیان کی گئی ہے یہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے مگر وہ لوگ جو اس علم کے ماہر ہیں اور یہ بات بھی واضح کر دوں کہ امامؑ نے اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں کیا بلکہ مذہب دین اور اصحاب کو بچانے کے لئے تقیہ کا راستہ اختیار کیا۔ زرارہ ابن اعین کہتے ہیں کہ میں امامؑ کے پاس اس وقت جاتا تھا جب آپ کے پاس کوئی نہیں رہتا تھا اس لئے کہ لوگوں کی موجودگی میں امام تقیہ کی صورت میں جواب دیا کرتے تھے۔[2]

---

[1] سفینة البحار، ج۲، ص ۲۵۴، ۲۵۵، الاختصاص شیخ مفید، ص ۸۶، معجم رجال الحدیث الخوئی، ج۱۴، ص ۲۸۲، جامع الرواة اردبیلی، ج ۲،ص ۵۱

[2] کشف القناع، ص۶۱، ص ۷۲، بحارالانوار،ج۲، ص ۲۲۰

فتاوای اصحاب ائمہ در عصر ائمہ طاہرین (ع)

فتوائے جناب ابوذر

اصحاب رسولؐ خدا میں جناب ابوذرؓ مفتی کی حیثیت سے مشہور تھے۔ لہٰذا عثمان کی غلط روش کے خلاف آپ ہمیشہ برہنہ تلوار کی مانند رہے اسی لئے عثمان نے آپ کو فتویٰ دینے سے روک دیا۔[1]

اسی طرح معاویہ کے خلاف جناب ابوذر کی اجتہادی کاوشیں اس کے لئے دردسر بنی رہی جہاں کہیں بھی آپ نے دیکھا کہ معاویہ یا اس کے کارندے خلاف شریعت کام کررہے ہیں یا روایات واحادیث سے غلط اجتہاد کر کے سوئے استفادہ کررہے ہیں آپ نے فوراً ٹوک دیا اور صحیح اجتہاد کے ذریعہ فتویٰ صادر فرمایا۔ لہٰذا آیت کفر کے سلسلے میں معاویہ کا نظریہ تھا کہ یہ آیت صرف اہل کتاب کے لئے نازل ہوئی ہے جب کہ جناب ابوذر نے اپنے اجتہاد سے فرمایا کہ یہ آیت مسلمان اور اہل کتاب دونوں کے لئے نازل ہوئی ہے جب کہ حضرت علیؑ اور حضرات حسنینؑ موجود تھے۔ تاریخی روائی یا کئی دوسری کتاب میں کہیں پر آج تک نہیں دیکھا گیا کہ مذکورہ معصومینؑ نے جناب ابوذر سے کہا ہو کہ تم اجتہاد کا کیوں سہارا لے رہے ہو؟ تم سیدھے سیدھے حدیث کیوں بیان نہیں کرتے؟ اور لفظ اجتہاد کا آنا بتاتا ہے کہ اس مقام پر دونوں نے اپنے اپنے نظریہ قائم کئے تھے۔ آیت قرآن کو سمجھنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے یہ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو درِ معصومینؑ سے وابستہ ہوں اور آیات کی تفسیر ائمہ طاہرین سے سنی ہو اور جب کوئی مکتب اہلبیت سے وابستہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ باوفا بھی ہو تو اب اس سے خیانت کا تصور ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا شاگردان واصحاب باوفائے ائمہ طاہرینؑ اگر قرآن وروایات کو سامنے رکھ کر فتویٰ دیتے ہیں تو اب یہ ان کا قول قول معصومؑ ہوتا ہے جیسا کہ بعض اصحاب ائمہؑ کو خود ائمہ طاہرینؑ نے کہا ہے کہ ان کا

[1] منتہی الآمال، ص ۸۶۔

قول میرا قول ہے گویا ان کی طرف رجوع کریں۔

فتاواي محمد بن سائب کلبی

آپ امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے صحابی خاص تھے۔آپ کو فقیہُ القرآن کہا جاتا تھا اپ نے قرآن کی آیت "ماجعل علیکم فی الدین من حرج "[1] کے بارے میں فرمایا کہ اس آیت کے بارے میں میرا اجتہاد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت بہت سے جائز امور ناجائز اور بہت سے ناجائز امور جائز ہو سکتے ہیں۔[2]

اور آپ کا اجتہاد دونوں اماموں کے زمانہ کا ہے امام باقرؑ کے بعد امام صادقؑ کا زمانہ بھی آپ نے دیکھا ہے اور دونوں امامؑ نے اس اجتہاد پر آپ کو روکا نہیں بلکہ بعض مقام پر آپ کی تائید بھی فرمائی ہے لہٰذا ہمارے لئے ان کا قول حجت ہے۔

جناب باقر صاحب آپ کے نظریہ کے مطابق دین غدیر کے دن کامل ہو گیا اب اس میں حذف و اضافہ کی گنجائش نہیں ہے شریعت محمدی شریعت کامل ہے اور انسان کی تمام تر ضرورت کو خدا نے جانتے ہوئے اس آخری شریعت میں سب کچھ بتا دیا ہے۔

افسوس کہ میں آپ کو اتنا جاہل نہیں سمجھتا تھا جتنا آپ کی کتاب پڑھنے کے بعد احساس ہوا ہے یقیناً شریعت محمدی شریعت آخر ہے اور دین غدیر کے دن کامل ہو گیا ہے آپ نے اگر کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو آپ یہ بات نہ لکھتے کہ دین غدیر کے دن مسائل شریعت کے ذریعہ کامل نہیں ہوا ہے غدیر کے دن تو ولایت علیؑ سے دین کامل ہوا ہے یعنی اگر رسولؐ نہیں ہیں جو صاحب دین و شریعت ہیں تو اب رسولؐ کے بعد علیؑ رسول کی جگہ پر ہیں اور جو دین رسولؐ کا دین تھا وہی دین علیؑ کا دین ہے۔اب اگر کوئی علیؑ سے انحراف کرے گا تو گویا اس نے دین سے خدا سے شریعت سے محمد مصطفیٰؐ سے انحراف کیا ہے ویسے بھی آپ

---

[1] سورۂ حج، آیت ۶۸۔

[2] مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج۴، ص ۹۷۔

غدیر کو ایک انحرافی اور اختلافی مسئلہ جانتے ہیں جس کا تذکرہ آئندہ ہوگا۔

جہاں تک شریعت میں جدید مسائل اور رد و بدل کا مسئلہ ہے وہ انسان کی ضرورت پر منحصر ہے اگر ضرورت پیش آئے تو مسئلہ بدل جائے گا اور ضرورت پیش نہ آئی تو کسی کو خبط نہیں ہے کہ مسائل بدل دے۔ آج آپ کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو مسئلہ آج بدلا جائے گا نہ زمانہ رسولؐ میں۔ مثلاً امام کاظمؑ نے اپنے صحابی علی ابن یقطین کو اہلسنت کے طریقہ سے وضو کرنے کا حکم دیا اس لئے کہ وہ اس وقت کی نئ اور جدید ضرورت تھی پھر کچھ دنوں کے بعد جب ضرورت تمام ہوگئی تو آپ نے حکم دیا کہ اب ہمارے طریقہ پر وضو کرو۔ جناب باقر شار زیدی صاحب جب ائمہ طاہرینؑ کے زمانہ میں ضرورت بدلا کرتی تھی تو آج کے زمانہ میں اگر ضرورت بدل رہی ہے تو اس کا حل کون نکالے گا؟ ایک عام آدمی یا وہ جو قرآن و روایات واحادیث کا استاد ہے جس نے اپنی عمر کا ایک عظیم حصہ قرآن فہمی روایات شناسی میں گذارا ہے۔ جناب باقر شار صاحب اگر تاریخ کا نیز اسلامیات اور دینیات کا مطالعہ فرمایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر زمانہ کی الگ الگ ضرورتیں ہوتی ہیں اور ان ضروریات کا الگ الگ تدارک۔ امام صادقؑ کچھ بہتر اور اچھا لباس پہنے ہوئے تھے کہ کسی صحابی نے کہہ دیا یا بن رسول اللہ یہ لباس رسولؐ تو نہیں ہے تو آپ نے فرمایا اگر اس زمانہ میں رسولؐ ہوتے تو اسی قسم کا لباس پہنتے اس لئے کہ آج یہ لباس ہماری ضرورت ہے۔

فتوای حمدان قلانسی و معاویہ بن حکیم

حمدان قلانسی کہتے ہیں کہ مجھ سے عمر بن شہاب عبدی نے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا اور زوجہ طلاق کے بعد شوہر کے گھر سے چلی گئی یا مرد نے اس کو گھر سے نکال دیا اور اپنی عدت کی مدت اس نے کسی دوسرے گھر میں گذاری کیا اس کی یہ عدت درست ہے اور وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کرسکتی ہے یا پہلے والے شوہر کے گھر واپس جائے اور دوبارہ عدت کی مدت گذارے حمدان کہتے ہیں مجھے اس سلسلہ میں مسئلہ نہیں معلوم۔ پھر یہ لوگ معاویہ بن حکم کے پاس آئے اور مذکورہ سوال کو دہرایا اور کہا اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ معاویہ بن حکم نے کہا کہ عدت اور

طلاق دو الگ الگ امر ہیں طلاق مرد کا فعل ہے چونکہ وہ طلاق دے رہا ہے لیکن عدت کچھ ایام کے نام ہیں اور عورت ان ایام میں حیض دیکھتی ہے اور یہ فعل خدا کا فعل ہے۔ ایام خدا کے ہیں اور حیض کا آنا بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور فعل خدا کو فعل شخص پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اگر عورت نے معصیت کیا اور گھر سے چلی گئی یا اس کو نکال دیا گیا تو عدت کے ایام بہرحال حساب کئے جائیں گے اگر عدت فعل مرد یا علت ہوتا تو عدت نامکمل ہوتی اور اسے دوبارہ انجام دینا ہوتا مگر یہاں عدت نہ فعل مرد ہے نہ فعل عورت لہٰذا طلاق بھی درست ہے اور عدت بھی درست ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں دو چیز قابل غور ہے: اولاً سائل نے مسئول سے یہ نہیں کہا کہ اس بحث میں روایت کیا کہتی ہے بلکہ پوچھا ہے آپ کی نظر کیا ہے؟ ثانیاً جواب دینے والے نے جواب میں اپنا نظریہ بیان کیا اگرچہ دونوں سائل یہ جانتے تھے کہ ہم نے اس کی نظر نہیں پوچھی بلکہ کتاب خدا اور سنت کیا کہتی ہے پوچھا ہے اور اسی کا نام فتویٰ ہے کہ جو کتاب خدا اور سنت کے آئینہ میں بیان کیا جاتا ہے۔[1]

فتوای علی ابن مهزیار

علی ابن مہزیار نے امام جوادؑ کے پاس خط لکھا کہ آپ کے اور آپ کے والد علام کے اصحاب میں اس بات پر اختلاف ہے کہ مکہ مدینہ میں نماز قصر ہوگی یا تمام؟ بعض کہتے ہیں کہ قصر ہوگی اگر دس دن کا قصد نہیں کیا ہے، اور بعض کہتے ہیں تمام ہوگی دس دن کا قصد ہو یا نہ ہو اگرچہ میری نظریہ ہے کہ نماز تمام ہوگی اور میں نے نماز تمام پڑھی بھی ہے۔ امامؑ نے جواب دیا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ حرمین شریفین میں نماز تمام پڑھی جائے۔

علی ابن مہزیار کے اس فتوے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ زمانہ ائمہؑ میں اصحاب کے درمیان نظریاتی اختلاف تھا۔ اب آپ کہئے کہ یہ اصحاب بھی شک و

[1] کافی، ج۶، ص ۹۳، ۹۲۔

تردید میں مبتلاء تھے اور جاہل تھے۔

۲۔ ائمہ طاہرینؑ کی زندگی میں ہی روایات میں تدلیس کا کام شروع ہو چکا تھا۔

۳۔ ائمہ طاہرینؑ کی روایات میں مصلحتاً[1] تقیۃً یا دشمنوں کی رخنہ اندازیوں کی بناء پر تعارض پایا جاتا تھا۔

۴۔ امامؑ نے جو جواب دیا ہے وہ مقام حکم میں نہیں ہے بلکہ آپ نے فرمایا "انی احب" میں دوست رکھتا ہوں یہ مقام حکم نہیں ہے لہٰذا اصحاب کے درمیان مفہوم روایت کو سمجھنے میں الگ الگ نظر کا ہونا عین ممکن ہے۔ جناب باقر صاحب جب ائمہ طاہرینؑ کے زمانہ میں روایت فہمی آسان نہ تھی اور کلام امام کو ہر شخص آسانی سے نہیں سمجھ پاتا تھا تو آج چودہ سو سال کے بعد آپ تمام امت شیعہ کو روایات کے ذریعہ احکام پر عمل کی ترغیب دے رہے ہیں آیا ہر انسان جو اس علم کا ماہر نہیں ہے اس پر عمل کر سکتا ہے؟ اس کے علاوہ فقہاء کے درمیان اگر آج اختلاف ہے تو اس میں اعتراض کی کیا گنجائش ہے جب کہ اصحاب ائمہؑ کے درمیان نظریاتی اختلاف پایا جاتا تھا۔[2]

فتاوای زرارہ

حسین بن محمد بن سماعۃ کہتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب دیکھی جس میں زرارہ کہتے ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں وہی مسائل ذکر کئے ہیں جن میں اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ زرارہ کے اس قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے زمانہ میں اجتہادی اختلاف پایا جاتا تھا اور ائمہ طاہرینؑ سے منسوب روایات میں بھی تعارض پایا جاتا تھا (تعارض کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ عام حالات میں اقوال معصومینؑ میں تعارض ہو بعض وقت تدلیس سے کام لیا جاتا تھا اور دشمن یا دوست نما

---

[1] مصلحت اس طرح کہ اگر سائل نے کسی ایسے موقعہ پر سوال کیا کہ دشمن یا حکومت کے کارندے موجود تھے یا پھر دوست و محب کے جان کو خطرہ تھا اگر مذہب اہلبیت پر عمل کرے تو لھذا امام مصلحت دیکھتے ہوئے ان حالات میں حکم صادر فرماتے تھے۔

[2] کشف القناع تستری، ص ۸۲۔

دشمن مثلاً غلاۃ یا اسماعیلی اور دوسرے فرقہ سے تعلق رکھنے والے افراد تدلیس کرتے تھے یا پھر تقیۃً امامؑ کا قول بیان کرتے تھے اور اس بزم میں اصحاب خاص و عام دونوں رہتے تھے اور شاید امامؑ مصلحتاً اس طرح بیان کرتے ہوں (کہ بنی امیہ اور بنی عباس کا زمانہ تھا اور شیعوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے لہذا امامؑ نے اس طرح روایت بیان کی کہ) عموم شیعہ پہچانے نہ جاسکیں۔[1]

ایک دوسرے مقام پر بہن بھائی کی میراث بیٹے کی موجودگی میں جناب زرارہ بیان کرتے ہیں اور اپنی نظر دینے سے پہلے عامہ کے فقہاء کی نظر کو رد کرتے ہیں عمر بن اذینہ کہتے ہیں کہ میں نے زرارہ سے پوچھا یہ آپ کی رائے ہے یا قرآن وسنت کے ذریعہ آپ نے فتویٰ دیا ہے؟ تو آپ فرماتے ہیں ذاتی رائے اور قیاس ہمارے مذہب میں باطل ہے ہم جو بھی کہتے ہیں وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کہتے ہیں جناب باقر صاحب اسی کا نام اجتہاد ہے۔[2]

فتوای فضل بن شاذان

آپ صحابی امام رضاؑ اور امام جوادؑ نیز فقیہ و مجتہد تھے۔ ائمہ طاہرینؑ کی طرف سے آپ کی کافی تمجید کی گئی ہے۔ آپ کی ایک کتاب جس میں آپ کے فتوے نقل کئے ہیں جناب کلینی نے آپ کے کافی فتاویٰ اصول کافی میں ذکر کئے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے روایت بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں مثلاً قال الصادقؑ اس کے بعد فضل ابن شاذان کا فتویٰ نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں قال الفضل جناب کلینی کا اس طرح لکھنا اس بات پر بین دلیل ہے کہ فضل کے بیان کو وہ روایت کی حیثیت سے نہیں ان کے فتوے کی حیثیت سے لکھتے ہیں اگر روایت ہوتی تو فضل کو راویوں کے زمرے میں ذکر کرتے اور قال الفضل نہ کہتے۔ اور اس مقام پر ایک ضروری توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بیان سے کوئی مغالطہ پیدا نہ کرے کہ جناب کلینی نے فضل کو ائمہؑ کے برابر لا کھڑا کیا ہے نہیں بلکہ فضل کا فتویٰ بیان کرکے بتا رہے ہیں کہ

---

[1] کلینی کافی، ج۷، ص ۹۷۔

[2] اصول کافی، ج۷،ص ۱۰۱۔ ۱۰۰۔

ائمہ طاہرینؑ کے زمانہ میں اصحاب فتویٰ دیا کرتے تھے نیز یہ کہ یہ تمام فتاویٰ ائمہ طاہرینؑ کے اقوال سے استنباط کر کے دیئے جاتے تھے۔ اپنی طرف سے نہیں اور اگر یہ اجتہاد و استنباط غلط ہوتا (بزعم باقر شار صاحب) تو یقیناً ائمہ طاہرینؑ روک لگاتے مگر بجائے روک لگانے کے ائمہؑ نے تائید و تمجید کی ہے۔ جناب کلینی نے متعدد مقامات پر فضل کے فتوے نقل کئے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔[1]

فتوای یونس بن عبدالرحمٰن

آپ امام کاظمؑ اور امام رضاؑ کے مورد اعتماد صحابی تھے۔ آپ نے ایک کتاب لکھی "یوم ولیلۃ" کے عنوان سے جس میں فقہی مسائل درج ہیں وہ کتاب امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے اسے دیکھا اور تائید فرمائی۔ جناب ثقۃ الاسلام کلینی نے مکمل دو باب اپنی کتاب میں آپ کے فتاویٰ و نظریات کے لئے مختص کئے ہیں اور جناب کلینی نے پہلے باب میں میراث ذوی الاحترام کے ذیل میں نو عدد روایات نقل کرنے کے بعد فضل بن شاذان کے فتوؤں کو نقل کرتے ہیں اور فضل بن شاذان نے اس بحث میں یونس کے نظریات کو درج کیا پھر ان کو رد کیا۔ دوسرے باب مین جناب کلینیؒ نے یونس بن عبدالرحمٰن کے اجتہاد پر بحث کی اور ان استدلالی بیان کو نقل کیا ہے جو کہ اس عنوان سے ہے: "العلة فی ان السهام لاتکون اکثر من ستة"

جناب کلینی کے طرز تحریر میں چند نکتے قابل غور ہیں: اولاً جناب کلینی خود اجتہاد و تقلید کے موافق تھے درست ہے کہ آپ نے روائی کتاب لکھی ہے مگر خود آپ حامی اجتہاد تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ صرف روایات نقل کرتے اصحاب کے فتاویٰ ساتھ ساتھ نقل نہ کرتے۔

ثانیاً اصحاب ائمہؑ (جو کہ مورد اعتماد بھی تھے) کے درمیان نظریاتی اور اجتہادی اختلاف پایا جاتا تھا اور

---

[1] اصول کافی ج۶، ص ۹۶۔ ۹۲، ج۷، ص ۹۰، ۸۸، ص ۹۵،۹۰، ص۹۹، ۹۸، ص ۱۱۸، ۱۱۶، ۱۰۵،ص ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۲، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۲، ۱۲۰۔

ائمہ طاہرینؑ نے اس قسم کے اختلاف سے منع بھی نہیں فرمایا بلکہ تمجید کی ہے۔

ثالثاً ائمہؑ کے زمانہ میں بھی باب اجتہاد کھلا ہوا تھا۔ جناب باقر صاحب اب آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں دونوں صحابی مورد اعتماد ہیں۔ دونوں صحابی میں آپ کس کو رد کریں گے اور کس کو قبول کریں گے؟ اور سب سے بڑی بات آپ تو جناب کلینی کی کافی تمجید کرتے ہیں اور ہونا بھی چاہئے درست کرتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ حامی اجتہاد و تقلید نکلے اب آپ جس طرح بزرگ اور اجلا بزرگان و مراجع کرام کو رد کر چکے ہیں اور غلیظ قسم کی زبان ان بزرگان کے سلسلے میں استعمال کر چکے ہیں کیا جناب کلینی کو بھی اسی زمرے میں رکھیں گے اگر ہاں تو پھر آپ روایات کو کہاں لے جائیں گے اگر نہیں تو پھر اجتہاد و تقلید کو قبول فرمالیجئے۔

ایک اور دھماکہ

لیجئے جناب باقر شار صاحب آپکی کھڑی کی ہوئی اخباریت کی خودساختہ عمارت کا دوسرا استون بھی زمیں بوس ہوگیا ۔ صاحب من لایحضرہ الفقیہ جناب شیخ صدوق فرماتے ہیں "ولم اقصد فيه قصد المصنفين فی ایراد جمیع ما رووه بل قصدت ای ایراد ما افتی به احکم تصحته واعتقاد فيه انه حجة فيما بينى و بين ربى تقدس ذكره و تعالت قدرته وجميع ما فيه مستخرجين كتب مشهور عليها"

میں نے اپنی اس کتاب میں دیگر مصنفین کتب روائی کی طرح ایک مسئلہ میں صرف روایات مین جمع نہیں کی بلکہ صرف وہ روایات نقل کی ہے کہ جس کے ذریعہ میں نے فتویٰ دیا ہے یا دیتا ہوں اور ان روایت کے صحیح ہونے کی تائید بھی کرتا ہوں اور وہ میرے اور میرے خدا کے درمیان حجت ہے اور ہر روایت جو میں نے نقل کی ہے وہ تب مشہور ہوئی ہے جب میں نے نقل کی ہے۔

جناب باقر صاحب شروع ہوجایئے اپنی زبان ناپاک سے جناب صدوق کے سلسلے میں جو وہی کچھ کہنا آپ نے جناب بحرالعلوم سید مرتضٰی وغیرہ کے لئے استعمال کی ہے اب بتایئے آپ کی خود ساختہ عمارت دھیرے دھیرے گرتی جارہی ہے اب آپ کن کن کتابوں پر سہارا کریں گے اور بیچاری سادہ لوح عوام کو مغالطہ میں ڈال کر ان کا دین خراب کریں گے۔

باب ۷

استنباط احکام اور تقیہ

تقیہ شریعت مقدس اسلام کی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی انسان عاقل انکار نہیں کر سکتا، ہاں تعصب مذہبی نے اس مسئلہ کو اختلافی ضرور بنادیا ہے البتہ تاریخ شیعت میں ہمیشہ یہ مسئلہ حائز اہمیت رہا ہے اور شیعہ علماء اور بزرگوں نے اس مسئلہ میں کافی کتابیں تألیف کی ہیں جن لوگوں نے تقیہ کا انکار کیا ہے، اگر ان کی زندگی پر غور کیا جائے تو قدم قدم پر وہ لوگ بھی تقیہ کرتے رہے ہیں۔

اس کتاب میں اس بحث کو قلمند کرنے کی بھی چند وجہ ہے، اولاً جناب باقر صاحب کی مختلف کتابوں کے مطالعہ سے احساس ہوتا ہے کہ وہ بھی اس اصل کے مخالف ہیں؛ ثانیاً اخباریت جن کا محور روایات وحدیث ہے وہ تقیہ والی روایات کو کس طرح حل کریں گے؛ ثالثاً ائمہ طاہرین سے بہت سی روایات تقیہ کی صورت میں صادر ہوئی ہیں بالخصوص وہ روایات جن کا تعلق فقہی ابواب سے ہیں؛ رابعاً جناب باقر صاحب نے مراجع کرام پر ان مسائل کے ذیل میں سخت تنقید کی ہے جن کا تعلق تقیہ سے ہے مثلاً اہلسنت کے امامت میں نماز وغیرہ۔

ہم اس مسئلہ کو بہت مختصر اس جگہ تحریر کر رہے ہیں تا کہ عام فہم افراد اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور جناب باقر صاحب کے مغالطہ کو سمجھ سکیں۔

معني تقيه

تقیہ لغت میں بچنا، پرہیز کرنا، اپنے حقیقی مسلک و مذہب کو چھپانا۔[1] تقیہ کے اصطلاحی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے: حق کو چھپانا، اپنے عقیدے کو دشمنوں سے پنہان کرنا اس شرط کے ساتھ کہ اگر اظہار حق یا عقیدہ

---

[1] لسان العرب، ابن منظور، ج۱۵؛ ص۳۷۷؛ مفردات راغب، ص۵۸۶۔

ہوگا تو دینی یا دنیاوی نقصان کا امکان ہے۔ نیز اہل باطل کے ساتھ نیکی کرنا اور زندگی گذارنا۔[1]

تقیہ کی مختصر تعریف کے بعد ہم یہاں اس باب کو لانا چاہ رہے ہیں جس میں باقر صاحب نے مراجع کرام کو مورد لعن وطعن قرار دیا ہے مثلاً اہلسنت کے ساتھ معاشرت ان کی امامت میں نماز کا پڑھنا وغیرہ، جناب باقر صاحب ملاحظہ فرمایئے فتاوے مراجع کرام عین حکم امام (ع) معصوم ہے۔ اس لئے کہ ائمہ طاہرین نے ہی حکم دیا ہے کہ ایسے حالات میں ایک مؤمن کا کیا وظیفہ ہے۔

تقیہ فقھی

وہ تقیہ جو فقھی ابواب میں کیا گیا ہے، امام باقر (ع) اپنے ایک صحابی زیاد بن ابی عبیدۃ سے فرماتے ہیں اے زیاد تمہارا نظریہ ہمارے ان فتاوی کے بارے میں کیا ہے جس میں ہم نے تقیۃً فتوی دیا ہے، زیاد کہتے ہیں مولا قربان جاؤں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، تو امام (ع) فرماتے ہیں اے زیاد اگر لوگ اس پر عمل کریں تو ان کو اس عمل کی جزاء دی جائے گی اور اگر کوئی اس حکم کی مخالفت کریگا تو خدا کی قسم اس نے گناہ کیا ہے۔[2]

چاند کا مسئلہ

جناب باقر صاحب کو چاند کے سلسلے میں بھی مراجع کرام سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام (ع) کا قول ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ ختم کرو۔ مگر مراجع کرام تفصیل کے قائل ہیں (جس کا ذکر گذر چکا ہے) ملاحظہ ہو باقر صاحب امام (ع) کی روایت:

امام صادق (ع) فرماتے ہیں: عید فطر و عید قربان اور رمضان کی پہلی تاریخ وہی ہے کہ لوگ جسے عملاً معین کرتے ہیں۔[3] اس ذیل میں اور بھی روایات ہیں جسے ہم اختصار کی بناء پر نہیں لکھ رہے ہیں۔

---

[1] مجمع البیان، ج۲، ص۷۲۹؛ القواعد و الفرائد، ج۲، ص۱۵۵، قاعدہ ۲۰۸؛ بحارالانوار، ج۷۵، ص۴۷۱؛ رسائل فقیھہ، ج۲۳، ص۷۱۔

[2] وسائل الشیعۃ، ج۱۸، ص۷۶، ح۲۔

[3] وسائل الشیعۃ، ج۷، ص۹۵، ح۷۔

حکم نماز جماعت

ایک مقام پر امام (ع) فرماتے ہیں جو بھی اہل سنت کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھے گویا اس نے رسول خدا (ص) کی امامت میں نماز پڑھی ہے۔[1]

حسن معاشرت

ایک مقام پر بڑی تفصیل سے آپ اپنے صحابی زید کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں اے زید اہل سنت کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤان کی مسجدوں میں نماز پڑھوان کے بیماروں کی عیادت کو جاؤان کے یہاں کوئی مر جائے تو تشییع جنازہ میں شرکت کرو اگر امام جماعت یا موذن ہونے کا موقعہ ملے تو ضرور امام یا موذن کے فرائض انجام دو اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ کہے گیں یہ جعفری مذہب کا ہے خدا جعفر پر رحمت کرئے کہ اتنے اچھے اصحاب انھوں نے تربیت کئے ہیں اور اگر ایسا نہیں کروگے تو لوگ کہیں گیں یہ جعفری ہے خدا جعفر کو خود جزا دے کہ ان کے اصحاب کتنے برے ہیں۔[2]

قالین پر سجدہ

ابو بصیر امام سے سوال کرتے ہیں کہ کیا قالین پر سجدہ ہو سکتا ہے، تو آپ نے فرمایا: اگر تقیہ کی بناء پر ہے تو کوئی مشکل نہیں ہو سکتا ہے۔[3]

اهلسنت کي اقتداء

راوی نے امام صادق (ع) سے سوال کیا کہ مولا ہم جہاں رہتے ہیں وہ پورا محلّہ ناصبیوں کا ہے جو آپ سے اورآپ کے شیعوں سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں کیا ہم ان کی امامت میں نماز پڑھ سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا ان کی اقتداء میں نماز پڑھو اور ان کی قرائت کو اپنی نماز کے لئے کافی سمجھو۔[4]

---

[1] وسائل الشیعة، ج٥، ص٣٨١، ح١-٣۔

[2] وسائل الشیعة، ج٥، ص٤٧٧ ح١۔

[3] وسائل الشیعة، ج٣، ص٥٩٦، ح٣۔

[4] وسائل الشیعة، ج٥، ص٣٨٩، ح٤۔

علي ابن يقطين كاوضو

امام (ع) علی بن یقطین کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ آج سے اہل سنت کی طرح وضو کرنا ایک مدت کے بعد حکم ہوتا ہے اب شیعوں کی طرح وضو شروع کردو۔[1]

دوطواف ایک ساتھ

امام رضا (ع) فرماتے ہیں میرے بابا جان محمد بن ابراہیم (مدینہ کا گورنر) کے ساتھ طواف کے لئے آئے تھے اور ایک ساتھ دو طواف انجام دیتے تھے[2] جب کہ بعد میں آپ نے خود فرمایا کہ دو طواف کے درمیان فاصلہ ضروری ہے طواف دو رکعت نماز طواف پھر دوسرا طواف؛ اور میرا یہ فعل صرف تقیہ کی بناء پر ہے۔[3]

اس قسم کی بہت سی روایت اور خود ائمہ طاہرین کے فعل ہماری کتابوں میں موجود ہیں خود ائمہ طاہرین سائل کے مذہب کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے تاکہ خطرات سے محفوظ رہ سکیں ایسی حالت میں برادران اخباری جوکہ نہ علم حدیث کے قائل ہیں نہ علم اصول کے نہ علم رجال کے وہ کس طرح ان احادیث پر عمل کرئے گیں یا کس طرح وہ ان احادیث کو مانے گیں، کیونکہ یہ روایات ہمارے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔

دواصولي قائدے

جناب باقر صاحب یا تمام اخباری حضرات کا نظریہ ہے کہ علم اصول فقہ کا ائمہ طاہرین سے کوئی ربط نہیں یہ علم بعد میں علماء نے اپنی بات منورنے کے لئے بنایا ہے ہم یہاں ان افراد کے خدمت میں بہت نہیں صرف دو قائدے اصولی جو ائمہ طاہرین سے منسوب ہے ذکر کر رہے ہیں۔ تعارض کے ذیل میں یہ حکم صادر ہوا ہے اور ہمارے مراجع کرام بھی اسی طرح فتوی دیتے ہیں۔

ا) امام صادق (ع) فرماتے ہیں جو کچھ ہم سے سنتے ہو اگر وہ اہلسنت کے موافق ہے تو جان لو کہ تقیہ کی بناء پر

---

[1] الارشاد، ج٢، بحارالانوار، ج٤٨، ص٣٨، ح١٤۔

[2] وسائل الشيعة، ج٩، ص٤٤٠، ح٦ و ٩۔

[3] وسائل الشيعة، ج٩، ص٤٤١، ح٣۔

ہم کہہ رہے ہیں۔[1]

۲) امام رضا (ع) سے متعارض حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا روایات عامہ (اہلسنت) کو دیکھو اگر ان سے موافق ہے تو سمجھو کہ ہم نے تقیہ کے طور پر یہ بات کہی ہے۔[2]

کلام امام

ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ معصوم کا کلام سمجھنا ہر کس و ناکس کی بات نہیں ہے۔ امام کے کلام کو سمجھنے کے لئے مدتوں علم حاصل کرنا پڑتا ہے، مختلف علوم کو حاصل کرنے کے بعد بھی کوئی یہ دعوی نہیں کرسکتا اور نہ کرتا ہے کہ ہم نے امام (ع) کے کلام کو کما حقہٗ سمجھ لیا ہے اسی لئے مراجع کرام فتوی دینے کے بعد واللہ اعلم لکھتے ہیں تاکہ اس بات کا شبہ بھی نہ ہو کہ ہم بالکل صحیح امام کے کلام کو سمجھے ہیں جیسا کہ خود امام فرمار رہے ہیں۔
داوٗد بن فرقد امام صادق (ع) سے نقل کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا: اگر ہمارے کلام کو سمجھ لو تو فقیہ ترین افراد میں سے ایک ہو اس لئے کہ ممکن ہے ہمارے بیان کردہ ایک جملے کے کئی معنی ہوں اور اگر متکلم معنا بیان کرنا چاہتا ہے تو بیان کرسکتا ہے جیسا کہ وہ خود سمجھا ہے، ہاں اس بات کا خیال رہے کہ ہماری طرف جھوٹ کو منسوب نکرئے۔[3]

ایک دوسری جگہ عبدالاعلی ابن اعین نقل کرتے ہیں کہ میں اور علی ابن حنظلہ امام صادق (ع) کے پاس گئے، علی نے امام (ع) سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا، امام (ع) نے ان کو جواب دیا، علی کہتے ہیں اگر ایسا ہو تو، امام (ع) نے دوسری طرح جواب دیا، اسی طرح وہ سوالات کرتے رہے اور امام جواب دیتے رہے، علی میرے طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا، امام (ع) نے فوراً کہا اے علی تم تو ایسا نہ کہو، تم نیک انسان ہو، سنو اے علی، بعض مسائل کے حکم محدود و مشخص ہیں اور ان میں ایک سے زیادہ حکم کی گنجائش نہیں ہے، جیسے نماز جمعہ کا وقت کہ وہ زوال کے وقت ہے اور اس کا صرف ایک وقت مشخص ہے، مگر بعض دوسرے

---

[1] وسائل الشيعة، ج١٨، ص٧٤، ح١ و ص٨٣، ح٢٤ و ص٨٥، ح٢٩۔
[2] وسائل الشيعة، ج١٨، ص٨٥، ح٣٤
[3] وسائل الشيعة ، ج١٨، ص٨٤۔

مسائل ایسے نہیں ہیں ان میں وسعت پائی جاتی ہے اور تمہارا سوال بھی اسی ضمن میں ہے جس میں وسعت ہے، خدا کی قسم اس مسئلہ میں میرے پاس ستر/۷۰ جوابات اور وجہیں ہیں۔[1]

علی ابن ابی ہمزہ کہتے ہیں میں اور ابو بصیر امام صادق (ع) کے پاس گئے، امام (ع) نے گفتگو شروع کی اور دوران گفتگو ایک ایسی بات کہی جس کے لئے میں نے دل میں کہا خدا کی قسم ابھی تک میں نے یہ حدیث نہیں سنی تھی، اس کو میں شیعوں کو جا کر سناؤنگا، امام (ع) نے میری طرف دیکھا اور کہا میں کبھی کبھی ایسی بات کرتا ہوں یا کہتا ہوں جس کے ستر معنی اور وجہیں ہوتیں ہیں، میں جس کا چاہتا ہوں اسی کا ارادہ کرتا ہوں۔[2]

مذکورہ تمام روایات سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ امام کے کلام کو سمجھنا آسان نہیں، یہ وہی افراد کر سکتے ہیں جو اس علم کے ماہر ہوں، ہر عام آدمی احادیث و روایات کا صحیح ترجمہ تو کر نہیں سکتا، سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے اور پہلی روایت تو مراجع کرام کے اختلاف فتوای پر بیّن دلیل ہے کہ جو جس طرح امام کے کلام کو سمجھا ہے اسنے اسی طرح فتوی دیا ہے۔

ہمارے مراجع کرام جب قرآن و حدیث سے کیسی بھی مسئلہ کے سلسلے میں استنباط کرتے ہیں تو یہ بات بھی ان کے پیش نظر رہتی ہے کہ روایت کن حالات میں امام سے صادر ہوئی ہے، مخاطب کون ہے؟ اور تقیہ کے طور پر تو امام نے یہ روایت بیان نہیں کی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہماری روایات کتب میں متعارض روایات بہت ہیں اور مراجع کرام نے متعارض روایات کو جمع کر کے درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش کی ہے تاکہ دونوں روایات پر عمل ہو سکے، اگر ایک صحیح ہے تو وہ چھوٹنے نہ پائے اور اگر دوسری صحیح ہے تو وہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اخباری حضرات بہر حال ایک روایت کو چھوڑے گیں دوسری پر عمل کرئے گیں، بغیر یقین کے ساتھ کہ جس پر عمل کر رہے ہیں وہی درست ہے۔ اب باقر صاحب جو یقین کا ڈھول پیٹ رہے ہیں بتائیں شک و تردید میں وہ ہیں یا مراجع کرام!۔

---

[1] بحارالانوار، ج۲، ص۱۹۷، ح ۵۰۔

[2] اني لا تكلم علي سبعين وجهاً لي في كلها المخرج؛ بحارالانوار، ج۲، ص۱۹۷، حديث ۵۶/۵۵/۵۴/۵۳/۵۲۔

کیاامام زمانہ سے ملاقات ممکن ہے؟

اس بحث کی ضرورت اس کتاب میں اس لئے ضروری ہے کہ باقر نثار صاحب اپنی کتاب کشف التضاد میں اس موضوع کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ غیبت میں امام سے ملاقات ممکن نہیں ہے اگرچہ بہت زیادہ اس سلسلے میں علمی بحث نہیں کی ہے بلکہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے عوام الناس کو گمراہ کرنے اور مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

امامت نعمت و لطف الٰہی ہے اور یہ منصب بھی نبوت کی طرح خدا نے اپنے پاس رکھا ہے کہ جس کو وہ چاہے گا عطا کرے گا نہ یہ کہ امت کسی کو امام بنالے اور یہ وہ نعمت ہے کہ جس نعمت پر ساری کائنات کی بنا ہے اگر ایک لمحے کے لئے بھی امام^(ع) یعنی حجت خدا سے دنیا خالی ہو جائے تو قیامت آجائے۔ ایک وقت وہ تھا کہ جب لوگ امام کے ساتھ زندگی گذارتے تھے، امام موجود تھے اور لوگ امام کی ذات سے استفادہ کرتے تھے اور امام اپنے منصبی فرائض کو انجام دیتے تھے مگر پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اب امام کا پردہ غیب میں رہ کر امت کی راہنمائی کا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے اور تا ظہور امام جاری رہے گا۔ آپ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بادلوں میں سورج یا چاند چھپ گیا ہو مگر جو اس کے فرائض ہیں وہ پورے ہو رہے ہوں اسی طرح امامؑ نے بھی اگر غیبت اختیار کرلی ہے تو بھی فرائض منصب امامت اسی طرح جاری وساری ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا زمانہ غیبت کبریٰ میں آپ سے ملاقات کا امکان ہے یا نہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے اور جو لوگ شہود کے قائل نہیں ہیں وہ امام کی اس توقیع مبارک کو دلیل بناتے ہیں جس میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا اس غیبت کبریٰ کے زمانہ میں اور اگر کوئی دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ اور جو لوگ شہود کے قائل ہیں وہ بھی دلیل

کے طور پر بہت سی روایت نقل کرتے ہیں جس کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا۔

جناب باقر نثار زیدی صاحب بھی اسی توقیع مباک کے قائل ہیں جس میں شہود کی نفی کی گئی ہے مگر جناب باقر صاحب کے ساتھ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ جس بات کو کہتے ہیں یا جس کے قائل ہیں خود اس کی نفی بھی کرتے ہیں۔ پھر کبھی اثبات کرنے لگے ہیں۔ جناب باقر صاحب کا نظریہ اخباری ہے یعنی اجتہاد و تقلید کے مخالف اور اخباریت کے سر سخت قائلین میں سے ایک آپ ہیں۔ اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں جناب باقر صاحب اگر ہر چیز صرف روایت سے حل ہو جاتی اور ہر کس و ناکس روایت کو سمجھ لیتا اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا تو پھر ان روایات کو آپ کس طرح جمع کریں گے بعض ائمہ طاہرینؑ سے روایت ہے کہ امام زمانہ کو غیبت میں دیکھ سکتے ہیں اور بعض روایت میں ہے کہ نہیں دیکھ سکتے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے یہ تو صرف ایک مسئلہ ہے ہم نے تاریخ روایت واحادیث کے باب میں ذکر کیا ہے کہ جس نشیب و فراز سے ہمارے ائمہ طاہرینؑ کی روایات گذری ہیں جہاں اموی و عباسی حکمرانوں نے خوب خوب خیانت کی ہے تو ان حالات میں کس روایت کو کس معیار پر صحیح و غلط کہہ سکتے ہیں اس کے لئے کوئی معیار تو ہونا چاہئے اور ہمارے علماء نے معیار بنائے ہں اور پورا ایک علم اسی کے لئے ایجاد کیا ہے مگر آپ اس علم کے قائل نہیں ہیں بلکہ آپ تو صرف روایات چاہے جیسی ہوں اس پر عمل کرنے کے قائل ہیں۔

قارئین کرام آپ مذکورہ دونوں گروہ کے دلائل کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ دونوں قسم کی روایت ائمہ طاہرینؑ سے مروی ہیں اب ہم کس روایات کو رد کریں اور کس روایت کو قبول کریں لہٰذا ضروری ہے کہ فکر کریں سوچیں کہ صرف اخباری گری ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارے لئے نجات کا سبب بن سکتی ہیں؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس مسئلہ میں باقر نثار صاحب کے مسلک کو چھوڑ دیں مگر دونوں باتوں کو دونوں گروہ کے نظریات و دلائل کو تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں اور پھر فیصلہ کریں راہ حقیقت کدھر ہے۔

جناب باقر صاحب نے کشف التضاد کے صفحہ ۴۳ کے آخری پیرا گراف میں فرمایا یہاں دو صورتیں

ہیں ایک تو خود ہماری استعداد اور طاقت پر منحصر ہے یعنی ہم کسی شے کا مشاہدہ کرنے سے قاصر ہوں لیکن ضروری نہیں ہے کہ دوسرے بھی اس سے قاصر ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شے بذاتہ ناقابل مشاہدہ ہو اور انسان کی استعداد و قوت اگر ہزار گنا بھی بڑھ جائے تب بھی اس کا مشاہدہ اس کے لئے ناممکن ہے۔ غیبت در اصل اسی شے کا نام ہے۔ صفحہ ۴۴ پر آپ فرماتے ہیں کہ غیب ضد شہود ہے لہٰذا غیب جہاں ہوگا شہود کا تصور بھی ممکن نہ ہوگا کیونکہ اجتماع ضدین محال ہے۔

آپ نے غور فرمایا اگر اجتماع ضدین محال ہے تو از ابتدا تا قیامت اجتماع ضدین محال ہے کبھی ممکن نہیں ہے کہ اجتماع ضدین ہو جائے جس طرح رات اور دن ایک نہیں ہو سکتے، سیاہ و سفید ایک نہیں ہو سکتے، نور و ظلمت ایک نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اب جناب باقر صاحب کے نظریہ کے مطابق غیب وہ ہے جہاں شہود ناممکن ہو تو پھر جب امامؑ کا ظہور ہوگا تو یہ غیب و ظہور جو کہ اجتماع ضدین ہیں کیسے مل سکتے ہیں اس لئے کہ اجتماع ضدین محال ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جو نظریہ جناب باقر صاحب کا ہے وہ درست نہیں ہے۔

جناب باقر صاحب نے اپنی کتاب کشف التضاد کے صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے کہ امام زمانہؑ سے غیبت کبریٰ میں ملاقات کا امکان نہیں ہے اور کچھ روایات نقل کی جس سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کو ہم تفصیل سے اس ذیل میں بحث کریں گے کہ آیا ملاقات ممکن ہے یا نہیں۔

امکان ملاقات

ہم یہاں ملاقات کی چند اقسام بیان کر رہے ہیں کہ ملاقات کس کس طرح ممکن ہے؟

۱۔ روحی ملاقات (مکاشفہ): یہ رابطہ بہترین رابطہ ہے امام سے اور ممکن ہے کہ دائمی ہو یعنی ایسا شخص خود کو ہمیشہ امام کے سامنے محسوس کرتا ہو۔

۲۔ خواب میں ملاقات: یعنی کوئی خوب میں مولا کی زیارت کرے۔

۳۔ بیداری میں ملاقات: جسم ظاہری سے درحال بیداری ملاقات کرے اب یہ الگ بات ہے کہ امام کو دیکھنے کے بعد پہچانا ہے یا نہیں۔

۴۔ شناخت کے ساتھ ملاقات : امام کو دیکھا ہو اور پہچان بھی گیا ہے اس قسم کی ملاقات بہت کم ہے مگر مصالح مہم کی بنا پر امامؑ سے ملاقات ہو، جیسا کہ انار والا واقعہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

۵۔ غفلت میں ملاقات : یعنی امام سے ملاقات تو ہو مگر پہچان نہ پایا ہو یا بعد میں محسوس ہو کہ جس سے ملاقات ہوئی ہے وہ وقت کا امام ہے اور یہ اس لئے تصور کر سکتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے دیکھا ہے وہ بغیر امام کے کوئی اور انجام نہیں دے سکتا، مثلاً ملاقات میں جو معجزہ ہم نے دیکھا وہ بغیر امامؑ کے اور کوئی نہیں دکھا سکتا لہٰذا دیکھنے والے نے وقت ملاقات معجزہ کی بنا پر دعویٰ کیا کہ مَیں نے امامؑ کو دیکھا تھا۔

امکان ملاقات پر عقلی دلیل

امکان ذاتی : امامؑ سے ملاقات امکان ذاتی ہے یعنی محال نہیں ہے۔ عالم ہست و بود میں صرف خدا کی ذات ہے جہاں ملاقات بالذات ممکن نہیں ہے اور دنیا کی ہر شے میں امکان ذاتی پایا جاتا ہے وہ کبھی غیب ہے تو کبھی شہود کی منزل میں۔

امکان وقوعی : یعنی کسی شے کے واقع ہونے میں محال لازم نہ آتا ہو یعنی ممکن ہے ایک چیز واقع نہ ہوئی ہو، مگر وقوع ممکن ہو۔

ممتنع ذاتی : خود ایک چیز جو کہ انجام نہ پائی ہو مگر انجام نہ پانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ذاتی طور پر وہ چیز ممتنع و محال ہو مثلاً انسان کا اڑنا اگرچہ ایسا نہیں ہوا ہے مگر ذاتاً محال و ممتنع نہیں ہے اس کی مثال آج ہم بہت دیکھتے ہیں کل تک جو چیز واقعاً محال لگتی تھی آج کی سائنس نے وہ کر کے دکھا دیا لہٰذا شے میں صلاحیت ہے ذاتاً محال نہیں ہے مگر ابھی واقع نہیں ہوئی ہے۔

فائدہ لطف

خداوند کریم و رؤوف کا بندوں پر ایک اہم ترین لطف یہ ہے کہ اس نے وجود عطا کرنے کے بعد اپنے بندوں کو بے سہارا نہیں چھوڑا بلکہ نبوت کے بعد امامت کا سلسلہ جاری کیا تاکہ ہمیشہ امام بندوں کی کفالت

وسرپرستی کرتا رہے ان کی مشکلات کو حل کرتا رہے اور فرائض امامت میں اہم ترین فرض امام کا یہ ہے کہ دین الٰہی کی پاسبانی کرے چاہے وہ غیبت کی حالت میں ہی کیوں نہ ہو۔ اب اگر کسی کو بالخصوص وہ لوگ جو نیابت کے درجہ پر فائز ہیں ضرورت پڑ جائے اور کسی مسئلہ میں مشکلات سے در پیش ہوں تو امام سے توسل کریں اور امام آکر اسے حل کرتے ہیں؛ جیسا کہ انار کا واقعہ گذشتہ صفحہ پر گذر چکا ہے۔

اس کے علاوہ اگر کیسی انسان کے دل میں عاشق سے ملاقات کا جذبہ ہو اور اس کو معلوم ہو کہ اگر ایسا کام کریں گے یا اتنا سفر طے کریں گے یا پھر ان شرائط کو پورا کردیں گے تو عاشق سے ملاقات ہو جائے گی تو اب وہ ہر وہ کام کرے گا جو اس کو عاشق تک پہنچادے تو ہمارا عاشق حقیقی جو پردۂ غیب میں ہے اس سے ملاقات کا جذبہ کس شیعہ کو نہیں ہے اسی لئے شاید بہت سی روایات اس بارے میں بھی ہیں کہ اگر فلاں کام کرو گے فلاں دعا پڑھو گے یا مسجد سہلہ میں چالیس شب چہار شنبہ دو رکعت نماز و زیارت پڑھو گے تو امام سے ملاقات ہو گی اب اگر ایک انسان خلوص دل سے ان دعاؤں کو پڑھتا ہے اور امام سے ملاقات ہو جاتی ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے جب کہ امکان ذاتی موجود ہے محال بھی نہیں ہے۔

اور جناب باقر صاحب جو روایات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کے لئے تو انکار کا راستہ ہی نہیں ہے اس لئے کہ جس کتاب کا وہ سب سے زیادہ حوالہ دیتے ہیں "کمال الدین و تمام النعمۃ" اس میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ امامؑ سے ملاقات ممکن ہے اور لوگ ملاقات کریں گے۔

ملاقات امام زمانہ پر قرآنی دلیل

قرآن مجید جو کہ عالمی اور ہر جہت سے کامل و اکمل کتاب ہے اور کسی زمانہ سے بھی مختص نہیں ہے بلکہ یہ وہ کتاب ہے کہ نزول سے لے کر قیامت تک کے لئے انسان کی راہنمائی کے لئے آئی ہے اسی قرآن میں ذکر ہو رہا ہے: ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾[1] اگر نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو۔

[1] سورۂ نحل، آیت ۴۳۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل ذکر کون ہیں؟ تو شیعہ سنی متفقہ روایت ہے کہ اہل ذکر سے مراد ائمہ طاہرینؑ کی ذات والا صفات ہے۔ ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے اپنی عظیم کتاب کافی میں مکمل ایک باب قائم کیا ہے کہ اہل ذکر کون ہیں؟ اور اس میں ۹ حدیثیں ذکر کی ہیں اور مفہوم کے لحاظ سے تقریباً تمام حدیث ایک سی ہیں مثلاً وشّاء نے امام رضاؑ سے سوال کیا کہ "فاسئلوا اھل الذکر" سے مراد کون ہیں؟ امام رضاؑ فرماتے ہیں ہم اہل ذکر ہیں اور لوگوں پر واجب ہے کہ ہم سے سوال کریں۔[1]

یہ بات تو طے ہے کہ اہل ذکر ائمہ طاہرینؑ کی ذات ہے تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا اہل ذکر کیسی زمانہ میں تھے اب نہیں ہیں یا پردۂ غیب میں ہیں تو اہل ذکر سے سوال ممکن نہیں ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ یا یہ کہیں کہ آیت مخصوص تھی قبل از غیبت امام سے تو یہ بات آج تک کسی بھی مفسر یا علوم قرآن کے ماہرین نے نہیں کہی جب کہ اس کے برعکس اہل ذکر ہمیشہ موجود رہے ہیں اور لوگوں پر واجب ہے کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اہل ذکر کی طرف رجوع کریں تو اب اگر ہم قائل ہو جائیں کہ اہل ذکر سے رابطہ ممکن نہیں تو قرآن کی جامعیت اور عالمی ہونے پر سوال اٹھتا ہے جو بہر حال درست نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں ائمہ طاہرینؑ کی روایات موجود ہیں کہ ائمہ طاہرینؑ سے ہمیشہ سوال کیا جاسکتا ہے چاہے وہ غیبت کی زندگی ہی کیوں نہ گذار رہے ہوں مثلاً امام صادقؑ سے روایت ہے کہ زمین باقی نہیں رہے گی مگر یہ کہ کوئی حجت خدا موجود ہو جو لوگوں کو حلال و حرام بتائے اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلائے۔[2]

یا اس سے بہتر دلیل کہ جس میں مرجعیت کی بھی تائید ہوتی ہے امام صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں زمین امامؑ سے خالی نہیں ہوسکتی کیوں اس لئے کہ اگر لوگ دین میں اضافہ کرنا چاہیں تو وہ اسے روک سکے اور

---

[1] کافی، ج۱، کتاب الحجة، ص ۲۱۰، ح۳، تاویل الآیات شرف الدین حسنی، ج۱، ص ۲۵٦، وسائل الشیعه، ج ۲۷، ص ۶۴، تفسیر میزان، ج۱۴، ص ۲۵۶۔

[2] کمال الدین شیخ صدوق، ص ۲۲۹، عوائد الایام، ص ۱۹۱۔

کمی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔[1]

یعنی امام سے ملاقات کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس روایت میں مرجعیت واجتہاد و تقلید کی تائید ہے اس لئے کہ جناب باقر صاحب کی کتاب کشف التضاد کا کل ماحصل یہ ہے کہ مراجع کرام نے روایات سے ہٹ کر مسائل شرعیہ میں حذف و اضافہ کیا ہے اب اس روایت کے مطابق اگر ایسا ہوا ہوتا اور مراجع کرام نے حذف و اضافہ کیا ہوتا تو امام پر واجب تھا کہ حذف و اضافہ کو ختم کرتے اور علی الاعلان تاکہ دنیا سمجھ جاتی کہ یہ راہ درست نہیں اور مراجع کرام کو امام کی تائید حاصل نہیں ہے مگر امامؑ کی طرف سے سکوت بلکہ بعض مقامات پر قول و تقریر کے ذریعہ صراحتاً تائید اس بات کی دلیل ہے کہ راہ اجتہاد و تقلید ،امام کی تائید سے شروع ہوا ہے اور روز بروز اس راہ میں ترقی ہو رہی ہے باقر نثار زیدی صاحب جیسے افراد جو کہ صرف روایات پر تکیہ کرتے ہیں ان کے پاس اس قسم کی حدیث کا کیا جواب ہے یا تو کہہ دیجئے کہ یہ روایات درست نہیں اگر ایسا کہتے ہیں تو ہمارے مدعا پر دلیل ہے کہ پھر ہر روایت کے لئے یہ فار مولا لاگو ہو گا اور اگر کہتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور ان کا مسلک بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے تو پھر اہل عقل خود فیصلہ کریں کہ کون سی روایت درست ہے اگر دونوں درست ہے تو ایک روایت میں ملاقات امام پر دلالت ہے تو دوسری نفی ملاقات پر دال ہے اب ایک عام آدمی ایسے دوراہے پر آکر کیا کرے گا؟ مراجع کرام اس قسم کی مشکل کو اپنے علم کے ذریعہ حل کر کے عوام الناس کو مشکلات سے بچاتے ہیں۔

اس طرح کی بہت سی روایت فقہی ابواب میں بھی پائی جاتی ہیں کہ مسئلہ ایک ہے مگر ائمہ طاہرینؑ کی طرف سے روایات مختلف ہیں ایسے حالات میں ایک عام آدمی کیا کرے گا کس طرح سمجھے گا کہ امامؑ نے روایت کب، کن حالات میں اور کس سے بیان کی ہے ؟ آیا امامؑ سے روایت ہے بھی یا صرف امامؑ کی طرف منسوب ہے ؟ ہم نے باب روایات میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ کس کس طرح ہماری روایات میں خیانتیں کی گئی ہیں ایک عام انسان جو کہ روایت شناسی کے تمام ابواب و علوم کو نہیں جانتا وہ روایات پر

---

[1] کافی، ج۱، ص ۱۷۸، بحارالانوار، ج۲۳، ص ۲۷، الغیبة نعمانی ص ۱۳۵۔

عمل کر کے کس طرح ممکن ہے کہ مطمئن ہو جائے کہ اس نے صحیح عمل انجام دیا ہے۔ یہ اطمینان اسی وقت حاصل ہو گا جب انسان کسی پر بھروسہ کرے چاہے ایک ہی روایت کیوں نہ ہو مگر اگر روایت دو طرح کی ہو گئی تو اب اطمینان کہاں باقی رہا اور اب میں دعوت دیتا ہوں کہ مراجع کرام پر اعتماد کر کے اس اطمینان کو انسان حاصل کر سکتا ہے تجربہ کر کے دیکھئے۔

میں خود جناب باقر صاحب سے یہی سوال کرتا ہوں کہ عوام الناس کے جذبات سے سوئے استفادہ کرتے ہوئے ان کو بیوقوف نہ بنائیں کہ صرف روایات کافی ہے ہمیں کسی مجتہد کی ضرورت نہیں ہے یقیناً اگر آپ اس لائق ہیں تو مجتہد کی ضرورت نہیں ہے مگر اس لائق ہونے کے لئے کافی عمر چاہئے اور جب آپ اس لائق ہو جائیں گے تو خود مجتہد کہلائیں گے اخباری نہیں۔

ملاقات امام زمانہ پر روائی دلیل

ابو ہمزہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام زمانہؑ کے لئے ضروری تھا کہ وہ نظروں سے غائب رہیں اور کیا اچھی جگہ ہے وہ جہاں آپ رہتے ہیں اور تیس لوگ آپ کی محافظت کر رہے ہیں، اس طرح آپ تنہا نہیں ہیں۔[1]

جناب باقرؔ صاحب نے غیبت کے جو معنی بیان کئے ہیں جس کا مدرک بھی کوئی نہیں ہے ان کے اپنے ذہن کی اختراع ہے اگر کوئی عرب کسی عربی لفظ کے لئے دعویٰ کرے تو ہم شاید قبول کر لیتے مگر جناب باقر صاحب جو کہ عجم ہیں وہ عربی لفظ کا اپنے ذہن سے ترجمہ فرمائیں یہ بہر حال قابل قبول نہیں ہے مگر پھر بھی آپ کے ترجمہ کے مطابق تو امام خدا کی طرح غائب ہیں کوئی آپ کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور آپ ہیں اخباری اور ہر یہ روایت کا قبول کرنا آپ کا پہلا عقیدہ اور آپ کے مذہب کا قانون ہے لہٰذا یہ روایت امامؑ کے مشاہدہ پر دلالت کر رہی ہے لہٰذا اب جناب باقر صاحب اس روایت کے سلسلے میں کیا فرماتے ہیں جب

[1] کافی، ج۱، ص ۳۴۰، الغیبة النعمانی، ص ۱۸۸، غیبة طوسی، ۱۶۲

کہ آپ نہ علم اصول کے قائل ہیں نہ علم رجال نہ علم حدیث کے کہ کہہ دیں کہ سند کے اعتبار سے یا رجالی اعتبار سے یا اصولی اعتبار سے روایت درست نہیں ہے "فاعتبروا یا اولی الابصار"

مانیں نہ مانیں جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

ابن محبوب نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے قائم کی دو غیبت ہو گی ایک کوتاہ دوسری طولانی۔ غیبت اول میں کوئی آپ کی جایگاہ سے مطلع نہیں ہوگا مگر خاص لوگ اور آپ کے چاہنے والے۔ دوسری غیبت جو طولانی ہے اس میں بھی کوئی آپ کے مکان سے مطلع نہیں ہوگا مگر آپ کے چاہنے والے اور موالی۔[1]

جناب باقر صاحب یہ موالی دوستداران خاص لوگ کون ہیں جو امامؑ سے ملاقات کررہے ہیں آپ نے ایک روایت دیکھی اوراپنے مطلب کی حدیث لے کر بیٹھ گئے جناب باقر صاحب دوسری روایات جو متعدد بھی ہیں ان روایت کو کس زمرے میں رکھیں گے؟ کیا خاصان امام مراجع کرام نہیں ہوسکتے یا دوستداران امام زمان صرف اخباری ہیں اصولی نہیں ہوسکتے؟ جناب باقر صاحب استدلال ایسا پیش کیجئے جو کم ازکم آپ کی سنت کے مطابق روائی اعتبار سے تو ٹھیک ہو عقل کو توآپ مانتے نہیں ہیں۔

امام صادقؑ سے روایت ہے کہ جو شخص اس دعا کو "الهم بلغ مولانا صاحب الزمان اینما کان و حیثما کان من مشارق انهم یرونه بعیدا ونراه قریبا وصلی الله علی محمد وآل له" ہر نماز فریضہ کے بعد پڑھے گا امامؑ آخر الزمان سے اس کی ملاقات ہو گی۔ لیجئے باقر صاحب اس روایت کو کہاں لے جائیں گے۔[2]

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۳۴۰، الغیبة نعمانی، ص ۱۷۰، بحارالانوار، ج۵۲، ص ۱۵۵۔
[2] مکیال المکارم، ج ۲، باب ۶، ص ۲۰، بحارالانوار، ج۸۳، ص ۶۱۔

امام صادقؑ کا دوسرا قول اسی سلسلے میں کہ آپ نے فرمایا: "من قراء المسبحات کلھا قبل ان ینام لم یمت حتی بدرک القائم "جو شخص بھی سونے سے پہلے ان سوروں کی تلاوت کرے جو مسبحات کہلاتے ہیں (حدید، حشر، صف، جمعہ، تغابن) تو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ قائم سے ملاقات نہ کرلے۔[1]

اسی طرح آپؑ نے دوسری جگہ فرمایا: "جو شخص سورۂ بنی اسرائیل کی تلاوت ہر شب جمعہ کرے اور اس طرح صلوات پڑھے کہ آخر میں عجل فرجہم کہے تو اس کو موت نہیں آئے گی مگر یہ کہ وہ امام قائم سے ملاقات کرے۔[2]

لیجئے جناب باقر صاحب اب آپ اِن روایات کو ٹھکرائے گیں یا اُن روایت کو ٹھکرائے گیں جس کو آپ پیش کرتے ہیں یا دونوں کو قبول کریں تو پھر دونوں روایات کو جمع کس طرح کریں گے یا پھر آپ کے نظریہ کے مطابق ہمارے ائمہ طاہرینؑ کے اقوال میں نعوذ باللہ من ذالک تضاد ہے کہیں کچھ کہہ دیتے ہیں کہیں کچھ فرما دیتے ہیں۔ اگر حدیث فہمی اتنی آسان ہوتی جتنی آپ نے سمجھ رکھی ہے تو ہر بنیا بقال ائمہ طاہرینؑ کی روایت کو سمجھنے کا دعویٰ کر دیتا مگر کیا کہا جائے کہ آپ لوگوں نے "جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں"

خدا کے لئے جناب باقر صاحب اگر آپ اپنی آخرت برباد کرہی رہے ہیں تو سادہ لوح عوام کے عقائد کو کیوں برباد کررہے ہیں اور قوم شیعہ میں اور وہ بھی سرزمین پاکستان جہاں ویسے ہی شیعہ مظلوم ہیں روز دس بارہ افراد شہید کئے جاتے ہیں کیوں افتراق ڈال کر مزید قوم شیعہ کو کمزور کررہے ہیں۔

توقیع مبارک

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۶۲۰، باب فضل القرآن۔

[2] بحارالانوار، ج ۸۹، ص ۲۸۱ با ۴۲، وسائل الشیعه، ج۷، ص ۴۱۰۔

وہ لوگ جو امامؑ سے ملاقات کے امکان کو رد کرتے ہیں ان کی سب سے محکم دلیل امام زمانہ سے منسوب وہ روایت ہے جو آپ نے اپنے آخری نائب محمد سمری سے بیان کی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ اب میری غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو رہا ہے اور اب میرا ظہور حکم خدا سے ہوگا اور یہ غیبت طولانی ہوگی اس درمیان کوئی مجھے دیکھ نہ سکے گا البتہ ہمارے شیعوں میں سے کچھ لوگ ادعائے زیارت کریں گے مگر آگاہ رہو کہ خروج سفیانی سے پہلے جو میری ملاقات کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

جناب محدث نوری نے اس روایت کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ یہ روایت خبر واحد ہے اور مرسل اور اس کے مقابلے میں ملاقات کے سلسلے میں کافی روایات موجود ہیں پس کس طرح ممکن ہے کہ ایک روایت کو کہ جو خبر واحد اور مرسل ہے اس پر ہم یقین کرلیں اور اس کے مقابلے میں جو بہت سی روایات ہیں اس کو چھوڑ دیں۔[1]

[1] جنة المأویٰ، محدث نوری، بحارالانوار، ج۵۳، ص ۳۱۸۔

باب ۸

کشف التضاد کے ابتدائی صفحات

صفحہ ۱ پر جناب باقر صاحب نے اسی بات کے عنوان سے ایک بات کہی ہے جس میں مثال یہ دی ہے کہ اگر پانی کا ایک گلاس آپ کے سامنے رکھا ہو جو آپ پینا چاہتے ہو ایک آدمی کہتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہے دوسرا کہتا ہے کہ نہیں زہر نہیں ملا تو آپ اپنے دل کو ٹٹول کر بتایئے کہ وہ پانی آپ پیئں گیں یا نہیں جب آپ شک ہو جانے کی صورت میں پانی کا ایک گلاس نہیں پی سکتے تو اپنی پوری زندگی شک کے عالم میں کیونکر گذار سکتے ہیں اور فتووں پہ عمل کر کے آپ اپنی آخرت کو کیونکر داؤں پہ لگا سکتے ہیں جن کی بنیاد ہی شک پہ ہے آپ ایسے احکام پر کیونکر عمل کر سکتے ہیں جن میں ایک کو ایک شخص حلال اور دوسرا شخص حرام کہتا ہو۔[1]

جناب باقر صاحب انسان پہ ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ جب وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بعض امور کو انجام دینے پر مجبور ہو جاتا ہے مثلا جان پہ آگئی ہو، پیاس کی ایسی شدت ہو کہ اب مجبور ہو کر انسان اس پانی کو پی لیتا ہے لہٰذا انسانی زندگی میں اگرایک شخص خود مجتہد نہیں ہے تو پھر سوائے تقلید کے اور کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے[2] اور ائمہ طاہرین بالخصوص امام حجت بھی اس وقت سامنے نہیں ہیں اور بقول آپ کے قبل از ظہور امام سے کسی قسم کا رابطہ بھی ممکن نہیں ہے تو اب ایسے حالات میں سوائے تقلید کے اور راہ نجات نظر نہیں آتی۔

---

[1] کشف التضاد، ص۱۔

[2] ملاحظه کیجئے: باب تاریخ و حدیث اسي کتاب میں رجوع کریں۔

اس کے علاوہ ایک ہی مسئلہ میں دو نظریہ کا پایا جانا خود امام نے اجازت دی ہے لہٰذا ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کی ایک ہی حدیث آپکے دو معتبر صحابی نے الگ الگ طریقہ سے نقل کی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو کون افقہ ہے یعنی کون زیادہ فقیہ ہے سائل کہتا ہے دونوں برابر ہیں امام کہتے ہیں دیکھو کون زیادہ اعدل ہے، عدل سے کام لینے والا، سائل کہتا ہے دونوں اعدل ہیں آپ نے فرمایا دیکھو کس کی روایت قرآن سے زیادہ قریب ہے کہنے لگا دونوں کی روایت برابر ہے امام نے فرمایا: پھر جس کی طرف چاہو رجوع کرو اب اگر دو شخص وہاں موجود ہوں ایک حلال پر عمل کرے دوسرا حرام پر تو ان کے نظریہ کے مطابق خود امام نے مشکوک بات کہی اور دین میں شک کو رائج کیا اب العیاذ باللہ آپ کا جو نظریہ مراجع کرام کے بارے میں ہے کیا وہی نظریہ امام کے بارے میں بھی ہوگا؟

اولاً آپ اگر کہتے ہیں کہ یہ روایت درست نہیں تو تھوک کے چاٹنے کے مترادف ہے، اس لئے کہ آپ کے نزدیک علم رجال و علم فہم حدیث کا کوئی باب ہی نہیں، نہ آپ علم رجال کو قبول کرتے ہیں نہ علم حدیث کو۔

ثانیاً امام کی اس روایت سے ایک بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ ایک ہی وقت میں چند عالم ہو سکتے ہیں جو برابر ہوں لہٰذا آپ کا یہ استدلال بھی باطل ہے کہ ایک وقت میں چند مجتہد و عالم ممکن ہی نہیں ہیں۔

خود «من لایحضرہ الفقیہ» میں ایک ہی مسئلہ میں دو قسم کی روایت نقل ہوئی ہے مثلاً کُر کے بارے میں امام صادق (ع) سے سوال ہوا تو آپ نے ایک جگہ فرمایا تین بالشت لمبا چوڑا اور گہرا ہو دوسری جگہ آپ نے فرمایا ساڑھے تین بالشت لمبا چوڑا اور گہرا ہو اب آپ کیا کرینگے جناب باقر صاحب اور ان کے پیروکار کس روایت پہ عمل کرینگے جب کہ دونوں کا درست ہونا محال ہے لہٰذا یہ ہم کو تاریخ حدیث اور علم حدیث بتایگی گا کہ کون روایت درست ہے اور اس علم کے آپ قائل نہیں ہیں لہٰذا آپ کے پاس کوئی راستہ نہیں بچتا کہ آپ وہی حکم ائمہ طاہرین پہ بھی لگائیں جو مراجع کرام پہ لگایا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں۔

کشف التضاد صفحہ نمبر ۲ پر آپ نے آزادی فکر کے عنوان سے لکھا کہ انسانی فکر کے آگے بندھ باندھنا ایک خلاف فطرت عمل ہے ہو سکتا ہے کہ اس طرح عارضی طور پہ اپنے حق میں نتائج حاصل کر لئے جائیں لیکن بعد میں اس کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں اس لئے خود خالق انسان نے انسان کو فکر و نظر کے معاملات میں آزاد چھوڑا ہے اور قرآنی آیات «لا اکراہ فی الدین» اس کی شاہد ہے اگر آپ کو زبردستی اندھیروں میں بند رکھا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جوں ہی اسے روشنی نظر آئے گی وہ فوراً بغاوت کریگا انسان دل سے صرف اسی بات کو تسلیم کرتا ہے جس کے مخالف نظریہ سے بھی وہ کما حقہ، واقف ہو تصویر کا صرف ایک رخ دکھا کر کسی کو کب تک قید میں رکھا جا سکتا ہے؟

جناب باقر نثار صاحب تفسیر «لا اکراہ فی الدین» کا مطلب ہی آپ نہیں سمجھے اور تفسیر بالرای کر ڈالی آپ کو معلوم ہے کہ تفسیر بالرای کرنے والے کو جہنم میں اوندھے منھ ڈھکیل دیا جائے گا۔[۲] «لا اکراہ فی الدین» کا مطلب ہے کہ انسان قبول مذہب میں آزاد ہے اور اب جب کہ اس نے مذہب قبول کر لیا تو اب آزادی مطلق نہیں ہے بلکہ ہر ہر قدم پہ مذہب نے جو پابندی لگائی ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اور عقلاً ضروری بھی[۳] اگر آپ کی بات مان لیں اور آزادی مطلق کے قائل ہو جائیں تو اسلام کے ہر بنائے ہوئے قانون میں ہم کو کم و زیادتی کی آزادی ہونی چاہیے نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت، چار کے بجائے دو رکعت، روزہ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ میں، حج ایام حج کے علاوہ کبھی بھی، خمس دیں یا نہ دیں وغیرہ۔ غرض کے سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور مذہب اسلام جو تمام مذاہب عالم میں منظّم ترین مذہب ہے سوائے مذاق کے اور کچھ نہ رہ جائے گا آزادی فکر و نظر کا مفہوم جو آپ نے لیا ہے اس آزادی کا نعرہ آج یورپ و امریکہ میں یہود و نصاری لگا رہے ہیں جہاں آزادی کا مطلب ہے گھر کی بہو بیٹی

---

[۱] کتاب کشف التضاد، ص۲۔

[۲] میزان الحکمة، ج۳، ص۲۵۳٤؛ تفسیر المیزان ج۳، ص٤٤۔

[۳] مجمع البیان مرحوم طبرسی۔تفسیر المنارنقل ازتفسیر نمونہ ج۲ھ۲۰۴۔

برہنہ رہیں، مذہب کی پابندی فکری بیماری ہے وغیرہ لہٰذا اسلام اس قسم کی آزادی کو بہر حال قبول نہیں کرتا۔

آپ نے صفحہ نمبر ۲۹ سے ۳۴ کے درمیان جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو شک وتردید سے کام نہیں لینا چاہیے اور شک کا نتیجہ اختلاف ہے اور جہل اور مراجع کرام کے تمام فتاوی شک کی بنیاد پہ ہیں یقین کی منزل میں نہیں اسی لئے وہ ہر مسئلہ کے بعد واللہ اعلم لکھتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ کو کتب اربعہ یا اس کے علاوہ دوسری روائی کتابوں پہ مکمل یقین ہے کہ تمام روایات درست و صحیح ہیں اگر ہے تو پھر دو متعارض حدیث کہ جسکا ذکر ہم نے مذکورہ بحث میں کُر کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کے سلسلے میں کیا ہے یا پھر (باب حدیث فہمی اور تاریخ حدیث) میں اس قسم کی بہت سی احادیث مثال کے طور پر ذکر کی ہیں جو آپس میں متعارض ہیں تو کیا دونوں حدیث پر آپ کو یقین ہے اگر یقین ہے تو پھر آپ پوری زندگی کُر کھودتے رہیۓ ایک مرتبہ تین بالشت والا کر بنایۓ پھر ساڑھے تین بالشت والا اور پوری زندگی صرف یہ ہی کام کرتے رہیے اور نتیجۃً وصول علم ویقین نہیں ہو سکتا اس لئے کہ دونوں روایت امام سے ہیں۔

جناب باقر صاحب علم الیقین، حق الیقین اور یقین کامل کا دعوی صرف ائمہ طاہرین کر سکتے ہیں ان کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی یقین کا دعوی نہیں کر سکتا اس لیے مراجع کرام نے کبھی بھی یقین کا دعوی نہیں کیا بلکہ قرآن وروایت سے جو وہ سمجھتے ہیں اس کو بیان کر کے کہتے ہیں کہ اللہ سب جانتا ہے اس لئے کہ امام ہمارا غائب ہے اور یقین کی منزل پہ صرف وہ فائز ہے لہٰذا مراجع کرام غیبت کبری میں کسی حد تک قرآن وحدیث سے جو کچھ سمجھتے ہیں اس پر یقین کر کے مسئلہ بیان کر دیتے ہیں اور واللہ اعلم کہکر یقین کامل کے دعوے کو بھی رد کر دیتے ہیں۔

جن شکوک کی ائمہ طاہرین نے مذمت کی ہے وہ یہ شک نہیں ہے جس کو آپ سمجھ رہے ہیں امام نے جس شک کی مذمت کی ہے وہ شک وہ ہیں کہ جو خدا شناسی دین شناسی پیامبر شناسی ائمہ شناسی میں انسان

کرتا ہے خدا ہے کہ نہیں دین اسلام واقعی دین خدا ہے کہ نہیں نبی خدا کا نبی ہے کہ نہیں علی پہلے خلیفہ ہیں کہ نہیں اس قسم کے شکوک مذموم ہیں نہ کہ ہر شک مذموم ہے۔

کیا آپ کو نماز میں کبھی شک نہیں ہوا اگر ہوا ہے اور شک اختلاف کا سبب ہے تو ان شکیات کو اختلاف کے کس زمرے میں رکھیں گے

صفحہ نمبر ۳۴ پر آپ خود فتوی دینے کے قائل ہوئے میں لکھتے ہیں فتوی چاہیے صحیح ہو یا غلط اگر بغیر علم محض اپنے ظن و قیاس سے دیا گیا ہے تو دونوں پر عذاب ہی عذاب ہے اور دائمی عذاب۔آپکی عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود اجتہاد و تقلید وفتوی کے قائل ہیں یا یہ کہا جائے کہ اصل بات زبان پہ جاری ہو ہی جاتی ہے چاہے انسان کتنا ہی کوشش کیوں نہ کرے آپ نے لکھا اگر بغیر علم محض ظن و قیاس سے فتوی دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر علم ہو اور ظن و قیاس نہ ہو تو فتوی دیا جاسکتا ہے اور مراجع کرام یہ ہی کہتے ہیں اور یہ یہی کرتے ہیں۔

آپ نے صفحہ نمبر ۳۴ پہ فرمایا۔اختلاف رائے دلیل شک ہے اور شک ہمیشہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں علم قطعی نہ ہو۔

ایک روایت اللہ تعالی مجھے اس عذاب میں مبتلا نہ کرے کہ میں اپنی طرف سے نماز اور روزے کے متعلق کوئی اجتہاد پیش کروں۔

حسین ابن روح مجھے یہ بات منظور رہے کہ میں آسمان سے پھینک دیا جاوں یا کوئی پرندہ مجھے اچک لے اور کہیں دور جاکر پھینک دے مگر مجھے یہ منظور نہیں کہ خدا کے دین میں اپنی رائے دوں یا اپنے دل سے گھڑ کر کوئی بات کہوں۔

اختلاف ہمیشہ شک کی دلیل نہیں ہے بلکہ اختلاف رائے معمولا صحیح رائے تک پہونچنے کا زینہ ہے لہٰذا اختلاف ہمیشہ باطل نہیں ہوتا اور اس کا لازمہ شک نہیں ہوتا اور میں گزشتہ بحث میں آپ کو متوجہ کر چکا ہوں کہ علم الیقین یا علم قطعی صرف ائمہ طاہرین کے پاس ہے اور اگر گوئی دوسرا دعوی کرتا ہے تو وہ

جھوٹا ہے۔

دین و شریعت آل محمد کے کردار کا نام ہے امام اگر یہ فرمارہے ہیں کہ میں اپنی طرف سے نماز روزہ میں کوئی اجتہاد پیش کروں تو ہمیں روایات دیکھنی ہوگی کہ کس دشمن کی اختراع ہے اس لئے کہ اجتہاد کی ضرورت امام کی غیبت میں ہوتی ہے (چاہے وہ جس زمانہ میں ہو اس لئے کہ اپ کے اصحاب سب کے سب آپ کے سامنے میں رہتے تھے بعض مرتبہ امام خود اپنے اصحاب کو کسی شہر میں بعنوان مبلغ بھیجتے تھے) خود امام اجتہاد نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے ان کا حکم ہمارے لئے حجت کے حکم میں ہے اور یہ بھی امکان پایا جاتا ہے کہ روایت درست نہ ہو اگر درست ہو تو امام کا مقصود کچھ اور ہے ہو سکتا ہے امام کہنا چاہ رہے ہوں کہ میں سنت خدا اور نبی کو بدل نہیں سکتا یا کچھ اور بھی احتمال دیا جاسکتا ہے۔آپ اپنے زعم ناقص میں ائمہ پر اجتہاد کا الزام لگا کر ائمہ کی شخصیت کو مجروح کر رہے ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ استعمار کے ساتھ ساتھ اپنے پڑوسی ملک کے اسلام دشمن عناصر سے آپ کا رابطہ ہو واللہ اعلم بالصواب۔

آپ نے اس روایت کا حوالہ من لایحضرہ الفقیہ سے دیا ہے ہمیشہ کی طرح حوالہ ناقص اور غلط ہے من لایحضرہ الفقیہ میں حدیث کا نمبر جو آپ نے دیا ہے ۱۷۸۵،وہ کم از کم تین قسم کی چاپ ہمارے پاس موجود ہے اس میں آپ کا دیا ہوا حوالہ موجود نہیں ہے اس کے علاوہ آپ نے ہر جگہ عربی کے بجائے اردو کتاب کا حوالہ دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ کو عربی آتی نہیں ہے یا پھر آپ کو عربی زبان سے چڑھ ہے جو کہ قرآن کی زبان ہے ائمہ کی زبان ہے۔

لمحہ فکریہ !جب عربی زبان آپ نہیں سمجھ سکتے جب کہ آپ کو عالم ہونے کا غرور بھی ہے اور دعوی بھی اور اردو میں ترجمہ شدہ ائمہ کی احادیث بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو پھر وہ سادہ لوح عوام جو نہ عربی سے واقف ہیں نہ فہم حدیث کا ذوق رکھتے ہیں وہ کیسے کلام معصوم کو سمجھ کر اپنی ضرورت بالخصوص دینی مسائل کو سمجھ سکتے ہیں۔

بہرحال آپ تقلید کی مخالفت تو کر رہے ہیں مگر ناخواستہ ترجمہ حدیث کی کتاب کی طرف رجوع

کر کے مترجم کی تقلید ضرور کر رہے ہیں۔ اسی لئے جابجا میں نے کہا ہے کہ جناب باقر صاحب آپ کا کردار آپ کی زبان آپ کی کتاب آپ کا اسلوب آپ کی فکر ضد و نقیض کا مجموعہ ہے مثال کے طور پر آپ اپنی کتاب کشف التضاد کے صفحہ ۳۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا درست نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر علم ہے تو فتویٰ دیا جاسکتا ہے آپ خود فتوے کے قائل ہیں اور دوسری طرف فتوے کے خلاف کئی کئی جلد کتاب بھی لکھ رہے ہیں۔

جہاں تک حسین بن روح سے نقل جملہ کا مسئلہ ہے تو ہم خود اس کی تائید کرتے ہیں کہ غیر معصوم کو یہ حق ہے ہی نہیں کہ وہ اپنی رائے سے مسئلہ کو حل کرے وہ حسین بن روح ہوں یا دیگر مراجع کرام سب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ جو کچھ قرآن و حدیث سے اخذ کرتے ہیں سمجھتے ہیں وہی کہتے ہیں اپنی رائے کو مسئلہ میں دخیل نہیں بناتے۔

آپ نے صفحہ ۳۴ پر فرمایا: اکثریت کا خبط: یعنی انسان اقلیت سے بھاگ کر اکثریت کے ساتھ رہنا چاہتا ہے جب کہ اکثریت کے ساتھ رہنا گمراہی کی جڑ ہے اور قرآن کا بھی فیصلہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت حق سے کراہت رکھتی ہے لہٰذا اکثریت میں شامل ہونے کی خواہش ہمیشہ انسان کو حق سے دور کرتی ہے خاص طور پر زمانہ غیبت میں اکثریت کے فریب سے بچے رہنے کی اشد ضرورت ہے۔ پھر آپ بغیر حوالہ دو حدیث کمال الدین سے نقل کرتے ہیں کہ امام کی غیبت اتنی طولانی ہو گی کہ اس کی امامت کے قائل اکثر مرتد ہو جائیں گے اس کی امامت کے ماننے والوں کی اکثریت اپنے مذہب سے دور ہو چکی ہو گی۔

جناب باقر صاحب اکثریت ہمیشہ حق سے کراہت نہیں رکھتی نہ ہمیشہ گمراہی کی جڑ ہے ہاں قرآن میں اکثریت کی مذمت یا روایت میں اکثریت کی مذمت ضرور آئی ہے اور میرے خیال سے اس اکثریت کا حصہ آپ بھی ہیں اس لئے کہ امام زمانہ (ع) کی امامت سے اکثر لوگ انکار کر دیں گے اور اکثر لوگ مرتد ہو جائیں گے تو میرا خیال ہے کہ آپ بھی انھیں میں شامل ہیں اس لئے کہ تقلید و اجتہاد والی روایت امام سے منقول ہے۔

اور آپ اس کا انکار کر رہے ہیں لہٰذا آپ بھی اسی زمرے میں ہیں البتہ جہاں جہاں بھی ارتداد کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً اکثر لوگ امامت کے منکر ہو جائیں گے یا پھر وہ روایت جو رسول کی وفات کے بعد کے ماحول کو بیان کر رہیں ہے: «ارتدالناس الا ثلاثه الا خمسه یا الا سبعة» شائد آپ کو معلوم نہیں کہ ان مقامات پر ارتداد کے اصطلاحی معنی مراد نہیں لے گئے، اگر اصطلاحی معنی ہی مراد ہیں تو کافی مشکل ہو جائے گی اس لئے کہ اجل صحابہ اور امام علی کے خاص اصحاب رسول کی وفات کے فوراً بعد کیا صرف تین پانچ یا سات ہی تھے یقیناً نہیں اس سے زیادہ تھے اور روایت بھی مطلق ہے روایت میں «ارتدادالناس» کا لفظ آیا ہے تو پھر کیا ابوذر، سلمان، مقداد، قنبر، میثم، عمار جیسے صحابہ کیا نعوذ بااللہ مرتد ہو گئے تھے نہیں لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس جگہ ارتداد کے معنی اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی ہیں یعنی تردد میں پڑ جانا یعنی اتنی لمبی غیبت آخر کیا وجہ ہے کہ امام نہیں آرہے ہیں یا پھر بعد رسول والی روایت کہ اکثر صحابہ نے جب علی کے گلے میں ریسوان ظلم دیکھا تو متردد ہو گئے مشوش ہو گئے کہ اب کیا ہو گا اور کیا ہونے والا ہے۔

اس جگہ پر خود مذکورہ روایت میں بھی تضاد پایا جاتا ہے ایک روایت میں آیا کہ تین لوگ ایک میں ہے پانچ لوگ ایک میں ہے، سات لوگ تو اب آپ جناب باقر صاحب کس روایت کو قبول کرئے گیں تین والی، پانچ والی یا پھر سات والی، بہر حال اکثریت ہمیشہ گمراہی کا سبب نہیں ہوتی لہٰذا اکثریت کا استعمال جمع کثیر کے لئے کیا جاتا ہے اگر اکثریت کے ساتھ دنیا ہمیشہ گمراہی کا سبب ہے تو پھر واقعہ کربلا میں شیعوں کی اکثریت حسین کے ساتھ تو نہیں آئی تھی جن میں محمد حنفیہؒ، جناب مختار، جناب صرد خزاعی یا جناب عبداللہ وغیرہ بھی شامل تھے، اب اگر اکثریت کا ساتھ اپنانا گمراہی ہے تو پھر ان لوگوں کو بھی گمراہ کہئے تا کہ پتہ چل جائے کہ آپ کے ایمان کا معیار کیا ہے۔

صفحہ نمبر ۳۵، اس مقام پر تو آپ نے کمال کر دیا ہے آپ کا نظریہ ہے کہ جدید مسائل کا امکان ہی نہیں ہے اور آپ نے اپنی بات کو ثابت کرنے کے کے لئے مغالطہ سے کام لیا ہے وہ اتنی مضحک ہے کہ جس کا

جواب نہیں **جدید دور کے جدید مسائل** کے ذیل میں آپ نے لکھا کہ یہ ایک انتہائی پر فریب نعرہ ہے جس کی لپیٹ میں اکثر ناواقف لوگ آجاتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نعرہ لگا کر ان لوگوں نے اپنی تردید کر دی ہے جب کہ انہوں نے تقلید میت کو جائز قرار دیا ہے ابتدائے اجتہاد سے لے کر ماضی قریب تک اجتہادی اصول یہ تھا کہ «**مات مفتی مات فتوی**» یعنی جب مفتی مر گیا تو اس کا فتوی مر گیا کیونکہ تقلید کے جال میں لوگوں کو اس سوال کے ذریعہ ہی پھنسایا گیا تھا کہ اگر کوئی مسئلہ در پیش آجائے تو انسان کس سے پوچھے لہٰذا کسی نہ کسی مجتہد کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اب اگر کوئی مردہ مجتہد کی تقلید کرتا ہے اور اسے کوئی مسئلہ پیش آجائے تو کیا وہ اپنے مردہ مجتہد کی قبر میں جا کر اس سے پوچھے گا پھر آپ نے اس کے دو جواب لکھے جو علماء دیتے ہیں کہ وہ قبر پہ نہیں جائے گا بلکہ اس مرجع کی توضیح دیکھے گا اب آپ لکھتے ہیں کہ اگر مردہ مجتہد کی توضیح دیکھ سکتا ہے تو پھر «**کافی**»، «**تھذیب الاستبصار**» اور «**من لا یحضرہ الفقیہ**» کو کیوں نہیں دیکھ سکتا۔

آپ نے جدید دور کے مسائل سے انکار کر کے اپنی لاعلمی کا وہ ثبوت دیا ہے جسے ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ آپ عربی زبان سے بالکل ناواقف ہیں اس لئے کہ امام کی اس روایت کے آپ کیا معنی کرینگے ،ملاحظہ ہو «اماالحودث الواقعة فارجعوا فيهاالی رواة حديثنا فانهم حجتی عليكم وانا حجة الله عليهم»[1] جدید حوادث کے وقت ہمارے رادیوں کی طرف رجوع کرو، لفظ حوادث حادثہ کی جمع ہے۔

حادثہ کے معنی نیا ہونا، نو پیدا ہونا ،از سر نو کسی کام کا ہونا، جدید، نقیض القدیم[2] لیجئے جناب باقر صاحب امام زمانہ (عج) کی روایت تو کہتی ہے کہ جب کوئی جدید مسئلہ پیش آجائے تو تم ہمارے راویوں کی طرف رجوع کرو اور آپ سمجھتے ہیں کہ جدید مسائل ہو ہی نہیں سکتے اب میں عوام کو دعوت فکر دے رہا ہوں کہ یا آپ

---

[1] كمال الدين وتمام النعمة، ج۲،ص۴۸۴، حديث ۱۰؛ الفية، شيخ طوسی،ص۳۹۱، حديث ۲۴۷؛ الاحتجاج، ج۲، ص ۲۸۴؛ بحارالانوار، ج۵۳، ص ۱۸۱، حديث ۱۰؛ وسائل الشيعة، ج۲۷،ص ۱۴۰، حديث ۳۳۴۲۴۔

[2] المنجد ذيل كلمه حديث ،عربی ۱۲۱، اردو ۱۹۲ ،ص۱۹۳؛مصباح اللغات ذيل كلمه حديث، ص۱۴۰۔

امام زمانہ (عج) کی بات کو مان لیں یا باقر صاحب کی اس لئے کہ بقول باقر صاحب کے دو ناؤ پر سوار ہونا عاقلانہ نہیں اب عوام خود فیصلہ کریں کہ کس کی بات مانے گیں باقر صاحب کی یا وقت کے امام کی جناب باقر صاحب آپ جس کتاب پر بہت زیادہ بھروسہ کرتے ہیں کمال الدین و تمام النعمۃ اس میں بھی یہ روایت موجود ہے آپ جناب شیخ صدوق کو بھی انھیں الفاظ میں یاد کریں گے جن الفاظ سے آپ نے دیگر بزرگان کو یاد کیا ہے، اس کے علاوہ اگر جدید مسائل کا امکان نہیں ہے تو پھر ائمہ طاہرین کی تمام وہ روایات جو مسائل اور انسانی زندگی کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں انھیں دفن کر دیا جانا چاہئے اس لئے کہ آپ کے بقول غدیر کے دن دین کامل ہو گیا اور اب جدید مسئلوں کا امکان نہیں لہٰذا ائمہ طاہرین کو صرف حدیث نبوی کی تفسیر کرنی چاہئے تھی، اپنی طرف سے حدیث نہیں بیان کرنا چاہئے تھا جیسا کہ آپ نے صفحہ ۳۶، ۳۷ پر جدید دور کی حقیقت کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

اب اس مقام پر باقر صاحب مغالطہ کر سکتے ہیں کہ امام نے راویان حدیث کی طرف رجوع کرنے کو کہا ہے اور آپ مراجع کرام کی طرف رجوع کرنے کو کہہ رہے ہیں۔

تو جناب آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ اولاً آج کوئی راوی حدیث نہیں ہے آج جو بھی ہیں وہ ناقل حدیث ہیں راوی کا لفظ دور حضور سے مخصوص ہے آج کے زمانے سے نہیں لہٰذا اب تمام مسائل میں راوی کی عدم موجودگی میں آپ کے نظریہ کے مطابق بالخصوص جدید مسائل میں یا تو ہمکو تعطیل کا قائل ہونا پڑے گا یا پھر ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو اس علم کے عالم ہیں تاکہ حدیث سمجھ کر اور حدیث سے متعلق تمام باتوں کو جان کر ہم سے حدیث نقل کریں یا پھر آخری راستہ مراجع تقلید کی طرف دینی مسائل میں رجوع کریں۔

ثانیاً اگر راوی کی طرف رجوع کرینگے تو یہ راوی کی تقلید ہو گی اور آپ تقلید کے قائل نہیں ہیں۔

جہاں تک آپکے استدلال کا مسئلہ ہے «**الیوم اکملت لکم دینکم**» تو آج کے دن دین تمام ہوا ہے اعلان ولایت سے احکام تمام نہیں ہوئے ہیں اتمام دین کا اعلان ہے اتمام احکام کا نہیں اگر اتمام مسائل کا

اعلان ہوا ہوتا تو پھر ائمہ طاہرین کو صرف قال رسول اللہ کہنا چاہئے تھا اپنی طرف سے کچھ بیان نہیں کرنا چاہیے تھا رہ گیا مسئلہ زندہ اور مردہ مجتہد کا تو تمام مراجع کرام ان مسائل کے سلسلے میں زندہ مجتہد کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں اب آپ کے خیال کے مطابق اگر مردہ مجتہد کی توضیح کھول کر دیکھ سکتے ہیں تو کتب اربعہ یا اس جیسی دوسری کتابوں کی طرف کیوں نہیں رجوع کرسکتے جناب عالی اسی سلسلے میں اس کتاب کے باب حدیث کے ذیل میں مطالب ملاحظہ کرسکتے ہیں خود کتب اربعہ کے سلسلے میں کسی نے بھی دعوی نہیں کیا ہے کہ اس میں جو کچھ بھی ہے وہ سب درست ہے اور ہم نے مختلف مقامات پر یہ بات ثابت کی ہے کہ ہماری ہی کتب اربعہ میں ایک روایت کہتی ہے کہ حلال ہے تو دوسری روایت کہتی ہے کہ حرام ہے تو اگر کتب اربعہ کو دیکھ کر مسائل حل ہو سکتے تھے تو بھی ایک سادہ لوح شیعہ حلال وحرام والی متعارض حدیث پر کس طرح عمل کرے گا اور میرا خیال یہ ہے کہ جناب باقر صاحب بھی دبے لفظوں میں حسبنا کتاب اللہ کی طرح حسبنا کتب اربعہ یا کتب الاحادیث کے قائل ہورہے ہیں کہ ہم کو صرف کتاب کافی ہے۔[1]

صفحہ ۳۶ پہ آپ جدید دور کی حقیقت کے عنوان سے نقل کرتے ہیں اگر حقیقت بین نگاہوں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسائل شریعہ کا تعلق مخلوق کی احتیاجات اور ضروریات سے ہے نیا مسئلہ اس وقت پیدا ہوگا جب کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگی اللہ اپنی مخلوق کی احتیاجات سے بہ خوبی واقف ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس وقت انسان کو کیا ضرورت در پیش آسکتی ہے کرہ ارض پہ انسان مختلف ادوار سے گزرتا رہا اور جیسے جیسے ضرورت بدلتی گئی شریعت بھی بدلتی گئی یہاں تک کہ انسان کی تمام بنیادی ضرورت پوری ہوگئی تو اب اللہ نے وہ شریعت کامل نازل فرمائی جو قیامت تک انسانی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی تھی اگر انسانی ضروریات میں اضافہ کا ذرہ برابر بھی امکان ہوتا تو اللہ اس شریعت کو آخری شریعت قرار نہ دیتا۔

---

[1] ص ٣٦۔

جناب باقر صاحب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین کامل ہوا ہے ولایت علی کے اعلان کی وجہ سے انسانی ضروریات کے پورا اور مکمل ہونے کی وجہ سے نہیں یعنی آپ کہنا یہ چارہے ہیں کہ اللہ منتظر تھا کہ جب انسان کی ضروریات پوری ہو جائیں تو دین کے اکمال کا اعلان کریں تعجب ہے کہ آپ کو اتنی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ دین کا کمال اعلان ولایت کیوجہ سے ابھی تک رکا ہوا تھا مسائل کے اتمام کیوجہ سے نہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ استعمار کے ساتھ ساتھ آپ وہابیت سے پیسہ لئے بیٹھے ہوں کہ کسی نہ کسی طرح مغالطہ کے ذریعہ علی اور اولاد علی کی اہمیت کو تدریجاً ختم کیا جائے آیندہ ہم اپنے اس دعوے کی دلیل آپ ہی کے ایک جملے کے ذریعہ پیش کرینگے۔

اگر ہم مان لیں کہ احتیاجات بشر تمام ہونے کے بعد دین کامل ہو گیا تو اسی آیت کے پہلے جملے کو کہاں لے جائے گیں جہاں کہا گیا ہے کہ آج کفر مایوس ہو گیا آج دین کامل ہو گیا کیا کفر اس لئے مایوس ہوا تھا کہ احتیاجات بشر تمام ہو گئی تھی نیز یہ کہ اگر دین کا کمال مسائل شریعت سے ہوا تھا تو ابھی رسول کی وفات کو کتنے دن گزرے تھے کہ دین میں بدعتیں داخل کی گئیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جانے لگا کیا اسی چیز سے کفر مایوس ہوا تھا جب کہ اگر دیکھا جائے تو کفر کو تو ان حالات پہ خوش ہونا چاہئے تھا جب کہ قرآن کفر کے مایوسی کا ذکر کر رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ کوئی ایسا کام اس دن ہوا ہے جس سے کفر مایوس ہوا ہے جس کا ذکر ہم چند سطروں کے بعد ہی کریں گے آج تک کسی بھی مفسر نے دین کے اکمال کو انسانی احتیاجات کی بنا پر نہیں مانا ہے اور اکثر شیعہ مفسرین نے اس آیت کے نزول کو غدیر کے دن ولایت علی کے اعلان کے بعد بتایا ہے اس جگہ پہ بھی آپ نے تفسیر بالرای سے کام لیا ہے اور اپنی نظر دے ڈالی جب کہ قرآن و حدیث میں نظریات شخصی کے تو آپ سخت مخالف ہیں اور مراجع کرام کو گالیاں اسی لئے دیتے ہیں کہ وہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے بعد اسی کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں) جب کہ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ تفسیر بالرای کرنے والے کو قیامت میں آگ کی لگام دیکر وارد محشر کیا جائے گا۔[1]

---

[1] میزان الحکمة، ص ۲۵۲۳، حدیث ۱۶۵۲۹۔

اکثر مفسرین اور ساتھ ساتھ مورخین نے بھی اس آیت کو روز غدیر سے مخصوص کیا ہے یعنی ولایت علی بن ابی طالب سے اس آیت کو مخصوص کیا ہے۔[1]

---

[1] تفسیر المیزان، ج ۵، ذیل سورہ مائدہ آیت ۳، «الیوم اکملت» الی آخرہ؛ تفسیر نمونہ، ج ۴، ص ۲۱۲ تا ۲٦٦ ؛تفسیر مجمع البیان، ج ۳، ص۲۴۵، ذیل ربِّ اکمال؛ تفسیر کاشف، ج ۳، ص ۲۷ تا ۳۰، ذیل آیہ اکمال۔

انسانی ضروریات واحتیاجات
اور نمونہ کے طور پر چند جدید مسائل

ہر دور کے انسان کی ضرورت واحتیاج الگ الگ رہی ہے اور آپ نے بھی اس بات کو قبول کیا ہے لہٰذا جدید ضرورت واحتیاج کا ہونا ایک فطری عمل ہے اور اس کا انکار کوئی بھی عقل مند انسان نہیں کر سکتا۔

آج دنیا ترقی کے نئے نئے منازل طے کر رہی ہے کوئی چاند پہ جارہا ہے تو کوئی کہکشاں کو مسخر کر رہا ہے تو کوئی قطب کو اپنے پاؤں تلے روندرہا ہے اور یہ ساری ترقیاں مرہون منت ہیں اسلام، کی ان لوگوں سے معلوم کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان تمام ترقیات کا اصل فارمولا قرآن، نہج البلاغہ، صحیفہ سجادیہ یا پھر فرمودات معصومین میں آج دشمنوں نے ان تمام کتابوں اور اقوال معصومین کا مطالعہ کیا پھر اسی پر ریسرچ کی محنت کی اور ترقیان حاصل کیں مگر آپ جیسے دقیانوسی خیال کے افراد ہمیشہ رہے ہیں جو ان تمام مسائل کی طرف راغب نہیں ہوئے اور روایات میں گھوڑے گدھے کی سواری تلاش کرتے رہے۔

آج دنیا اتنی ترقی کر چکی ہے کہ ہر ہر قدم پہ جدید مسائل کی ضرورت پڑرھی ہے۔ اب جب کہ دنیا سمٹ کر ایک کوزے میں آگئی ہے پوری دنیا ایک ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہر انسان کے سامنے ہے اور طرح طرح کے جدید مسائل در پیش ہیں، ان تمام ترقیاتی ماحول اور نئے نئے مسائل کا کوئی عقلمند انکار نہیں کر رہا ہے، ہاں اب جیسے پرانے خیالات کے حامل اور (بزعم خود عالم دانا) ابھی گھوڑے گدھے کی سواری ہی سے باہر نہیں آئے ہیں، آج دنیا چاند پہ زمین خرید رہی ہے سیاروں پر بستی بسانے کی بات ہو رہی ہے اور آپ ہیں کہ کراچی کی مچھر کالونی سے باہر نہیں نکل پا رہے ہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جو استعمار مسلمانوں کے لئے چاہ رہا ہے کہ یہ لوگ کسی طرح ترقی نہ کر سکیں مسجد تک محدود رہیں آپ بھی انھیں کی باتوں اور فکر کو ترویج کر رہے ہیں کہ آج کوئی مسلمان چاند پہ جا ہی نہیں سکتا اور کوئی مسلمان ترقی کر

ہی نہیں سکتا، لہٰذا ان مسائل کی ضرورت ہی نہیں ہے ایک طرف تو آپ کہہ رہے ہیں کہ خدا نے قیامت تک کی احتیاجات کو سامنے رکھ کر شریعت بنائی ہے تو اب جو اسلام آیندہ کے مسائل کو مد نظر رکھ کر شریعت بنا سکتا ہے وہ آیندہ کی ترقیات کو دیکھ کر مسائل نہیں بنا سکتا۔ اگر آپ کی بات مان بھی لیں تو اسلام نے شریعت نے ائمہ طاہرین کی روایات میں ایک کلی مسئلہ کا تذکرہ ہے آج کے جدید مسائل کی تفصیل نہیں اگر کوئی جدید مسئلہ ان روایات کے ذیل ہی میں آجائے تو انھیں کون بتائے گا، اصل روایت تو صرف کلیات بیان کرتی ہیں مثلاً آپ کے بقول پہلے سواری کے وسائل گھوڑا گدھا، اونٹ و غیرہ تھے اور اب سواریاں بدلیں ہیں مسائل نہیں۔ جناب عالی کل کی سواری اور آج کی سواری میں اتنا فرق ہو چکا ہے کہ مقایسہ ہی نہیں ہو سکتا، تو مسائل کہاں سے ایک ہو سکتے ہیں، کل انسان سفر کرتا تھا تو دن بھر میں دس بیس کلو میٹر کا سفر ہوتا تھا آج انسان گھنٹوں میں سات سمندر پار کر جاتا ہے، کیا سفر کی اس سرعت کے بعد مسائل میں تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ہاں کلیات ایک ہیں مگر فرعیات بہر حال حالات اور زمانے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اور ہم انھیں کو جدید مسائل سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح طبّی مسائل اور اسکے کلیات مسائل عمومی اور اسکے کلیات تو ہم کو روایات میں ملتے ہیں اور فرعیات حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور فتاوی حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں قاعدہ کلیہ ہے کہ مؤمن کی جان بچانا واجب ہے اب اگر ہندوستان میں گائے کا گوشت کھانے سے مؤمن کی جان مال عزت وآبرو کا خطرہ ہو تو گائے کا جائز گوشت کھانا حرام ہے، اب بتائیے کہ یہ مسئلہ کس امام کی روایت میں ملے گا، اسی صفحہ پر آپ نے دو روایت اپنی بات کی دلیل کے طور پر پیش کی ہے، امام علی علیہ السلام کی طرف منسوب روایت کا یا تو آپ نے حوالہ غلط دیا ہے یا پھر اولاً وہ روایت ہے ہی نہیں اس لئے کہ من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت علی سے اس قسم کی روایت ہے ہی نہیں، ہاں کافی میں ہے کہ جسکا میں آپ کی خدمت میں جواب دے رہا ہوں تا کہ ہمارے محترم قارئین مغالطہ میں نہ رہیں، سائل نے جب آپ

سے سوال کیا[1] تو آپ نے اس کو جواب دیا کیا ایسی حالت میں پھنس جاؤ تو تمھارا فریضہ کیا ہونا چاہئے؟ یاد رہے جب باقر صاحب ایسی جگہ پہ کوئی جان بوجھ کے نہیں جاتا بلکہ مجبوراً آدمی جاتا ہے یا پھنس جاتا ہے تو اگر ایسا ہو تو انسان کیا کرے، شریعت اسی کو بتاتی ہے اب آپ کے مطابق اگر آپ کبھی ایسی جگہ پھنس جائیں تو اپنے آپ سے سوال کیجئے گا کہ اب کیا کرنا ہے، جہاں تک امام کے قول کا مسئلہ ہے، امام نے پہلے جواب دیا ہے اس کے بعد کہا ہے کہ ایسی جگہوں پہ انسان نہ جائے جہاں دین کے خراب ہونے کا خوف ہو اور یہی ہی نہیں ایسی بہت سی جگہ ہیں جہاں دین خطرے میں ہے، انسان کو ایسی جگہ یقیناً ترک کر دینی چاہئے اب میں وضاحت نہیں کرونگا اب خود سمجھ لیجئے کے ہمارا اشارہ کس طرف ہے۔

صفحہ ۳۸-۳۹ پر آپ نے اختلاف کا فطری نتیجہ کے عنوان سے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے مرجع اور مجتہد کے ساتھ الگ مذہب اپنائے ہوئے ہے لہٰذا شیعوں کے ہزاروں فرقے ہوگئے ہیں اور تمام شرعی مسائل میں مراجع کرام کے یہاں اختلاف ہے، کوئی ایک مسئلہ ایسا نہیں جس میں اختلاف نہ ہو، اور آپ نے فرمایا: مسئلہ ایک ہے، لفظ ایک ہے، حرف ایک ہے، مگر آخر میں جائز کی جگہ ناجائز لکھ دیا گیا ہے، اسی وجہ سے آج مذہب شیعہ کی کوئی شرعی یا نظریاتی اساس باقی نہیں ہے، جناب باقر صاحب ،آپ کو معلوم ہے کے مذہب کے معنا کیا ہیں فلاں شخص مذہب شیعہ سے تعلق رکھتا ہے یعنی شیعہ ہے ، فلاں ہندو مذہب پہ ہے، فلاں عیسائی مذہب کا ماننے والا ہے، یعنی ہندو ہے عیسائی ہے، فلاں شخص مذاہب اہل سنت کا پیرو کار ہے یعنی سنی ہے، فلاں وہابی مذہب ہے یعنی اس کا مذہب وہابیت ہے، اہل سنت کے اختلاف کو تو آپ نے فرقوں میں بانٹا نہیں مگر شیعہ اختلاف کو آپ نے مذہب میں بانٹ دیا، اب آپ خود بتایئے اس تہمت عظیم کی سزا عند اللہ و عند الناس کیا ہونی چاہئے؟ اس لئے کہ کوئی بھی مرجع ایسا نہیں جس کا خدا اور رسول، امام، کتاب عقائد اولیہ دوسرے مراجع کرام سے جدا ہوں، سب کا خدا ایک،

[1] سائل نے سوال کیا کہ مولا اگر ہم ایسي جگه نہیں جائیں جہاں صرف کیچر ہو یا برف ہو تو ہم وضو کیسے کرے گیں۔

سب کی کتاب ایک، سب کا امام ایک، سب کا عقیدہ ایک، پھر آپ نے کیسے کہدیا کے سب کا مذہب الگ الگ ہے، ان باتوں کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے اندر کتنی خباثت بھری ہوئی ہے، آپ شیعہ فرقہ واحد اور فرقہ ناجی کو صرف اس لئے کہ متعدد مراجع کرام کی تقلید کرتے ہیں!

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں مراجع کرام کے تمام فتاوی میں اختلاف ہے کہ یہ بھی جھوٹ اور تہمت ہے اکثر مسائل مراجع کرام کے ایک ہیں ان میں اختلاف نہیں ہے اور ہاں جس جگہ آپ فرماتے ہیں کہ لفظ ایک حرف ایک مثال ایک فقط جائز کی جگہ حرام رکھ دیا ہے تو اس قسم کا مراجع کرام کی توضیح المسائل میں سے کوئی ایک مسئلہ دکھلا دیجے مذہب بدل دونگا ورنہ آپ کے اقا اگر اجازت دیدیں جن کی غلامی اور کاسہ لیسی آپ کا مقدر بن چکی ہے تو آپ ہمارے راستہ کو قبول کر لیجئے جب کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے اس لئے اگر آپ ایسا کرینگے تو آپ کا شکم حرام سے کیسے بھرے گا۔

ہاں ہم تاریخ حدیث میں ذکر کر چکے ہیں کہ مراجع کرام کے فتاوی میں اختلاف کا اصل منبع اور مصدر احادیث معصومین میں اختلاف ہے لہٰذا آپ پہلے ائمہ کو وہی کہئے جو مراجع کرام کو کہتے ہیں تاکہ ہم کو آپ کا مذہب پتہ چل جائے اسی لئے ہم ہر حدیث کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کرتے اس لئے کہ ہم کو معلوم ہے کہ ائمہ طاہرین کی احادیث میں دشمنوں نے خوب خوب رخنہ اندازی کی ہے اسی لئے تمام دینی مسائل میں علماء مراجع کرام ایک ایک روایت اور حدیث کو سمجھنے کے لئے مدتوں تفحص کرتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں پھر فتوی دیتے ہیں اور چونکہ حدیث مختلف ہے لہٰذا فتاوی میں اختلاف نا گزیر ہے۔

جیوٹی وٹی کا جو آپ نے حوالہ دیا ہے تو اس شیعہ عالم کا نام تو بتایئے مراجع کرام کے نام تو آپ لے سکتے ہیں اور وہ بھی توہین آمیز الفاظ میں مگر ٹی وی میں آنے والے مولانا کا نام لینے سے آپ گریز کر رہے ہیں کیوں آخر یا تو اسکی وجہ یہ ہو کہ وہ آپ کے رشتہ دار ہیں یا پھر انہوں نے اصلاً اس قسم کی کوئی بات ہی نہیں کہی یہ بھی آپ کا سفید جھوٹ ہے اس لئے کہ مراجع کرام نے نماز میں ہاتھ باندھنے کو مبطل نماز جانا ہے

اگر وقت ہو تو مراجع کرام کی توضیح کی طرف مراجعہ فرمالیجئے گا۔

صفحہ نمبر ۴۰، پہ آپ فرماتے ہیں: الٹا چور کو توال کو ڈانٹے کے عنوان سے کہ یہ سب جاننے کے بعد کیا یہ بات باعث حیرت نہیں ہوگی کہ جو لوگ اختلاف پیدا کرنے کی مشین ہیں انہیں تو مرکز اتحاد کہا جائے اور وہ صاحب حمیت لوگ جو ان اختلافات کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے ہوں اور اختلافات کی نشان دھی کرتے ہوں لوگوں کو ان سے آگاہ کرتے ہوں اور ان کا مکمل رد کرتے ہوں خود ان پر ہی انتشار پھیلانے کا الزام لگایا جائے۔

جناب باقر صاحب اگر آج دین مذہب قوم پر کوئی برا وقت آجائے اور آپ اپنے صنف کے افراد کو بلانا چاہیں تو کتنے لوگوں کو جمع کر سکتے ہیں شائد ایک آدمی بھی آپ کی آواز پر لبیک نہ کہے اور اگر یقین نہ ہو تو بلا کر دیکھ لیجئے بھی مگر مراجع کرام جو واقعاً اتحاد و انسجام کا مرکز ہیں اگر حکم دیں دیں تو کم از کم ان کے مقلدین پر تو واجب ہے ہی کہ وہ باہر نکل آئیں اور صرف مکلفین ہی نہیں بلکہ اگر دین ومذہب وملت خطرے میں ہو تو ہر شخص آمادہ شہادت ہو جاتا ہے آقائے شیرازی کا تمبا کو کا فتوی نیز آقائے خمینی کے مسلسل احکام کہ آج گھر میں رہنا تنہا حرام ہے اور سڑک پر نکلنا واجب ہے آج جمعہ میں شرکت عام جمعوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ان احکام کے بعد لاکھوں کڑوڑں لوگوں کا گھر سے باہر آجانا جب کہ معلوم تھا کہ مارے جائیں گیں شہید کر دئے جائیں گیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مراجع کرام مرکز اتحاد ہیں مراجع کرام نائب امام ہیں جن کی آواز میں اتنی کشش اور دم ہے کہ ماں اپنے بیٹے کو قربان کر رہی ہے بھائی اپنے بھائی کو مقتل روانہ کر رہا ہے اور آج رہبر انقلاب نیز عراق میں آقائے سیستانی اور لبنان میں حسن نصر اللہ اگر ان تین شخصیت کو درمیان سے ہٹالیا جائے تو شائد استعمار کو ایک دن بھی ان ممالک کو فتح کرنے میں نہ لگے مگر یہ وہ لوگ ہیں جن طاقت کا استعمار کو بھی بخوبی علم ہے کہ اگر انھوں نے اپنی اجتہادی قوت کو مرجیعت کی قوت کو استعمال کر لیا تو پھر منہ چھپانے کا راستہ نہیں ملے گا۔

ہاں اگر آپ خود کو اتحاد کا مرکز سمجھ رہے ہیں تو ایک اتحادی مظاہرہ کر کے دکھلا دیجئے تو آپ کو آپ کی

حیثیت کا علم خود ہی ہو جائے گا کتنے لوگ آپ کی اتحادیہ میں شامل ہیں۔

قوم شیعہ میں بہت سے مسائل ہیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے آپ کو صرف فقہی مسائل میں کیوں اختلاف نظر آرہا ہے اس کا مطلب ہے کہ کوئی تو ہے اس پردہ میں جو آپ کو استعمال کر رہا ہے۔

مال کا درد آپ کو زیادہ ہے کہیں خمس کی مخالفت کہیں زکوۃ کی مخالفت کہیں دیگر رقومات شرعیہ کی مخالفت اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آج تک کسی نے آپ کے کردار کو مدنظر رکھکر خمس وزکوۃ کی رقم آپ کو نہ دی ہو گی۔

اور جہاں تک آپ کے کڑھنے کا مسئلہ ہے کڑھتے رہیئے اور کڑھ کڑھ کے مرجایئے انشاء اللہ جس مقام پر آپ ہیں اس سے پست ہی ہونگے بلندی نصیب نہ ہو گی کم از کم دس سال سے زیادہ ہو گئے ہیں آپ کی کتابوں کو چھپے ہوئے ذرا انہیں کتابوں کو بیچ لیا ہوتا جو پہلی بار چھپی تھیں کچھ اپنے ان افراد میں اضافہ کر لیا ہوتا جو روز اول آپ کے ساتھ تھے، اگر تقلید واجتہاد کے خلاف آپ نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا ہی لی ہے تو کبھی یہ بھی دیکھ لیجئے کہ اس مسجد میں تمام ماموین کتنے ہیں خالی دعوی کرنے سے کام نہیں چلتا اور جب آپ اپنے آپ کا محاسبہ کرئے گیں تو محسوس کرینگے کہ آپ کتنے تنہا ہیں کوئی آپ کی بات کو سننے والا نہیں ملے گا ہاں یہ جو کچھ بھی آپ کر رہے ہیں اس کا فائدہ ضرور آپ کو ہوا ہو گا کہ اس ضمیر فروشی، دین فروشی، مذہب فروشی میں آپ کو اور آپ کی چند پشتوں کو بغیر زحمت شکم پری کا سامان مہیا ہو جائے گا۔

جناب باقر نثار صاحب

اور واقعہ غدیر سے عداوت

لیجئے قارئین کرام اب جناب باقر نثار زیدی صاحب کی حقیقت سامنے آتی ہے اور ان کے عقیدے کی پختگی، اب اس عبارت کے بعد ہر شیعہ عاقل اور تعصب سے دور انسان سمجھ سکتا ہے کہ جناب باقر نثار صاحب دین اسلام تشیع اور ائمہ طاہرین کے سلسلے میں کیا کیا نظریہ رکھتے ہیں ہم نے مختلف مقامات پر ان کی تحریر میں چھپے محمد وآل محمد سے دشمنی کی طرف قارئین کرام کو متوجہ کیا ہے مگر ممکن ہے باقر صاحب نثار صاحب کہہ دیں کہ یہ آپ کی رائے ہے اور آپ کے فکر کی اختراع مگر اب ان کے جملات بغور دیکھئے اور سمجھئے جہاں انہوں نے بالکل واضح الفاظ میں اپنا نظریہ اور اپنے دل کی بات اور کہہ ڈالی اور کیوں نہ کہتے اس لئے کہ حق وفا بھی تو ادا کرنا ہے۔

صفحہ نمبر ۴۰ پہ آخری پیرا گراف ،آپ اختلاف کی باتیں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو حضرت ختمی مرتبت کو اعلان کرنا ہی نہیں چاہیے تھا کیونکہ غدیر سے پہلے تمام مسلمان متحد تھے اور مسلمانوں میں اصل پھوٹ اور تفرقہ غدیر کے دن ہی پڑا ہے (اعلان حق کو تفرقہ کہنا منافق کا ہی کام ہو سکتا ہے)۔

یہ آخری جملہ اعلان حق کو تفرقہ کہنا منافق کا ہی کام ہو سکتا ہے مولانا نے اپنے دفاع میں کہا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے وہ ثابت کر رہے تھے کہ ہم لوگ مرجعیت اور تقلید کے خلاف آواز اٹھا کر تفرقہ نہیں ڈال رہے ہیں بلکہ اعلان حق کر رہے ہیں اور دلیل کے طور پر غدیر کے واقعہ کو لیکر آتے ہیں لہٰذا محترم قارئین اس جملے سے مشوش نہ ہوں۔

مذکورہ مکمل عبارت کو پڑھنے کے بعد معاملہ بالکل روشن ہے اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جناب

باقر نثار صاحب تشیع کے کس قدر مخلص ہیں ان باتوں کے جاننے کے بعد ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جناب استعمار کے آلہ کار ہیں اور ان کا مقصد قوم شیعہ میں سوائے افتراق کے اور کچھ نہیں کیا اس قسم کے نظریات کے حامل انسان کو کوئی شیعہ قبول کریگا؟

واقعہ غدیر تاریخ اسلام کا وہ واقعہ ہے جہاں صرف اتحاد ہی اتحاد نظر آتا ہے جہاں ہر قسم کے لوگ ہر قبیلے کے افراد نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور ولایت علی کا اقرار کیا ہے دراصل اختلاف کا سبب غدیر نہیں سقیفہ ہے جہاں امت مسلمہ میں اختلاف کا بیج بویا گیا تھا آج تک امت مسلمہ حیران وسر گرداں ہے سارے اختلافات کی اصلی جڑ سقیفہ ہے نہ کہ غدیر اور سقیفہ کے اختلافی ہونے کو ہی جناب باقر صاحب کم وزن کرنے کے لئے غدیر کو اختلافی بتارہے ہیں واقعہ غدیر وہ واقعہ ہے جس کو غدیر کے بعد سے لیکر آج تک ہر زمانہ میں ہر مورخ محدث مفسر نے نقل کیا ہے وہ چاہے متعصب سنی ہو یا شیعہ یہودی قلمکار ہوں یا پھر عیسائی رائٹر۔ صحابہ کرام ہوں یا تابعین امہات المومنین ہون یا پھر گھروں کی کنیزیں ۔مگر باقر نثار صاحب کو یہ واقعہ اختلافی نظر آرہاہے اور سقیفہ کے سلسلے میں کوئی تبصرہ نہیں ہے۔

واقعہ غدیر کے مرکز اتحاد ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو مندرجہ ذیل لوگوں نے ہر زمانہ میں صحیح طریقوں سے نقل ہے صاحب الغدیر نے ۳۹ صحابہ کرام اور صحابیہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اگرچہ دوسری کتابوں میں اس سے زیادہ کی تعداد بھی نقل ہوئی ہے[1] تابعین سے ۸۴/ افراد نے حدیث غدیر کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے یہ وہ لوگ تھے جو قرن اول میں زندگی گزار رہے تھے البتہ دوسرے قرون میں بھی واقعہ غدیر بھلایا نہیں گیا بلکہ ہر قرن میں متعدد افراد نے واقعہ غدیر کو نقل کیاہے۔

قرن دوم میں حدیث غدیر کے ناقلین کی تعداد ۵۶/ ہے قرن سوم میں اس حدیث کو نقل کرنے والوں کی تعداد بڑھکر ۹۲/ تک پہنچ گئی قرن چہارم ۴۳/ افراد قرن پنجم میں ۲۴/ لوگ قرن ششم ۲۰/ لوگ

[1] الغدیر متعدد جلد ہیں۔

قرن ہفتم میں ۲۱/لوگ قرن ہشتم میں ۱۸/لوگ قرن نہم میں ۱۷/لوگ قرن دہم میں ۱۴/افراد قرن یازدہم میں ۱۳/لوگ قرن سیزدہم میں ۱۲/ لوگ قرن چہاردہم میں ۱۹/لوگ (یہ ان علماء کا ذکر ہے جو اہلسنت سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ ہر قرن میں سینکڑوں جلدیں کتاب شیعوں کی طرف سے واقعہ غدیر پہ لکھی گئی ہیں)۔

حدیث غدیر کے متواتر ہونے کے سلسلے میں ۱۲ علماء اہلسنت نے اعتراف کہا ہے جب کہ حدیث غدیر کے صحیح ہونے کے سلسلے میں ۳۰۷/سے زائد مورخین و محدثین اہلسنت نے اقرار کیا ہے۔[1]

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے خطبہ فدک میں ایک مقام پہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری اطاعت ملت کو منظّم کرتی ہے اور ہماری امامت تفرقہ سے فرقہ فرقہ ہونے سے لوگوں کو بچاتی ہے[2] ان سب کے علاوہ جہاں جہاں بھی خطبہ فدک موجود ہے یہ جملہ مل جائیگا اب ہم جناب باقر نثار صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرا تو خود کو اور اہلبیت علیہم السلام کو مرکز اتحاد بتا رہی ہیں اور آپ ہیں کہ ان سے مربوط ایک اہم ترین واقعہ کو اختلاف سے تعبیر کر رہے ہیں قارئین کرام اب آپ خود فیصلہ کریں کہ ہم باقر نثار کی بات مانیں یا حضرت فاطمہ کی بات کو قبول کریں جب کہ جناب باقر صاحب نے اپنی کتاب فساد میں جگہ جگہ تحریر کیا ہے کہ ہم مراجع کرام کی بات کو مانیں یا ائمہ طاہرین کی باتوں کو اب ہمارا سوال ہے جناب باقر صاحب ہم آپ کی بات مانیں یا پھر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اگر اب بھی نہیں سمجھتے تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

صفحہ نمبر ۱۴، میں جناب باقر صاحب نے «**کہا گیا**» کہ عنوان سے بہت ساری تہمتیں مراجع کرام پہ لگا

---

[1] بخاری ج ۱،۳۷۵؛ انساب الاشراف ج۲، ۱۰۸؛ خصائص سنائی، ۱۶؛ الاستیعاب ج۳، ۱۰۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۲۹۰،؛ شواہد التزیل ج۱، ۲۰۱؛ ربیع الابرار ج۱،۸۴؛ تفسیر رازی ج۳، ۶۳۶؛ اسدالغابه ج ۱، ۳۶۴؛ فرائد السمطین ج ۲،۲۷۴؛ البدایة والنہایة ج۵ ،۲۰۹؛ مقدمه این خلدون ج۱ ،۲۴۶ الاصابه ج۷،۸۰؛ تاریخ الخلفاء،۱۱۴؛ ہوالحق المحرقه، ۲۵؛ مسدرک حاکم ج۳ ، ۱۰۹؛ فتح اللباری ج۷ ،۶۱۔

[2] منشورداد خواہی، علی کرمی فریدنی، ص۲۴۳؛ زندگانی فاطمه زہرا (س)، جعفر شہیدی، ص۱۲۹۔

ڈالیں البتہ کسی مرجع کا نام استعمال نہیں کیا جناب باقر صاحب آپ کو تو شک وشبہ کو جہل اور اختلاف کی جڑ سے تعبیر کرتے ہیں پھر آپ کیوں مشکوک باتیں کرتے ہیں لفظ «**کہا گیا**» اس وقت کہا جاتا ہے جہاں انسان قائل کو نہ جانتا ہو اگر قائل کے بارے میں علم نہیں تو پھر شک کا سہارا لیکر کیوں اپنی جہالت کا اقرار کر رہے ہیں یا پھر اگر ہمت ہے اور یقیناً آپ کے اندر خوب ہمت ہے تو پھر کیوں نہیں نام لکھتے کیوں نہیں کتاب کا نام لکھتے ہیں بس یہ کیوں لکھا کہ «**کہا گیا**» ہے۔

آپ نے لکھا کہ «**کہا گیا**» کہ کیسی مسئلے میں حکم شریعت نہ ملنے کی صورت میں ایک بندہ جائز الخطاء کو یہ حق مل جاتا ہے کہ وہ اپنے ظن وقیاس سے کام لیکر خود ہی اس مسئلے کا حل کر لے اور لوگوں پر مسلط کر دے۔

«**کہا گیا**» کہ ایسے ظنی اور قیاسی احکام پر عمل کئے بغیر کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوگا۔

«**کہا گیا**» کہ اگر ایک ہی مسئلے میں ایک طرف حکم معصوم ہو اور دوسری طرف مجتہد کا فتوی تو حکم معصوم کو چھوڑ کر مجتہد کے فتوے پر عمل کیا جائے گا۔

«**کہا گیا**» کہ فتووں میں اختلاف کے باوجود ہر مجتہد صحیح ہے اور کس کو بھی غلط نہیں کہا جاسکتا۔

«**کہا گیا**» کہ ایک عام آدمی کے لئے قرآن واحادیث معصومین (معاذاللہ) بیکار چیزیں ہیں کیونکہ ان دونوں چیزوں کو سوائے مجتہد کے اور کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا عام آدمی کے لئے ان چیزوں کا مصرف صرف طوطے کی طرح رٹنا اور بیٹیوں کو جہیز میں دینا اور مردے بخشنا رہ گیا ہے۔

«**کہا گیا**» کہ مجتہد تنقید سے بالاتر کوئی شے ہے اسلئے کہ اسکی بات پتھر پر لکیر ہوتی ہے حالانکہ وہ خود اس بات کا مدعی نہیں اور ہر بات میں اور اپنے فتوے میں اشکال رکھتا ہے۔

«**کہا گیا**» کہ مجتہد ہمیں اپنے فتووں کی صورت میں احکام معصومین ہی بتاتا ہے۔

«**کہا گیا**» کہ مجتہد کا حضرت صاحب الزمان سے رابطہ رہتا ہے اور وہ بالمشافہ ان سے ملاقات کرتا ہے اور مسائل دریافت کرتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام باتیں باقر نثار صاحب کی تہمتیں ہیں جو انہوں نے مراجع کرام پر لگائی ہیں اس لئے کہ ان تمام مقولہ کا نہ قائل معلوم ہے نہ کتاب کا حوالہ ہے اور یہ تمام باتیں مولانا نے مراجع کرام کے بیانات سے قیاس کر کے اپنا نظریہ لکھا ہے اور اسلام میں اس قسم کے قیاس کرنے والوں کو کن کن الفاظ سے نوازا گیا ہے مولانا خود خوب جانتے ہیں البتہ جو کچھ مولانا نے لکھا ہے صد در صد جھوٹا الزام ہے اس قسم کا نظریہ نہ کسی مجتہد کا ہے نہ مرجع تقلید کا اور جہاں تک حکم شریعت نہ ملنے کا مسئلہ ہے تو ہمارے ائمہ نے کوئی موضوع ایسا نہیں چھوڑا ہے جس میں مسئلہ موجود نہ ہو مگر چونکہ ہماری روایات وحدیث میں جو دشمنوں نے رخنہ اندازی کی ہے اور اس قدر کہ ہم ہر حدیث وروایت کو آنکھ بند کر کے تسلیم نہیں کر سکتے اور نہ آپ ہر حدیث وروایت پر صد در صد یقین کر سکتے ہیں لہٰذا ہمارے مراجع کرام علوم حدیث وروایت کی روشنی میں جو کچھ اخذ کرتے ہیں اور روایات سے سمجھتے ہیں کیسی حد تک (صد در صد نہیں) یقین پیدا کر کے فتوی دیتے ہیں اسی لئے ہر مسئلہ کے آخر میں واللہ اعلم لکھتے ہیں رہ گئی بات کہ ایک ہی مسئلے میں اگر حکم معصوم ہو اور دوسری طرف مجتہد کا فتوی تو قول معصوم کو ٹھکرا دینگے تو یہ بالکل غلط ہے کیسی مجتہد کا یہ دعوی نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے تقلید کر لی ہے اور علوم حدیث سے واقف بھی نہیں ہیں (صرف علم حدیث ہی حدیث فہمی کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ دیگر بہت سے علوم کا جاننا ضروری ہے جس کا تذکرہ تاریخ حدیث میں گزار چکا ہے) تو ایسی صورت میں آپ اپنے مجتد کے فتوے پر عمل کرینگے اور وہ فتوی بھی روایت وحدیث سے ہی اخذ کر کے مجتہد دیتا ہے اپنی طرف سے نہیں جہاں تک فتووں میں اختلاف کا مسئلہ ہے وہ ہم آیندہ ذکر کرینگے کہ فتووں میں کیوں اختلاف ہے تاکہ باقر صاحب کا یہ نظریہ بھی باطل ہو سکے کہ مراجع کرام کے فتاوی صرف اختلاف کا سبب ہیں۔

اگر مراجع کرام کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث بیکار چیزیں ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو پھر بیکار خود ان کے لئے بھی ہیں صرف عوام الناس کے لئے نہیں پھر مراجع مرام کیوں قرآن وحدیث ہی کو فتوی اخذ کرنے کا منبع اور ماخذ قرار دیتے ہیں یہ تہمت اور افتراء ہے مراجع کرام کی ذات والا صفات پر آپ کی

طرف سے اور کسی مجتہد نے نہیں کہا کہ آپ صرف تقلید کیجیے بلکہ ہر مجتہد تقلید کی بحث میں کہتا ہے کہ سب سے پہلے آپ خود مجتہد ہوں اگر نہیں ہو سکتے تو تقلید کیجئے لہٰذا جو مجتہد ہو جائے گا وہ لامحالہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع کریگا مراجع کرام کا یہ حکم اس بات پر دلیل ہے کہ سارے مراجع کرام چاہتے ہیں کہ ہر شیعہ عالم و مجتہد ہو اگر نہ ہوسکے تو تقلید کرلے آپ نے جو یہ فرمایا کہ ہر مجتہد تنقید سے بالاتر ہے تو اگر مجتہد امام کی اس حدیث کا مصداق ہو گا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ دین کا محافظ ہوا وہوس کا شکار نہ ہو دنیا کے لئے حریص نہ ہو تو اس کی تقلید کرو وہ تم پر حجت ہیں اور ہم ان پر حجت ہیں اور ہم جب یہ سب دیکھ کر کسی کی تقلید کرتے ہیں تو یقیناً پھر ہم کو تنقید کا کوئی حق نہیں ہے ہاں جو لوگ اس حدیث کے مصداق نہیں ہیں ان کی نہ تقلید جائز ہے اور نہ وہ تنقید سے بالاتر ہیں جہاں تک ان کے اپنے دعوے کا مسئلہ ہے تو کوئی بھی انسان خود کو معصوم نہیں تصور کرتا وہ مراجع کرام ہوں یا عام آدمی ہمارے یہاں معصوم صرف چودہ ہیں اس کے علاوہ عصمت کا دعوی کوئی نہیں کرتا کیا آپ روایات واحادیث پہ عمل کرنے کے بعد خود کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں؟

یقیناً مجتہد اپنے فتووں کے ذریعہ ہمیں احکام معصومین سے آگاہ کرتے ہیں اور اپنے اس دعوے میں وہ سچے ہیں اس لئے کہ کیسی بھی مجتہد نے آج تک یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ اپنے تمام فتاوی کو روایات واحادیث کے بغیر اخذ کرتا ہے۔

جہاں تک امام زمانہ سے ملاقات کا مسئلہ ہے ہم نے مفصل اس بارے میں ایک باب قائم کرکے کافی وشافی دلیلیں دے دی ہے جسے پڑھنے کے بعد ہمارے محترم قارئین خود فیصلہ کرینگے کہ کون درست ہے اور کون غلط۔

اس مقام پر ہم جناب باقر صاحب کی ابتدائی خرافات کا منھ توڑ جواب دیکر اس باب کو بند کرتے ہیں اور انہوں نے جو ایک اقتباس کے عنوان سے کشف الاباطیل کشف الحقائق کا جو حوالہ دیا ہے اس کا دندان شکن جواب والاعلام سید عابد رضوی کراروی نور اللہ مرقدہ الشریف دے چکے ہیں قارئین ان کی

کتاب یاجواب معرفۃ الدقائق کا مطالعہ کرسکتے ہیں اگر کسی کے پاس نہیں ہے تو مندرجہ ذیل مقامات حاصل کرسکتے ہیں۔[1]

اسی کتاب میں والد محترم نے جناب باقر صاحب کو چیلنج کیا تھا کہ ہم آپ سے مناظرہ کے لئے تیار ہیں آپ جہاں بھی کہتے ہیں ہم حاضر ہوجائے گیں اپنے کرایہ سے اور اگرآپ آنا چاہیں تو جہاں آسکتے ہیں وہاں کا کرایہ رہائش ویزہ وغیرہ کا خرچہ ہم دینگے مگر جناب باقر نثار صاحب نے جواب نہیں دیا اور لومڑی کی طرح دم دباکر کراچی کے کسی گیڈر کالونی میں بیٹھے ہوئے شیعوں میں تفرقہ کا نیا فارمولا تیار کررہے ہیں اگرچہ ان کو خود اپنے اس کارنامے میں منہ کی کھانی پڑی ہے۔

مذکورہ چیلنج ہماری طرف سے بھی باقر نثار صاحب کو ہے دنیا کے جس کونے میں دعوت دیں ہم مناظرہ کے لئے تیار ہیں اپنے خرچے سے آئے گیں رہے گیں اور واپس آجائے گیں لیکن اگر وہ آنا چاہتے ہیں تو دنیا کے جس کونے میں کہیں ہم جائے گیں اور انکا مکمل خرچ اٹھانے کو تیار ہیں اگرچہ ہم کو معلوم ہے کہ وہ اس مرتبہ بھی اپنے بل سے نہیں نکل سکے گیں اسلئے کہ ان کو اپنے باطل ہونے کا یقین ہے۔

ورنہ پہلے چیلنج کا جواب ضرور دیتے ہمارا دعوی ہے کہ ہم حق پہ یہ ہیں اور دلیل کے طور پر چیلنج کررہے ہیں اگرآپ حق پر ہیں تو ہمارے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میدان میں آجایئے۔

بہرحال اب ہم اصل مطلب کی طرف آرہے ہیں اور وہ ہے مراجع کرام کے فتاوی میں اختلاف جس کو مولانا نے تضاد سے تعبیر کیا ہے لہٰذا ہم ہر اس مسئلہ کا جواب دینگے جہاں باقر صاحب نے اپنے دلیل کے لئے روایت کے تذکرہ کیا ہے اگرچہ پوری کتاب کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے مگر چونکہ کتاب طویل او ر ہم اصل مطلب سے دور ہوجائے گیں۔ اس لئے ہر اس جگہ کا جواب دینگے جہاں باقر صاحب نے روایت کا سہارا لیا ہے۔

---

[1] حوزہ علمیہ امام خمینی گولڈن پارک ،وٹوا،احمد آباد گجرات ہند۰۰۹۱۷۹۲۵۸۹۲۷۸۶ و ادارہ اصلاح مسجد دیوان ناصر علي روڈ لکھنو۔

ہاں ایک بات اس مقام پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ باقر صاحب نے ہر مسئلہ کے بارے میں روایت کا سہارا نہیں لیا بلکہ بعض مقام پر روایت نقل کی اور بقیہ جگہ صرف اختلافی مسئلہ نقل کر کے آگے نکل گئے ہیں۔

جناب باقر صاحب کی کتاب کشف التضاد، تضاد کا مجموعہ ہے جسے ہم گاہے بگاہے خود ان کی کتاب سے نقل کر کے قارئین کو آگاہ کرتے رہیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مراجع کرام کے فتوں میں تضاد کو تلاش کرنے والا خود کتنا متضاد ہے۔ فارسی مثل ہے کہ "دروغ گو حافظہ ندارد" ایک جگہ ایک بات کا انکار کرتے ہیں تو دوسری جگہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔ لہٰذا مراجعہ کریں کشف التضاد کے صفحہ نمبر ۴۷ پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث معصومؑ کے سلسلے میں بھی یہ اصول کارفرما ہے کہ ہم کسی خاص راوی کے پابند نہیں ہو جاتے بلکہ جس کسی سے بھی ہمیں اپنا گوہر مراد ملتا ہے ہم لے لیتے ہیں اور یہ ہی حکم دیا ہے حضرت امیر المومنینؑ نے کہ حکمت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے اس کو چاہئے کہ اسے حاصل کرلے چاہے منافق سے ہی کیوں نہ لینا پڑے۔

اور پھر صفحہ نمب ۵۷ پر لکھتے ہیں کہ "آغا خوئی اپنی توضیح میں اسے واجب شرعی بتاتے ہیں اور احتجاج طبرسی اور وسائل الشیعہ سے ماخوذ امام صادقؑ کی ایک ضعیف اور نامکمل حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔"

باقر صاحب کا تضاد دونوں عبارت سے اظہر من الشمس ہے ان کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

ا۔ ہماری کتابوں میں ضعیف اور نامکمل روایات موجود ہیں۔ اور آپ جو کہ علم حدیث و رجال کے منکر بھی ہیں لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کہیں یہ روایت ضعیف ہے یا موثق کس علم کی بنا پر آپ ضعیف و ثقہ ہونے کا معیار بنا رہے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ اپنی بات منوانے کے لئے جو جی میں آئے کہہ دیجئے بعد میں وقت پڑنے پر مکر جائیں گے اور یہ صفت منافقوں کی ہے مومن کی نہیں۔

۲۔ آپ نے اقرار کیا کہ روایات بھی ضعیف ہوا کرتی ہیں۔

۳۔خود آپ کی بات میں تضاد کا ہونا کہ حکمت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے وہ چاہے جو بھی دے لے لو ضعیف ہو یا موثق مومن ہو یا منافق۔ایک طرف آپ آقای خوئی پر ضعیف روایت کا استعمال پر تنقید فرما رہے ہیں دوسری طرف اپنی بات ثابت کرنے کے لئے امام علی کے قول کو نقل کررہے ہیں کہ حکمت مومن کا خزانہ ہے وہ جہاں سے بھی ملے لے لو لہٰذا اس کے اصول کے مطابق آقای خوئی نے اس خزانہ کو لے لیا ہے لہٰذا اب آپ کو تنقید کا حق نہیں۔

۴۔جس طرح کسی ایک باب میں روایت ضعیف ہے اسی طرح ہر باب میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں جس کا ہم تذکرہ کرتے رہیں گے۔اس واضح تضاد بیانی کے بعد قارئین فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

جناب باقر صاحب اپنی کتاب خرافات کے صفحہ ۷۷و۷۶ پر رقمطراز ہیں کہ "اگر کسی عمل کو بعض مجتہدین حرام جانتے ہوں اور کچھ دوسرے مجتہد اسی عمل کے متعلق کہتے ہوں کہ حرام نہیں تو اس عمل کو انجام دینے سے باز رہے ترک کردے۔"

اولاً: اس جگہ پر باقر نثار صاحب کی خیانت عروج پر ہے کہ انھوں نے مسئلہ کو ادھورا لکھا ہے پورا مسئلہ نہیں لکھا کہ خود ان کے حق میں نہیں ہے یعنی مذکورہ فتویٰ میں مراجع کرام متفقہ فرماتے ہیں کہ احکام غیر اصول دین میں یا تو آپ خود مجتہد ہوں یا کسی کی تقلید کریں اور اگر یہ دونوں نہیں کرسکتے تو احتیاط پر عمل کریں مگر اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اگر بعض مراجع ایک عمل کو حرام اور بعض دوسرے حرام نہ جانتے ہوں تو اس کو احتیاط کے طور پر ترک کردے۔تمام مراجع کرام نے پہلے انسان کو مجتہد ہونے کی دعوت دی ہے اس کے بعد تقلید کا باب ہے پھر احتیاط اور احتیاط کا تقاضا وہی ہے جو کہ مراجع کرام نے بتایا ہے اور آپ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔آپ صفحہ ا پر خود لکھتے ہیں کہ اگر آپ کے سامنے پانی سے بھرا ہوا ایک گلاس رکھا ہو اور اس کے بارے میں ایک شخص کہتا ہو کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا نہیں ہے تو اب آپ اپنے دل کو ٹٹول کر دیانت داری سے فرمایئے کہ کیا آپ وہ پانی پئیں گے یعنی ہر محتاط انسان ایسے پانی سے پرہیز کرے گا تو اب شریعت کے مسئلہ میں اگر

ایک چیز ایک مجتہد کے نزدیک حرام اور دوسرے مجتہد کے نزدیک حرام نہیں تو انسان محتاط اس کو ترک کر ہی دے گا۔ قارئین یہ ایک اور واضح تضاد صاحب کشف التضاد کے نظریہ میں۔

ثانیاً: آپ نے فرمایا کہ اس نظریہ سے تقلید کا مسئلہ جڑ سے اکھڑ جائے گا اس لئے کہ تمام مراجع کرام نے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے لہٰذا مقلد ہر مسئلہ کو چھوڑ دے اور تقلید جڑ سے اکھڑ جائے۔ جناب باقر صاحب کا مغالطہ ملاحظہ فرمایا مراجع کرام نے اس مسئلہ کو محتاط کے لئے بیان کیا ہے اور باقر صاحب اسے تمام مقلدین پر حمل کر رہے ہیں یہ بھی ایک خیانت ہے اور خیانت کار اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ قارئین محترم مذکورہ مسئلہ کو پڑھنے کے بعد فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

احکام طہارت[1]

صفحہ ۸۲-۸۱ پر مضاف پانی کی تعریف کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ " یہ ایک اجماعی فتویٰ ہے اور امام خامنہ ای نے ایک مخصوص صورت میں اپنا الگ فتویٰ دیا ہے۔ "

اگر رہبر نے آب مضاف کی تعریف اس طرح کی ہوتی جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے تو آپ کے بقول اختلاف یا تضاد نہ ہوتا۔ اولاً آپ مراجع کرام کو مشورہ دینگے کہ فتوی اس طرح دیا جائے، ثانیاً یہاں آب مضاف کی تعریف کا مسئلہ ہی نہیں ہے ان سے ایک الگ[2] سوال اب مضاف کے سلسلے میں کیا گیا جس کا جواب انھوں نے دیا ہے یہ بھی آپ کی خیانت کاری اور تضاد بیانی کا بولتا ہوا ثبوت ہے کہ آپ مسئلہ کو کہیں کا کہیں ملا کر بیان کر دیتے ہیں تا کہ اپنی بات غلط طریقہ سے عوام کو مغالطہ میں ڈال کر منوالی جائے ۔ایک طرف آپ اجماع کے قائل ہو رہے ہیں کہ یہ ایک اجماعی فتویٰ ہے جب کہ آپ اجماع کے سخت مخالف ہیں دوسری طرف ایک الگ موضوع کے مسئلہ کو لاکر ایک دوسری چیز پر قیاس کرتے ہیں۔ بہر حال اس مسئلے میں آپ پر وہ مثال صادق آتی ہے کہ "مارو گھٹنا پھوٹے سر"

عرف عام میں پانی میں جراثیم مارنے کے لئے جو دوائیں استعمال ہوتی ہیں وہ پانی پر وقتی اثر انداز ہوتی ہیں پھر دھیرے دھیرے وہ پانی نارمل پانی کی طرح ہو جاتا ہے اس میں نہ دوا کا رنگ رہ جاتا ہے نہ بو نہ ذائقہ اور اس قسم کی دوائیں پانی کے مضاف ہونے پر صادق نہیں آتیں اس لئے کہ آب مضاف کی

---

[1] مسائل جو مراجع کرام کے باقر صاحب نے نقل کئے ھیں ھم ان کو یھاں پر نقل نھیں کررھے ھیں صرف اشارہ کرینگے اور جھاں فتواي میں اختلاف ھے اس کو ذکر کردینگے ورنہ کتاب بھت طویل ھوجائے گي۔

[2] رھبري سے سوال کیا گیا کہ پاني صاف کرنے والے کیمیکل کو پاني میں ملانے سے کیا پاني مضاف ھو جاتا ھے جس کا آپ نے جواب دیا اور باقر صاحب نے اسے مضاف کي تعریف سمجھ لي۔

تعریف یہ ہے کہ اس سے لفظ پانی سلب کرلیا جائے مثلاً شربت، انگور کا جوس، کیچڑ یا مٹیالہ پانی وغیرہ۔

مقدارکر

جناب باقر صاحب نے کُر کے مسئلہ میں مراجع کرام کے فتووں کو بیان کرکے فرماتے ہیں کہ یہ مراجع کرام کے فتووں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ کُر کی مقدار میں لمبائی چوڑائی یا گہرائی یا وزن کے اعتبار سے اختلاف دراصل اس لئے بھی ہے کہ جو وزن ائمہؑ طاہرینؑ کی روایت میں استعمال ہوا ہے وہ عراق میں کسی وزن کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسی عراق کے ایک دوسرے شہر میں الگ اس کے معنی اور وزن ہیں جب کہ مکہ میں اس کا وزن کچھ اور ہے اور شام میں کچھ اور۔

جب کہ لمبائی چوڑائی اور گہرائی میں بھی اختلاف اس لئے ہوا کہ روایات میں اختلاف ہے بعض روایت کہتی ہیں کہ تین تین بالشت دیکھا جائے گا اور بعض روایت میں ساڑھے تین بالشت کا تذکرہ ہے لہٰذا اس اعتبار سے خود وزن میں بھی زیادتی ہوجائے گی جو مراجع کرام کا اختلاف یا تضاد نہیں ہے یہ باقر نثار زیدی کے شیطانی فکر کی خرافات ہے ملاحظہ ہو اس مسئلے میں بہت سی روایت ہماری کتب اربعہ میں موجود ہیں ہم ان کا ترجمہ یا صرف اشارہ پیش کررہے ہیں، «الماء الذی لا ینجسه شیی الي آخره»،[1] حدیث نمبر ۳ میں ساڑھے تین بالشت کا ذکر ہے۔ روایت ہے امام صادقؑ سے اور حدیث ۷ میں تین بالشت کا ذکر ہے اور روایت بھی امام صادقؑ سے ہی ہے جب کہ حدیث ۶ میں ۱۲۰۰/رطل کا تذکرہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ کُر لمبائی، گہرائی، چوڑائی میں تین بالشت اور وزن میں ۱۲۰۰/رطل مدنی ہونا چاہئے۔[2]

---

[1] فروع کافی جلد ۳، باب ۲

[2] من لا یحضره الفقیه جلد ۱ ، صفحه ۷۶

استبصار کے حدیث نمبر ا[1] میں تین بالشت کا تذکرہ ہے اور حدیث نمبر ۳ میں ساڑھے تین بالشت کا تذکرہ ہے۔ حدیث ۵ میں جو کہ باب ۲ کی پانچویں حدیث ہے نیز حدیث ۱۵ اور ۱۶ میں مقدار کر ۶۰۰ رطل بتائی گئی ہے۔ کہاں بارہ سو کہاں چھ سو۔ جناب باقر نثار زیدی صاحب اور ہمارے محترم قارئین فیصلہ کیسے ہو کہ روایت کون سی صحیح ہے اس لئے کہ باقر صاحب نہ علم حدیث و رجال کے قائل ہیں نہ علوم حدیث فہمی کے۔ دوسری طرف یہ جو ۴۰۰ صفحہ کی کتاب آپ نے تضاد کے عنوان سے لکھی ہے اس کا خلاصہ تو پہلے ہی چند صفحات میں ہو گیا کہ اگر یہ تضاد اور اختلاف واقعی ہے تو اس کے ذمہ دار نعوذ باللہ ائمہ طاہرینؑ ہیں اس کے کہ ان کے کلام میں تضاد و اختلاف پایا جارہا ہے یا پھر مان لیجئے کہ ہر حدیث قابل قبول نہیں ہے اور یہ کام ہر انسان کے بس کا نہیں ہے لہٰذا مراجع کرام ان تمام احادیث کی جانچ کرنے کے بعد اس منزل تک پہنچتے ہیں جہاں پہ کہا جاتا ہے کہ تمام روایات و حدیث پر نظر کرنے کے بعد میں اس سے یہ سمجھا ہوں اور پھر فتویٰ دیتے ہیں کیا اب بھی باقر نثار صاحب اپنے دعوے پر باقی ہیں، اگر باقی ہیں تو پھر دیوانے کو سینگ نہیں ہوتی ہے۔ اگرچہ ہم چاہتے تو اس ایک مسئلہ پر کتاب تمام کر دیتے مگر باقر صاحب کی نفسیات سے ہم واقف ہیں وہ فوراً عوام کو بہکا دیں گے کہ صرف ایک باب میں اختلاف ہے باقی میں نہیں لیکن ہم ہر باب سے چند احادیث اور نقل کریں گے تاکہ پتہ چل جائے کہ ہماری احادیث میں کتنی خرد برد ہوئی ہے اور ہمارے مراجع رام کتنی زحمت سے ایک مسئلہ اخذ کرتے ہیں۔[2]

آپ قلیل کے سلسلے میں بھی جناب مؤلف کشف التضاد نے علمی خیانت کی ہے آپ نے صفحہ نمبر ۸۴ و ۸۵ پہ جو فتوے لکھے ہیں وہ ناقص ہیں، خمینی صاحب کا تو فتویٰ مکمل لکھا مگر خوئی صاحب کے فتوے کو ادھورا لکھا[3] اور بقیہ وہی فتویٰ جو خمینی صاحب کا ہے وہی آقائے خوئی کا بھی ہے اور بقیہ مراجع کرام کا

---

[1] استبصار جلد ۱، صفحہ ۱۲، ۱۳ حدیث ۲۔

[2] نوٹ: کتاب کا حوالہ چاپ اور نشرکی تاریخ کے اعتبار سے ہے لہٰذا آخر میں تفصیلی حوالہ دیکھ کر کتاب دیکھئے گا۔

[3] خمینی صاحب کا فتوی ھے آب قلیل اس پانی کو کھتے ھیں جو زمین سے ابلتا نہ ھو اور کر سے کم ھو۔

بھی قارئین کرام مراجع کی توضیح اٹھا کر آب قلیل کے ذیل میں دیکھ سکتے ہیں اور جناب باقر صاحب کی خیانت اور مغالطہ کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

بارش کا پانی

جناب باقر نثار صاحب نے اس مسئلہ میں بھی مغالطہ سے کام لیا ہے اور جو روایت آپ نے من لایحضرہ الفقیہ کی حوالہ کے طور پر لکھی ہے وہ ہمارے مراجع کرام کی تائید ہے اس لئے کہ ہمیشہ قاعدہ یہ رہا ہے کہ ایک بات کہی جاتی ہے دوسری بات سمجھی جاتی ہے مثلاً اگر کوئی کہتا ہے میں کھڑا ہوں تو اس کا مطلب سامنے والا خود سمجھ لیتا ہے کہ بیٹھا نہیں ہے۔ اسی طرح امام نے جو فرمایا ہے کہ زیادہ پانی ہو تو ہمارے علماء نے شرط اس لئے بھی نہیں لگائی کہ پانی جو بہنے لگے وہی زیادہ ہوگا اور اتنا کہ سرایت کر کے چھت کے نچلے حصہ تک پہنچ جائے چند قطرے بارش سے پانی نہ بہتا ہے نہ سرایت کرتا ہے، نہ چھت کے نچلے حصہ میں آتا ہے۔ لہٰذا میں اس جگہ پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ بقول آپ کے اپنی کتابوں کو کتاب العقل سے شروع کرنے والا کتنا بے عقل ہے کہ اس کو چھوٹی چھوٹی بات سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

طہارت مقام پیشاب

باقر صاحب نے اس جگہ پر بھی اپنی کم علمی اور کم عقلی کا ثبوت دیا ہے اس لئے کہ معصومؑ سے متعدد روایات اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں جس میں تین مرتبہ[1] اس حدیث میں ثلاث مرات کا ذکر امامؑ نے کیا ہے نیز اسی کتاب کا ذکر ہے کہ حدیث نمبرے میں کہا گیا ہے جتنا پیشاب ہو اس کے برابر دھو لیا جائے۔ لیجئے جناب اہل اخباری اور جناب باقر صاحب جو صرف روایت کو مدرک مانتے ہیں وہ آج سے ناپنے والے آلے لے کو بیت الخلاء میں جائیں گے اور جتنا پیشاب کیا ہے اس کو ناپیں پھر اتنا ہی ناپ کر پانی لیں اور پھر استنجاء کریں۔ روایت میں ایک مرتبہ بھی میں دھونے کو کہا گیا ہے۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱ صفحہ ۳۴۴ اس باب کی حدیث ۶ اور کتاب کے لحاظ سے حدیث ۹۱۲۔

اس کے علاوہ جناب باقر صاحب دلالت کے طور پر جس حدیث کا تذکرہ اپنی کتاب کشف التضاد کے **صفحہ ۸۹** پر کیا ہے وہ بھی مذکورہ موضوع سے الگ ہے اس لئے کہ مقام پیشاب کی طہارت الگ ہے اور اگر پیشاب کسی چیز پر لگ جائے تو اس کی طہارت الگ ہے لہٰذا اس جگہ پر بھی وہی مثل لکھنے کو دل چاہتا ہے کہ "مارو گھٹا پھوٹے سر" اس لئے کہ آپ نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے اسمیں امام رضا (ع) نے فرمایا ہے کہ اگر پیشاب بدن پر لگ جائے تو اس پر دو مرتبہ پانی ڈالیں، مقام پیشاب الگ ہے پورا بدن الگ مقام پیشاب کے پاک ہونے کا مسئلہ الگ ہے اور بدن پر لگے پیشاب کا مسئلہ الگ۔

مسئلہ استنجاء

صفحہ ۸۹ پر ہی آپ مراجع کرام کے فتاویٰ مقام پائخانہ کو پاک کرنے کے سلسلے میں لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ آغا خمینی اور آغا خوئی کے فتوؤں میں واضح اختلاف ہے اور لنکرانی صاحب نے تو کمال ہی کر دیا الخ۔

خوئی صاحب اور خمینی صاحب کے فتوؤں میں کسی قسم کا اختلاف نہیں اختلال واختلاف آپ کے ذہن کا ہے خوئی صاحب نے تین الگ الگ پتھروں اگر ذکر کیا ہے تو خمینی صاحب کا بھی مطلب وہی ہے بس انھوں نے تین کا لفظ نہیں لکھا اسی طرح جو نظریہ خمینی صاحب کا ہے کہ ایک ہی پتھر تین دفعہ استعمال کر سکتے ہیں اگر بڑا ڈھیلا ہو اور الگ الگ کونے ہوں وہی نظریہ آقائے خوئی کا بھی ہے کہ مقام کہ مقام پائخانہ کو تین دھیلوں یا اگر ایک بڑا ڈھیلا ہے تو تین کونوں سے صاف کیا جائے۔ اور جہاں تک فاضل صاحب کا مسئلہ ہے رہے آپ سمجھ نہیں سکے (کتاب العقل سے اپنی کتاب کی ابتداء کرنے والا کتنا بے عقل ہے) فاضل صاحب نے لکھا ہے کہ مقام پائخانہ کو تین صورتوں کے علاوہ پتھر وغیرہ پاک کر سکتے ہیں وہ تین صورتیں یہ ہیں پائخانہ کے ساتھ آجائے کوئی دوسری نجاست لگ جائے معمول سے زیادہ پھیل جائے اس کے بعد الگ فتوی دیا کہ مقام پائخانہ کو پتھر یا کاغذ سے صاف کر سکتے ہیں الاآخر۔۔۔ اب یہاں پر دو فتوے کہاں سے آگئے یا مغالطہ اور کم عقلی اور جہل کا ثبوت نہین تو اور کیا جناب باقر صاحب

مر کر آپ کو بھی جانا ہوگا اور محشر میں ائمہ طاہرین کو منھ بھی دکھانا ہے یہ عوام کی گمراہی کا بوجھ کس طرح اٹھا سکے گیں۔

مسئلہ استنجاء **صفحہ ۹۱،۲** کا بھی جواب وہی ہے جس کا ہم گذشتہ مسئلے کے ذیل دے چکے ہیں یہ بات بھی ہم قارئین کی خدمت میں عرض کر دیں کہ باقر صاحب اکثر روایات تائید کے لئے نہیں لائے اس کی صرف وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے حق میں نہیں ہیں اور جہاں انھوں نے دیکھا کہ ان کے حق میں ہے یا وہ سمجھے کہ ان کے حق میں ہے اس کو ضرور نقل کیا ہے۔ اگرچہ وہ ناسمجھی کی وجہ سے ان ہی کی مخالفت بھی کرتی ہے بعض مقام پر جس کا آیندہ ہم تذکرہ کرتے رہیں گے۔

حرام گوشت پرندے کا فضلہ[1]

آپ نے جس قول معصومؑ کو کتاب کافی اور من لایحضرہ الفقیہ سے نقل کیا ہے اولاً دونوں حوالے ناقص ہیں پتہ نہیں کس ایڈیشن سے آپ نے ان کو لکھا ہے نہیں معلوم ہم جن کتابوں سے استفادہ کر رہے ہیں اس میں آپ کے حوالے کے مطابق حوالہ درست نہیں ہے۔ ثانیاً آپ نے صرف اپنے مطلب کی روایت لے کر سادہ لوح عوام کو مغالطہ میں ڈالا ہے ورنہ احادیث کی کتابوں میں دونوں قسم کی حدیث موجود ہے۔ ایک وہ حدیث کہ جو بالکل مطلق ہے جس میں کسی قسم کی کوئی قید و شرط نہیں ہے جیسے امامؑ نے فرمایا: «اغسل ثوبک من ابوال ما لا یوکل لحمه» کہ جن جانوروں یا پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا اگر ان کا فضلہ کپڑے پر لگ جائے تو اس کو دھلا جائے حدیث مطلق ہے۔ یہ چوپایوں کا تذکرہ ہے نہ پرندوں کا۔[2] اور دوسری وہ احادیث جن کا آپ نہ کہ ہے کہ امام فرمایا پرندوں کا فضلہ پاک ہے۔

---

[1] کشف التضاد، ص ۹۲۔

[2] تہذیب الاحکام، ج ۱، ۲۸۰، ح ۶۸۔

ایک دوسری جگہ پر مرغ کی بیٹ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا مرغ کی بیٹ جسم یا کپڑے پر لگ جائے تو نماز ہو سکتی ہے ؟آپ نے فرمایا نہیں جب کہ آپ بھی اور سارے مراجع کرام بھی مرغ کی بیٹ کو پاک جانتے ہیں اور مرغ بھی پرندوں میں آتا ہے لہٰذا اس مقام پر بھی ائمہ کی روایت میں بظاہر تضاد دکھائی دے رہا ہے۔اب جناب باقر صاحب اس مقام پر کیا کریں گے ؟اگرچہ ہمارے علماء نے ان دونوں روایت کے بارے میں بھی بیان کیا ہے کہ امامؑ نے اس جگہ پر کیوں ایسا کہا ہے یہ امامؑ کی روایت میں تضاد نہیں ہے بلکہ اہل علم کے لئے بہت واضح مسئلہ ہے مگر وہ اہل علم جو فہم حدیث اور علم حدیث کا ذوق رکھتے ہوں جناب باقر صاحب تو بس روایت کی کتابوں کو اردو میں پڑھ لینا کافی سمجھتے ہیں۔[1]

ہمارے مراجع کرام نے دونوں روایت کو دیکھا اور پھر جس کو انھوں نے قوانین و ضوابط روایت کے مطابق مفید و موثق سمجھا اس کے اعتبار سے فتویٰ دیا ہے۔

اہل کتاب

آپ کو مجوسیوں کے اہل کتاب ہونے پر اشکال ہے نیز اہل کتاب کی نجاست پر اشکال ہے جب کہ غور کیا جائے تو مسئلہ حل ہے کہ ہمارے بعض مراجع کرام ان کو ظاہراً پاک سمجھتے ہیں جب کہ ذاتاً نجس سمجھتے ہیں اب یہاں ذاتاً سے کیا مراد ہے وہ ایک تفصیل ہے جس کا یہاں موقعہ نہیں ہے رہ گیا معاملہ اصل کتاب کا کہ اس میں مجوسی شامل ہیں کہ نہیں تو جناب باقر صاحب نے جس روایت کو اپنی دلیل قرار دیا ہے التوحید شیخ صدوق سے تو وہ خود ان کے خلاف دلالت کر رہی ہے اس لئے کہ آپ کے بیان کردہ واقعہ کے مطابق امامؑ نے تائید کی ہے کہ اہل کتاب ہیں اور ان کے درمیان نبی مبعوث ہوا ہے اور امامؑ نے بادشاہ کے غیر منطقی بات کی تردید کی ہے۔

---

[1] الاستبصار ، ج۱، ص ۱۷۸ ، حدیث، ۲، باب ۱۰۷۔

مجوسی اہل کتاب ہیں ملاحظہ فرمائیں: «سئل ابوعبدالله عن المجوس اکان لهم نبی فقال نعم»۔[1]

ائمہ اثنا عشر سے دشمنی[2]

اولاً جناب باقر نثار صاحب کا مغالطہ خود ان کی کم علمی کا ثبوت ہے اس لئے کہ ان کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ہم نے بعض روایات کی بنا پر اہل کتاب کو مسلمان کے حکم میں شامل کیا ہے نہ کہ وہ مسلمان ہیں اگر مسلمان گالی دیتا تو وہ نجس ہے لہٰذا اگر کوئی اہل کتاب ایسا کرے تو بدرجۂ اولیٰ نجس ہے۔ ثانیاً مسلمان کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ کفار تو نجس ہیں ہی لہٰذا نجس کو نجس نہیں کہا جا سکتا۔ ثالثاً کون بیوقوف ہے جو مذاق میں اپنے ائمہ کو گالیاں دیتا ہے۔ رابعاً گالیاں دشمنی کے طور پر ہی دی جاتی ہے محبت میں نہیں۔ اگر آپ کے یہاں محبت میں گالیاں دی جاتی ہیں تو آئندہ آپ سے گذارش ہے کہ اپنے والدین کو صبح صبح اٹھ کر بجائے سلام کے گالیاں دیا کریں۔

مجنب کا پسینہ[3]

جناب باقر صاحب آپ نے اس مقام پر بھی خیانت سے کام لیا ہے اس لئے کہ مراجع کرام نے اس مسئلہ کو دو مسئلہ میں بیان کیا ہے مسئلہ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ آپ نے صرف ایک مسئلہ کو دیکھ کر اچک لیا دونوں مسئلوں کا مفہوم یہ ہے کہ مجنب کا پسینہ اگر بدن یا کپڑے پر ہو تو اس سے اجتناب ضروری ہے بالخصوص اگر حرام طریقہ سے انسان مجنب ہوا ہو۔ آپ نے تبصرہ میں فرمایا کہ بدن کا تذکرہ ہے لباس کا نہیں تو اولاً بدن کا بھی تذکرہ ہے اور اگر بعض مراجع نے الگ الگ بدن یا لباس کا ذکر نہیں کیا ہے تو سیاق عبارت سے محسوس ہو جاتا ہے کہ مجتہد جسم نہیں کپڑے کی بات کر رہا ہے اس لئے کہ انسان برہنہ نماز نہیں پڑھتا

---

[1] تہذب الاحکام، ج۴، باب ۳۰، الجزیة حدیث در باب ۱، در کتاب ۳۳۲ فروع الکافی ، ج۱، ص ۵۵۸، باب ۳۱۵، صدقة اہل الجزیة ، ج۴، من لا یحضره الفقیه ، ج۲، ص ۳۱، باب الخراج والجزیه ، حدیث۱۱۔

[2] کشف التضاد، ص۹۷۔

[3] کشف التضاد، ص ۹۸۔

کپڑے کے ساتھ ہی نماز پڑھتا ہے اور جسم کے ساتھ کپڑے بھی تذکرہ یا کپڑے کے ساتھ جسم کا تذکرہ بھی روایات میں موجود ہے۔ جناب تمام روایات کو دیکھا کریں صرف اپنے مطلب کی روایات پر اکتفانہ کیا کریں۔

نیز یہ کہ روایات میں اختلاف اس جگہ پر بھی ہے اب باقر صاحب مذکورہ روایات کو دیکھ کر فیصلہ کریں کہ چھوڑے گے کس روایت کو اور کس روایت پر عمل کرینگے اس لئے کہ دونوں روایت امام سے نقل ہوئی ہے جس جس روایت کو آپ قبول کرینگے اس کے لئے آپ کے پاس کوئی نہ کوئی مرجح تو ہووگا اور نہیں مرجحات کو یہی علم درایت و رجال لیا جاتا ہے جس کے آپ منکر ہیں لہٰذا یا دونوں روایت کو قبول کرلیں جو کہ ممکن نہیں یا پھر دونوں کو چھوڑ کر وہی تبصرہ امام پر کریں جو مراجع کرام پر آپ کرتے ہیں اور اسلام سے خارج ہو جائیں۔ اس کو پکڑے گے اس کے بقول انسان کوئی ایک روایت درست ہے ایک ہی وقت میں ایک چیز موجود ہو اور معدوم بھی یہ ممکن نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ جس حدیث کو لے رہے ہیں وہ درست نہ ہو اور جسے چھوڑ رہے ہوں وہ درست ہو تو اب قارئین اس قسم کی روایات ہماری کتب اربعہ میں بھری پڑی ہیں جس کا ہم تذکرہ مسلسل کر رہے ہیں اب آپ فیصلہ کریں شک و تردید باقر صاحب کے کلام و نظریہ میں ہے یا مراجع کرام کے نظریات مین کہ جو ان احادیث کو دیکھ کر تحقیق کرتے ہیں اور پھر ایک یقینی فتویٰ دیتے ہیں کم از کم ہر مقلد اپنے مرجع تقلید کی بات پر یقین تو پیدا کرلیتا ہے اسی وقت عمل کرتا ہے مگر باقر صاحب ہماری کتب روائی تو ضد و نقیض روایات سے بھری پڑی ہیں اور آپ نہ علم رجال کے قائل ہیں نہ علم حدیث کے آپ کو تو بس مومن کی گمشدہ میراث ملنی چاہئے اور جب ملے تو دو طرح کی اب آپ یقین تو کسی ایک طرف پیدا رہی نہیں سکتے اس لئے کہ دونوں حکم امامؑ سے ہے تو آپ کی پوری زندگی شک و تردید میں گذر رہی ہے یا ان لوگوں کی جنہوں نے تقلید کر کے کسی حد تک یقین کی منزل حاصل کرلی ہے۔ «**فاعتبروا یا اولی الابصار**» مانو نہ مانو جہاں اختیار ہے ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں۔

امام صادقؑ سے مجنب کے پسینہ اور کپڑے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: «هذا كله ليس بشيى» (روایت مکمل ذکر نہیں کی شائقین دیکھ سکتے ہیں)[1]

حیض و جنابت کا مسئلہ تقریباً ایک ہی طرح کا ہے اور امام سے سوال بھی دونوں کے بارے میں ایک ساتھ ہی کیا گیا ہے اور امام نے دونوں کا ایک ہی جواب دیا ہے ملاحظہ ہو۔ امام علیؑ نے رسول خدا سے سوال کیا: «عن الجنب والحائض يعرقان فى الثوب حتى يلصق عليها فقال ان الحيض والجنابة حبت جعلها الله عزوجل ليس من العرق فلا يغسلان ثوبهما» حتی کہ بعض روایت میں ہے کہ قبل از تغسیل لباس نماز بھی پڑھ سکتے ہیں ملاحظہ ہو "سالت عن ابا عبدالله عن الحائض تعرق فى ثبابها اتصل فيها قبل ان تغسل ها فقال نعم لا بأس"[2]

نجاست خور جانور کا پسینہ

اس سلسلے میں جو آپ نے تبصرہ فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا تضاد کا مجموعہ ہے تو اب آپ میں اگر ہمت ہے تو ائمہ طاہرینؑ پر بھی یہ ہی حکم لگایئے جو مراجع کرام پر لگایا ہے ملاحظہ ہو ائمہ طاہرین کی روایت:

امام صادقؑ فرماتے ہیں نجاست خور جانور کا گوشت نہ کھاؤ اور اگر اس سے مس ہو جاؤ تو دھلو۔[3]

امام رضاؑ سے سوال کیا گیا کہ ہمارے قریہ میں ایک مرغ ہے جو نجاست خور ہے کیا اس کا استعمال کر سکتے ہیں آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔[4]

---

[1] الاستبصار، ج۱، ص ۱۸۴ با ۱۱۰ عرق الجنب والحائض يصبب الثوب ح ۱۰۔

[2] الاستبصار، ج ۱، ص ۱۸۶، ح ۶۰۵۔

[3] الاستبصار، ج۴، باب ۴۹، كراهية محوم الجلالات ص ۸۲۔

[4] حواله مذكور، ص ۸۳۔

امام صادقؑ نجاست خور اونٹ کا دودھ نہ پیو اور اگر وہ تم سے مس ہو جائے اور اس کے بدن پر پسینہ ہو تو اس حصے کو جو مس ہوا ہے دھلائی کرو۔[1]

لباس کی طہارت میں اشکال[2]

قارئین محترم جناب باقر نثار صاحب کی ایک اور خیانت کو ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ آیا ایسا خائن انسان کس کا فائدہ سوچ سکتا ہے جو عوام کو اتنا بیوقوف سمجھتا ہے کہ جو کچھ اپنی کتاب میں میں نے لکھ دیا ہے لوگ اسے دیکھ کر قبول کرلے گیں، اصل کتاب کی طرف رجوع بھی نہیں کرے گیں۔ ہم نے اسی لئے اپنی کتاب کا نام «**کشف الفساد**» رکھا ہے کہ ہم نے باقر صاحب کی کتاب میں سوائے خیانت کاری، دھوکہ بازی اور فساد کے کچھ نہیں پایا ملاحظہ ہو صفحہ مذکور پر پہلے ہم ان کی عبارت نقل کرکے مراجع کرام کا فتویٰ نقل کررہے ہیں۔

باقر صاحب کی عبارت: آغا خمینی: اگر انسان کو علم نہیں ہے کہ اس کا اپنا لباس نجس ہے یا وہ لباس جو اصلاً اس کے اپنے استعمال میں نہیں اور وہ دوسرے شخص کا لباس ہے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ اپنے لباس کے استعمال سے پرہیز کرے۔

امام خمینی کی توضیح المسائل اردو صفحہ نمبر **۲۰** مسئلہ ۱۲۴ ملاحظہ فرمایئے۔ اگر انسان کو یقین ہو کہ ان دو برتنوں یا لباسوں میں سے ایک نجس ہے اور ہوں بھی دونوں اس کے اپنے استعمال میں لیکن معلوم نہ ہو کون سا نجس ہے تو وہ دونوں سے اجتناب کرے بلکہ مثلاً اگر نہ جانتا ہو کہ اس کا اپنا لباس نجس ہوا ہے یا وہ لباس جسے وہ استعمال ہی نہیں کرتا اور وہ لباس دوسرے کا ہے اس کے باوجود احتیاط یہ ہے کہ اپنے لباس سے اجتناب کرے، اگرچہ اجتناب لازم نہیں ہے۔

صفحہ نمبر ۱۰۱، آقائے خوئی: اگر انسان یہ نہ جانتا ہو کہ خود اس کا کپڑا نجس ہوا ہے یا کسی دوسرے کا کہ

---

[1] حواله مذکور، اور کافی ج۳، باب ۱۷۷، نحوم الجلالات و بيضهن و۔۔۔ص ۲۶۹۔

[2] کشف التضاد، ص۱۰۰۔

جو اس کے زیر استعمال نہیں ہے اور کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اپنے کپڑے سے اجتناب کرے۔

آقای خوئی: توضیح المسائل صفحہ ۵۲ مسئلہ ۱۲۵: اگر یہ علم ہو کہ ان دو برتنوں یا کپڑوں میں سے جنہیں وہ استعمال کرتا ہے ایک یقینا نجس ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ کون سا نجس ہے تو دونوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے اور اگر یہ نہ جانتا ہو کہ اس کا کپڑا نجس ہوا ہے یا کسی اور کا تو ضروری نہیں ہے کہ اپنے کپڑے سے اجتناب کرے۔ قارئین محترم آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ باقر صاحب نے کس طرح علمی خیانت سے کام لیا ہے اور مسائل شریعت کو اپنی مرضی کے مطابق تحریر کر کے عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

ہم اس مقام پر باب طہارت کے بہت سے مغالطہ سے پُر مسائل کو چھوڑ کر بعض دوسرے مسائل کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں اگر تمام مسائل پر بحث کی جائے گی تو کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی اور آج کے ترقی یافتہ اور مصروف دور میں ضخیم کتاب کو لوگ دیکھ کر رکھ دیتے ہیں پڑھنے کی بات تو بہت دور کی بات ہے لہٰذا اختصار کی وجہ سے ہم جناب باقر صاحب کے تمام متضاد باتوں کو نقل نہیں کر رہے ہیں نیز یہ کہ آپ نے اب تک دیکھ ہی لیا ہوگا کہ مولانا کی باتوں میں کس حد تک تضاد پایا جاتا ہے اور وہ قوم کے کتنے مخلص ہیں۔ ہاں وہ مسائل جو روز مرہ کے ہیں ان کو ضرور تحریر کرونگا تا کہ جناب یہ نہ کہہ سکیں کہ ان مسائل کے جواب ہمارے پاس نہیں تھے جواب سب کے ہیں مگر طوالت کتاب کی مجبوری کی بنا پر تمام کے جواب نہیں لکھ رہا ہوں۔

احکام وضو

چھرہ کا دھونا[1]

تعجب ہے کہ باقر نثار صاحب اتنے واضح مسئلہ میں بھی اختلاف فرمارہے ہیں وضو میں چہرہ کو دھونے کا مسئلہ مراجع کرام نے اس طرح فرمایا ہے کہ سر کے بال کے اگنے کی جگہ سے لے کر ٹھڈی تک اور چوڑائی میں انگوٹھے اور بیچ کی بڑی انگلی کے درمیانی حصہ میں جو چہرہ کا حصہ آجائے اسے دھویا جائے گا۔ اب جناب باقر صاحب کا اعتراض اس چیز پر ہے کہ جو مراجع کرام نے تھوڑا تھوڑا دونوں طرف کے حصہ کو دھونے کے لئے کہا ہے تا کہ یقین حاصل ہو جائے کہ وہ مقدار جو بتائی گئی ہے پوری دھل گئی ہے، باقر صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ جو مقدار بتائی گئی ہے اس سے تجاوز قول معصوم سے انحراف ہے تو جناب باقر صاحب آپ سے گذارش ہے کہ آئندہ انچی ٹیپ یا کوئی بھی ایسی چیز رکھ کر چہرہ دھلئے گا کہ جس سے ایک سوئی کے ناکہ کے برابر بھی مقدار معین سے پانی آگے نہ جائے یا پھر چہرہ کی بتائی ہوئی مقدار کے آخری حصہ پر کوئی ایسی چیز چپکا لیجئے کہ پانی اس سے آگے نہ بڑھے ورنہ قول معصوم سے انحراف ضرور ہوگا اور میرا دعویٰ ہے کہ باقر صاحب قیامت تک قول معصومؑ کی پیروی نہیں کرسکتے پانی اور ہاتھ تھوڑا بہت مقدار معین سے آگے ضرور جائے گا۔ اس کے علاوہ دو مرتبہ اور ایک مرتبہ دھونے پر بھی آپ کو اشکال ہے اور دلیل کے طور پر روایت کا ذکر کیا ہے اگرچہ اپنے مطلب کی صرف روایت نقل کی ہے دوسری نہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ عوام کتب روائی کو دیکھنے جائے گیں نہیں لہٰذا اپنا اُلّو سیدھا کرلو اور دعویٰ یہ ہے کہ صرف روایت دیکھا جائے مراجع کرام کی طرف رجوع نہ کیا جائے جب عوام کتاب دیکھے گی نہیں تو احکام کیسے جانے گی اور اگر دیکھ لے گی تو آپ کی پول کھل جائے گی کہ آپ نے صرف اور صرف

---

[1]

مغالطہ اور خیانت سے کام لیا ہے ہم دونوں قسم کی روایت اس جگہ پر پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

روایت اس طرح ہے کہ امام باقرؑ سے پوچھا گیا کہ چہرہ کی حد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: بال کے اگنے کی جگہ سے لے کر ٹھڈی تک اور بڑی انگلی اور انگوٹھے کے درمیانی حصہ کو دھلا جائے۔ سائل نے سوال کیا کیا کنپٹی یا کان اس میں شامل ہے تو آپ فرمایا نہیں۔

قارئین محترم باقر صاحب کی خیانت ملاحظہ فرمائیں امامؑ نے جس حد کو بیان کیا ہے اس میں چہرہ ہے کنپٹی یا کان سے انکار کیا ہے اور میں آپ سے سوال کرتا ہوں کون شیعہ ہے جو کان کو دھلتا ہے یہ اہلسنت کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں آپ نے کان کو جدا کر کے حدود معین کا تذکرہ کیا ہے تمام کے تمام قوم شیعہ کو سنی ہونے کا اتہام لگا رہے ہیں جناب باقر صاحب ملاحظہ فرمایئے ایک اور روایت:[1] راوی کہتا ہے کہ ہم سے ابو جعفرؑ نے رسول خدا کا وضو بتلایا جس میں صاف صاف لکھا ہے اور بتایا ہے کہ پانی ڈالنے کے بعد اطراف کے حصہ پر ہاتھ پھیرے «ثم مسح جوانبها» کا لفظ استعمال ہوا ہے اب بتایئے جناب باقر صاحب آپ قول معصوم پر عمل کر رہے ہیں یا مراجع کرام واقعاً قول معصوم پر مراجع کرام عمل کر رہے ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۲۲: ڈاڑھی کے اندرونی حصے کے سلسلہ میں آپ کو اعتراض ہے کہ مراجع نے جلد تک پانی پہنچانے کو کہا ہے اور آپ کے مطابق جلد تک پہنچانے میں حکم امامؑ سے انحراف ہے تو ملاحظہ فرمایئے قول معصوم۔ سائل نے جب امامؑ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اگر ڈاڑھی گھنی ہو تو اس کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے۔[2]

---

[1] وسائل الشیعه کتاب الطہارت باب ۱۷ ـحد الوجه الذی یجب غسله۔۔ ج۱، ص ۴۰۱، فروع کافی ،ج۱، باب ۱۸، حدالوجه الذی یغسل۔۔۔۔ص ۳۳ کتاب الطہارت،من لا یحضره الفقیه،ج۱، باب ۱۰ در الوضو۔۔۔

[2] تہذیب الاحکام، ج۱، باب صفة الوضو۔

وضو میں چہرہ اور ہاتھوں کا دھونا[1]

چہرے اور ہاتھوں کو ایک مرتبہ دھونا واجب دوسری مرتبہ مستحب اور تیسری مرتبہ دھونا حرام ہے، اس کے بعد آپ نے فروع کافی سے دو روایت نقل کی جو صرف آپ کے مدعا کو ثابت کرتی ہے پھر آپ نے مراجع کرام کے فتوؤں کو ذکر کر کے تبصرہ فرمایا کہ ان تمام روایات کو دیکھنے کے بعد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مراجع کرام ہم تک صحیح فتوے نہیں پہنچا رہے ہیں۔

جناب باقر صاحب کب تک خیانت کا سہارا لیں گے یہ فقہی باب میں آپ سوائے خیانت کے اور کچھ کر ہی نہیں رہے ہیں اس لئے کہ اس باب میں بھی آپ نے صرف اپنے مطلب کی روایت کو اپنایا ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ میری کتاب کے قارئین کہاں کتب اربعہ یا دوسری روایات کو دیکھنے جائیں گے اور اگر یقین نہ ہوتا تو آپ صرف اپنے مطلب کی روایت کو نہ اپناتے دونوں روایت نقل کرتے مگر دونوں روایت نقل کریں گے تو خود آپ کی پول کھل جائے گی (کہ قول معصومؑ ہر کسی کے سمجھنے کی بات نہیں ہے اس لئے کہ کلام الامام امام الکلام ہوا کرتا ہے ان اقوال معصوم کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان علوم سے واقف ہو جو حدیث فہمی کے لئے ضروری ہیں) آیئے لہٰذا ہم تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہیں۔

عن امام صادقؑ سائل نے سوال کیا وضو کے بارے میں تو آپ نے فرمایا: مثنیٰ مثنیٰ دو دو بار دھلا جائے گا۔ ایک دوسری روایت بھی آپ ہی سے ہے جس میں آپ نے اسی لفظ مثنیٰ کا استعمال کیا ہے۔[2]

اس کے علاوہ تمام کتب روائی میں دونوں قسم کی روایت موجود ہیں۔ لہٰذا مراجع کرام نے ان دونوں روایت کو مد نظر رکھے ہوئے فتویٰ دیا کہ ایک مرتبہ واجب دوسری مرتبہ مستحب تیسری حرام اور چونکہ روایت کے راوی بھی موثق ہیں لہٰذا اس طرح کا فتویٰ دیا گیا ہے اور اگر روایت کے راوی ضعیف ہوتے

[1] کشف التضاد، ص۱۲۲-۱۲۳۔

[2] تہذیب الاحکام، ج۱، اور ص ۵۷-۵۸، ص۱۱۴،۱۱۳، استبصار، باب ۴۱، عدد مرات الوضو ، حدیث۴ ،۵،۶، میں بھی دودو مرتبہ دھونے کاتذکرہ موجود ہے ۔ ج۱، ص ۷۰، ۷۱، ۷۲۔

تو مراجع کرام اس کی رد کرتے فتویٰ نہ دیتے۔

جناب باقر صاحب آپ نے **صفحہ ۱۲۴** کے آخر میں تبصرہ کیا پانی کی مقدار کے بارے میں اور امام صادقؑ کی حدیث پیش کی کہ امام نے فرمایا ہے کہ وضو کے پانی کے لئے ایک حد ہے جو اس سے زیادہ خرچ کریگا اس کو اجر نہیں ملے گا اور پھر اس کو علماء کی طرف نسبت دی کہ یہ علماء اور مراجع کرام اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں جب کہ اسی فروع کافی کے حاشیہ میں ذکر ہے کہ یہ روایت برادران اہلسنت کے لئے ہے کہ جو مقامات مسح کو دھلتے ہیں مسح نہیں کرتے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ وضو کے لئے حد ہے یعنی قواعد و قوانین ہیں اور وہ لوگ پانی کا اسراف کرتے ہیں لہٰذا امامؑ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ جو لوگ پانی کا زیادہ مصرف کرتے ہیں ان سے میرے بابا جھگڑا کرتے تھے یعنی امام مسح کے بجائے دھونے سے انکار کرتے تھے اور لوگوں کو منع کرتے تھے نہ یہ کہ پانی زیادہ مصرف کرنے کے لئے آپ جھگڑا کرتے تھے لہٰذا جب سائل نے سوال کیا کہ وہ حد کیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا: منھ اور ہاتھوں کا دھلنااور سر کا مسح[1] اس پوری روایت میں پانی کا کہیں تذکرہ ہی نہیں ہے یہ حد سے مراد آپ نے پانی کہاں سے نکال لیا۔ (اولہ من قاس فھوابلیس)[2]

سراور پاؤں کے مسح

جناب باقر صاحب نے اس جگہ پہ بھی صرف یکطرفہ حدیث نقل کردی ہے جو ان کے مطلب کی تھی تاکہ مراجع کرام کے فتاوی میں اختلاف کو واضح کر سکیں جب کہ دونوں قسم کی روایت کتب روائی میں موجود ہے اور انہیں روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے مراجع کرام نے فتاویٰ دیئے ہیں۔ جناب باقر صاحب نے اپنی بات ثابت کرنے کے لئے فروع کافی سے صرف ایک روایت اور من لایحضرہ الفقیہ سے ایک روایت نقل کی جس میں کہا گیا ہے کہ امام نے ہاتھ انگلیوں پر رکھ کر ٹخنے تک مسح کیا اب ہم یہاں اسی

---

[1] فروع کافي، ج۱، ص۲۷۔

[2] ملاحظه فرمائیے کافی ج۱، ص ۲۷، حاشیه۔

موضوع پر مختلف روایات نقل کررہے ہیں، ملاحظہ ہو:

امام صادقؑ نے سائل کے جواب میں فرمایا کہ:«امسح الراس علی مقدمه وموخره»[1]

جب ایک اور سائل نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: «مسح الراس علی مقدمه»[2]

حضرت علیؑ نے فرمایا: رسول خدا نے وضو فرمایا:«ومسح علی قدمیه ونعلیه»[3]

ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول خدا نے وضو کیا: «ومسح علی رجلیه »[4]

کشف التضاد کی روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس روایت کو ملاحظہ فرمایئے راوی کہتا ہے میں نے امام رضاؑ کو منیٰ میں دیکھا کہ آپ نے اس طرح وضو فرمایا کہ: «یمسح ظهر قدمیه من اعلی القدم الا الکعب ومن الکعب الی اعلی القدم» کہ ایک مرتبہ سیدھا ایک مرتبہ الٹا۔ اب بتایئے کہ ہمارے مراجع کرام نے کہاں حکم امام کی مخالفت کی ہے۔[5]

مزید ملاحظہ فرمایئے حدیث مذکور کی تشریح بھی خود امامؑ نے فرمادی ہے: «یقول الامر فی مسح الرجلین موسع من شاء مسح مقبلا ومن شاء مسح مدبرا فانه من الامر الموسع ان شاء الله»[6] اب بھی نہیں سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

لیجئے جناب. برادران اہلسنت کے مسح کی تائید بھی ہماری کتاب میں موجود ہے اور چونکہ روایت ہے

---

[1] تهذیب الاحکام، ج۱ ، ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، حدیث ۱۹۔

[2] تهذیب الاحکام، ج۱ ، ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، حدیث ۲۰۔

[3] تهذیب الاحکام، ج۱ ، ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، حدیث حدیث ۲۱۔

[4] تهذیب الاحکام، ج۱ ، ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، حدیث ۲۲۔

[5] حدیث ۳۲، تہذیب الاحکام، ج۱، ص ۱۰۱، ۱۰۲، ج ۶۴، وسائل الشیعه ج۱، باب ۲۰، باب جواز النکس فی المسح، ص ۴۰۶

[6] فروع کافی، ص ۳۷، ح ۷، باب ۱۹، مسح الراس ولقدمین

لہٰذا باقر نثار صاحب اب مکمل پاؤں پر مسح کریں اور سینوں کی طرح ہاتھوں کو دھلیں اس لئے کہ آپ علوم حدیث فہمی کے منکر ہیں اور دونوں روایت امامؑ سے ہے لہٰذا ٹھکرا بھی نہیں سکتے اور سینوں کے وضو کو غلط بھی نہیں کہہ سکتے۔ اب رہ گیا مراجع کرام کا مسئلہ تو وہ اس قسم کی روایات کو جو ہماری کتب میں موجود ہیں اور عامہ کے کسی مسئلہ کی طرف اشارہ کررہی ہوں رد کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو باقر صاحب مذہب تشیع کی اساس ہی ختم ہو جاتی اس لئے کہ ہماری روایات و حدیث کے ساتھ ایسی رخنہ اندازی ہوئی ہے کہ کسی حدیث کو ہم آنکھ بند کر کے مان ہی نہیں سکتے اور بعض وقت ائمہ طاہرین نے تقیہ سے بھی کام لیا ہے جس کو ہمارے مراجع کرام حالات اور مخاطب کو ملحوظ خاطر رکھ کر طے کرتے ہیں کہ امام (ع) نے تقیہ سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو: سائل نے امام رضاؑ کو لکھا کہ قدموں کا مسح کیسے ہوگا؟ تو آپ نے جواب دیا: «الوضو بالمسح ولایجب فیه الا ذالک ومن غسل فلا باس»[1]

مسئلہ ھتھیلی میں تری نہ ھونے کی صورت میں[2]

آپ کو اعتراض ہے کہ مراجع کرام نے اس مسئلہ میں بھی اختلاف کیا ہے تو ملاحظہ فرمایئے دونوں حدیثیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ مراجع کرام نے کس طرح فتویٰ دیا ہے: (خلاصہ فتوی مراجع) اگر مسح کے لئے ہاتھ میں تری نہ ہو تو کسی بھی اعضائے وضوے سے لے سکتے ہیں اور بعض مراجع نے فرمایا صرف ڈارھی سے لے سکتے ہیں اور اسی بات پر باقر صاحب کو اعتراض ہے۔

امام صادقؑ سے سوال کیا گیا کہ کہ ایک شخص سر کا مسح بھول گیا اور نماز شروع کردی تو آپ نے فرمایا اگر اس کی ڈاڑھی میں پانی ہے تو اس سے ہاتھ تر کر کے مسح کرے اگر ڈاڑھی میں تری نہ ہو تو پیشانی سے لے اگر وہاں بھی نہ ہو تو آنکھ کی پلکوں سے لے۔

امام جعفر صادقؑ سے سوال ہوا کہ کیا سر کے مسح کے لئے ہاتھ کی تری سے استفادہ کریں تو آپ نے

---

[1] الاستبصار، ج۱، ح ۴، ص ۶۶ با ۳۷ وجوب المسح علی الرجلین

[2] کشف التضاد، ص۱۲۸۔

فرمایا سر کے مسح کے لئے جدید پانی لے لو۔[1]

اس کے علاوہ بہت سی روایات اور بھی ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ایسے شخص کا وضو ہی صحیح نہیں ہے یا نیا پانی استعمال کرے گا پھر جہاں سے چاہے اعضاء وضو سے پانی لے لے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔ اب بتایئے جناب باقر صاحب بقول آپ کے کوئی ایک بات ہی درست ہوسکتی ہے ایک ہی وقت میں دو بات نہیں ہوسکتی اور روایات میں دونوں باتوں کا ذکر ہے۔ اب آپ کس روایت پر عمل کریں گے؟ جب کہ آپ کا کہنا ہے کہ علم مومن کی میراث ہے جس سے ملے لے لو اور روایت کے سلسلے میں علوم حدیث اور رجال کو بھی آپ نہیں مانتے، مراجع کرام نے اسی قسم کی مشکلات کو حل فرمایا ہے اور روایات کو جمع کر کے ایک راستہ اپنایا ہے۔

موزے اور جوتے پر مسح[2]

یقیناً یہ بحث شیعہ سنی دونوں کے درمیان ایک معرکۃ الآراء بحث رہی ہے اور ہمارے مراجع کرام نے بھی یک زبان ہو کر مسح علی الخفین موزے یا جوتے پر مسح کرنے کو حرام قرار دیا ہے مگر جو جواز کی صورت مراجع کرام نے بتائی ہے وہ بھی روایت کی روشنی میں ہے اور یہ بھی آپ کو بتاتا چلوں کہ دو روایت ایک دوسرے کی ضد بھی وارد ہوئی ہیں اسی موضوع میں اور جناب باقر صاحب آپ نے اس روایت کو صرف اس لئے نقل نہیں کیا کہ خیانت آپ کی عادت بن چکی ہے اگر ان روایات کو آپ نقل کرتے تو یقیناً دوسری روایت بھی آپ کی نظر سے گذرتی تو شاید آپ کو فکر کرنے کا موقع مل جاتا مگر آپ کو فکر و تفکر سے کیا ربط آپ کو تو وہی کرنا ہے جس کا آپ نے معاوضہ لے رکھا ہے یعنی قوم شیعہ میں اختلاف و افتراق پیدا کرنا اہل حق ہمیشہ دونوں طرف کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں اور میرا یقین کہہ رہا ہے کہ اہل حق آپ کی خیانتوں سے خوب خوب واقف ہیں اسی لئے تو آپ نے متعدد مقامات پر اکثریت کا رونا

---

[1] وسائل الشیعه، ج۱، باب ۲۱ "وجوب اخذا لبلبل للمسح من لیحته"، ص ۴۰۹۔

[2] کشف التضاد، ص۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰۔

رو یا ہے اور خود کو اقلیت سمجھتے ہوئے فرمایا ہے کہ اقلیت ہی ہمیشہ حق پر رہی ہے جب کہ یہ بھی آپ کی خام خالی ہے۔

فتوائے مراجع کا خلاصہ : موزے اور جوتے پر مسح کرنا جائز نہیں مگر سخت ٹھنڈک، چوٹ یا چور و درندے کا خوف ہو۔ بعض نے کہا ہے ایسی حالت میں تیمّم کرنا چاہئے، بعض نے فرمایا: تقیہ کی صورت میں جائز ہے مگر تیمّم بھی کرے اور بعض مراجع کرام نے مطلق فتوی دیا ہے، تیمّم کا ذکر نہیں ہے۔[1]

لیجئے روایات ملاحظہ فرمائیں:

مسح علی الخفین جوتے یا موزے پر مسح کے جواز پر تو آپ نے بھی تین مطلق روایت کا ذکر کیا ہے اور اس میں تو امام صادقؑ سے جو روایت نقل کی ہے کہ تین چیزوں سے تقیہ ممکن نہیں۔ نشہ آور چیزوں کے استعمال، متعۃ الحج۔ اور مسح علی الخفین (موزے یا جوتے) پر مسح تو لیجئے۔ دوسری اس روایت کی مخالف روایت کو بھی ملاحظہ فرمائیے اور فیصلہ کیجئے کہ آپ کس روایت پر عمل کریں گے۔ امامؑ سے سوال کیا گیا کہ ابو طبیان کہتا ہے کہ میں نے علیؑ کو وضو کرتے دیکھا انھوں نے جوتے پر مسح کیا تو آپ نے فرمایا وہ جھوٹ بولتا ہے سائل کا کہنا ہے کیا اس میں اختلاف ہے تو آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ دشمن کے ڈر سے تقیہ مقصود ہو یا برف وغیرہ سے پاؤں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔ آپ کے مطابق یہ روایت ایک دوسرے کی مخالفت کر رہی ہے جب کہ ہمارے مراجع کرام نے دونوں روایت کو جمع کر کے درمیانی راہ نکالی ہے اس لئے کہ دونوں روایت بظاہر درست ہیں۔ آپ کی نقل کردہ روایت میں تقیہ کو منع کیا گیا ہے جب کہ دوسری روایت میں تقیہ کی وجہ سے موزے یا جوتے پر مسح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔[2] اس مسئلہ میں بھی روایات میں اختلاف ہے۔

---

[1] مراجع کرام کي توضیح المسائل۔

[2] استبصار، ج۱، باب ۴۵، جواز التقیه فی المسح علی الخفین، ص ۷۷، ح ۱۔۲۔ فروع کافی، ج۱، باب مسح الخف ص ۳۸، من لا یحضره الفقیه، ج۱، باب ۱۰، حدالوضو ترتیبه وثوابه، ج۷، ۸۔

وضو اور صدور حدث، اور دوران وضو اعضاء کا خشک ہو جانا

جناب باقر صاحب، آپ نے پھر روایات و حدیث کے ساتھ خیانت سے کام لیا مکمل حدیث نقل نہیں کی بلکہ ایک حدیث کا آخری جملہ ہی نقل کیا ہے مکمل حدیث ہم اپنے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور جو آپ نے تبصرہ فرمایا ہے کہ مجتہدین نے نماز سے پہلے نماز کے دوران اور نماز کے بعد کی تقسیم خود کی ہے معصوم نے مطلق فرمایا ہے تو ملاحظہ فرمائیں مراجع کرام کے فتوے کا پہلے ہم خلاصہ بیان کر دیں، اگر یہ جانتا ہے کہ وضو کیا ہے مگر اس سے حدث بھی صادر ہوا ہے مثلاً پیشاب کیا ہے مگر یہ نہ جانتا ہو کہ پہلے وضو کیا ہے یا پیشاب، اب اگر نماز کے پہلے یہ شک ہو تو وضو کرے اور اگر نماز کے دوران یہ شک ہو تو نماز توڑ کر وضوع کرے، اگر نماز کے بعد شک ہو تو بھی وضو کرے اور دوبارہ نماز پڑھے۔

سائل نے امام صادقؑ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ نماز کے دوران شک ہو کہ وضو کا کوئی حصہ چھوٹ گیا ہے تو واپس ہو جاؤ اور وضو کا وہ حصہ جو چھوٹ گیا ہے اس کو تمام کرو اور نماز کا اعادہ کرو۔[1]

اگر کوئی نماز کے بعد وضو کے بارے میں شک کرے تو امامؑ نے فرمایا کہ اس کی نماز صحیح ہے وہ شک پر اعتبار نہیں کرے گا۔[2]

وہ حدیث جو آپ نے ناقص بیان فرمائی ہے وہ اس طرح کہ ایک شخص نے وضو کیا اور بھول گیا کہ مسح کیا ہے یا نہیں اور نماز شروع کر دی پھر یاد آیا تو اب وہ مسح کرے گا اور نماز کا اعادہ کرے گا اور اگر اس نے شک کیا وضو کے بارے میں جب کہ وہ وضو کر رہا ہے تو وضو کا اعادہ کرے گا اور اگر وضو کر کے اس جگہ سے ہٹ چکا ہے پھر اسے شک ہوا تو وہ اپنے شک پہ اعتبار نہیں کرے گا اور اگر کوئی شک کرے وضو کے بارے میں جب کہ حدث کا یقین ہو تو وہ وضو کا اعادہ کرے گا اور اگر کوئی حدث کے بارے میں شک

---

[1] وسائل الشیعة، ج۱، باب ۴۲ ح ۳۔

[2] ح ۵، وسا۴ل الشیعه، ج۱، باب ۴۲، "ان سن شک فی شیی من افعال الوضو---" ص ۴۶۹۔ ۴۷۰۔

کرئے جب کہ وضو کا یقین ہو تو یقین پر عمل کرے گا شک کا اعتبار نہیں کریگا اور اگر کیسی کو حدث اور وضو دونوں کا یقین ہو مگر کون سا فعل پہلے ہوا ہے اس میں شک ہو تو وضو کرے گا۔[1]

رہ گیا مسئلہ وضو کے اعضاء کے خشک ہونے کا تو اس بارے میں بھی آپ نے خیانت کی ہے اور صرف اپنے مطلب کی حدیث ذکر کی ہے طرف مقابل کی حدیث نقل ہی نہیں کی اور آپ نے تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا کہ تمام مجتہدین کا فتویٰ حکم معصوم کے خلاف ہے اور مجتہد جب اجماع کرتے ہیں تو حکم معصوم کے خلاف ہی اجماع کرتے ہیں۔ جناب باقر صاحب جب آپ نے دیکھا کہ تمام مجتہد ایک ہی بات کہہ رہے ہیں تو بعینہٖ جن مسائل کو آپ نے ذکر نہیں کیا اس مسئلے سے بھی گذر جاتے ذکر ہی نہ کرتے مگر آپ کے ذہن و دل و دماغ و فکر پر تو شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں اس کے حکم کے آگے آپ بھی کچھ نہیں سکتے لہٰذا الزام لگا دیا کہ مراجع حکم امامؑ کے خلاف اجماع کئے بیٹھے ہیں ہم آپ کی خدمت میں اور اپنے محترم قارئین کی خدمت میں حکم امامؑ بیان کر رہے ہیں تا کہ وہ بھی آپ کی خیانت اور خباثت نفس سے واقف ہو جائیں۔

مسئلہ ہے اگر وضو میں موالات کی رعایت نہ کریں تو وضو باطل ہو جاتا ہے یعنی وضو کر رہے ہیں بدن کا ایک حصہ دھویا اور دوسرا حصہ دھوتے دھوتے پہلے عضو خشک ہو جائے تو وضو باطل ہو جاتا ہے۔ باقر صاحب نے ایک روایت نقل کی کہ ایسا نہیں ہے ہم روایت نقل کر رہے ہیں کہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مراجع کرام نے فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو:

راوی کہتا ہے میں نے امام صادقؑ سے سوال کیا کہ میں وضو کر رہا تھا پانی ختم ہو گیا کنیز سے پانی لانے کو کہا۔ اس نے دیر کی یہاں تک کہ پہلے والا عضو خشک ہو گیا تو آپ نے فرمایا دوبارہ وضو کرو۔[2]

من لایحضرہ الفقیہ کی آپ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں اس طرح راوی کہتا ہے " قال ابی رضی

---

[1] من لا يحضره الفقيه، ج١، باب ١٤، "فمن ترک الوضو او لبعضه اوشک فيه" ص ١٠٨۔ ح ٨۔

[2] فروع کافی، ج١، باب ٢٢، "الشک فی الوضو ومن نسيه۔۔۔" ج٨، ص ٤٢، الاستبصار، ج١، باب ٤٢، "وجوب الموالات فی الوضو، ج ١٠٢۔

اللہ عنہ " قارئین اب آپ خود بتایئے اگراس روایت میں راوی امامؑ ہیں تو خود سے پہلے والے امام یعنی اپنے والد کو رضی اللہ کہہ رہے ہیں جب کہ یہ رضی اللہ کا سلسلہ سنیوں سے شروع ہوا ہے شیعہ ۔۔۔۔۔۔ رضی اللہ نہیں کہتے یہ روایت بھی گھڑی ہوئی روایت ہے اور ہماری کتاب میں داخل کی گئی ہے ۔ ائمہ طاہرین کا دفاع کرنے والے جناب باقر صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ روایت میں اس قسم کی روایت کو کیا کہا جاتا ہے البتہ وہ تو حدیث و رجال کو مانتے ہیں کب ہیں کہ وہ ان رموز کی طرف متوجہ ہوں ہاں ان کو مطلب کی روایت چاہئے وہ چاہے جہاں سے ملے اس لئے کہ علم تو مومن کی گمشدہ میراث ہے ۔

البتہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جناب باقر صاحب جو اپنی کتابوں کی ابتدا (بقول خود) کتاب عقل سے کرتے ہیں اتنے بے عقل ہیں کہ قال رضی اللہ کو تو مان رہے ہیں اور روایت جو عن ابی عبداللہ ہے جیسا کہ ہم نے اوپر نقل کیا ہے اس کو نہیں مانتے اور علماء کے خلاف وہ روایت نقل کرتے ہیں جس میں قال رضی اللہ ہے ۔ البتہ آپ نے اپنی کتاب میں اس روایت کو امام صادقؑ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی ایک عظیم خیانت ہے اس لئے کہ جس حوالے کے ساتھ آپ نے نقل کیا ہے وہ ہمارے پاس موجود " من لا یحضرہ الفقیہ " میں نہیں ہے اس لئے کہ اس باب میں صرف ایک روایت ہے جو قال رضی اللہ سے شروع ہوتی ہے میں اپنے محترم قارئین سے گذارش کروں گا کہ اس قسم کی خرافاتی کتاب کو کبھی بھول کر بھی ماہ رمضان میں نہ پڑھئے گا ورنہ آپ کا روزہ بھی باطل ہو جائے گا اس لئے کہ اکثر و بیشتر جگہوں میں جناب باقر صاحب نے اسی طرح کی خیانتیں کی ہیں۔اور مبطلات روزہ میں ایک مبطل یہ بھی ہے کہ نبی یا امام کی طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت دی جائے۔

احکام غسل

حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا اور تلاوت کرنا

مسئلہ حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا۔ خلاصہ فتوی : توقف در مساجد غیر مسجد الحرام و نبوی، لیکن اگر ایک در سے داخل ہو کر دوسرے در سے نکل جائیں یا کسی چیز کو اٹھانے جائیں تو حرج نہیں ہے ۔ سیستانی صاحب نے دونوں کام، اٹھانے رکھنے کو حرام جانا ہے۔

آپ کے مطابق آقائے خمینی اور آقائے سیستانی نے مسجد میں کچھ رکھنے اور اٹھانے کو حرام قرار دیا ہے[1] جب کہ آقائے لنکرانی نے نہ رکھنے کی اجازت دی ہے نہ اٹھانے کی ۔ آپ کا تبصرہ ہے کہ صرف آقائے لنکرانی نے حکم امام کے مطابق فتویٰ دیا ہے بقیہ مراجع کرام نے حکم امام کی مخالفت کی ہے تو لیجئے روایت ملاحظہ فرمایئے اور فیصلہ کیجئے کہ مراجع کرام نے مخالفت کی ہے یا نہیں۔

«عن ابی جعفر قال الحائض والجنب لا یدخلان فی المسجد الا متجازین و یاخذ ان من المسجد ولا یضعان فیه شیئا»، امامؑ نے فرمایا: مسجد سے کچھ لے سکتے ہیں، رکھ نہیں سکتے۔ پھر اگلی روایت میں فرمایا امام صادقؑ نے «یضعان فیه شیی ولا یاخذان منه» رکھ سکتے ہیں اٹھا نہیں سکتے۔ اب بتایئے یہ دو متضاد حدیث میں آپ کس طرح عمل فرمائیں گے۔[2]

آپ کی ایک خیانت یہ بھی ہے خمینی صاحب نے اپنی توضیح میں صرف اٹھانے کی بات کی ہے اور آپ

---

[1] بیان فتوي میں آپ نے خیانت کي ھے، آقاي خمیني نے رکھنے کي ذکر ھي نھیں کیا، اور اٹھانے کو جائز، جب که آقاي سیستاني نے دونوں امر کو احتیاط لازم کے تحت حرام قرار دیا ھے۔

[2] وسائل الشیعه، ح۲، باب ۱۷، عدم جواز وضع الجنب والحائض مشیا فی المسجد۔۔۔، ص ۲۱۳، ح۲۔۳۔ تہذیب الاحکام، ج۱، ص ۱۵۴، ح۲۹۔

نے رکھنا اٹھانا دونوں لکھا ہے۔ "شرم تم کو مگر نہیں آتی"۔

(خلاصہ فتویٰ:) سجدے والی آیت کے علاوہ قرآن پڑھا جا سکتا ہے مگر سات آیات سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔ جناب باقر صاحب کا تبصرہ یہ ہے کہ ائمہ طاہرین نے سورہ سجدہ کے علاوہ تمام قرآن کو پڑھنے کی اجازت دی ہے لہٰذا مراجع کرام کا فتویٰ حکم امام کے خلاف ہے۔

رہ گئی بات قرآن کی تلاوت کی تو اس سلسلے میں بھی روایت ملاحظہ فرمائیے: دونوں قسم کی روایت موجود ہے حتی کہ مطلق روایت بھی ہے کہ قرآن سے جو چاھو تلاوت کرو جس میں سورہ ہای عزائم بھی شامل ہیں جب کہ دوسرے اکثر مقامات پر تلاوت قرآن علاوہ از سورہ ہای عزائم کا تذکرہ ہے۔ جناب باقر صاحب آپ کن روایات کو اپنائیں گے اور کس کو چھوڑیں گے۔

سائل نے سوال کیا نفاس، حیض اور جنابت والے کیا قرآن کی تلاوت کر سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا:
«یقروون ماشاءوا» جو دل چاہے قرآن سے پڑھ سکتے ہیں اس میں سورہ ہای عزائم بھی شامل ہیں۔[1]

سائل نے سوال کیا کہا مجنب، حائض وغیرہ تلاوت قرآن کر سکتی ہیں آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ مگر سورہ ہای عزائم کو نہیں پڑھ سکتے۔[2]

مطلق منع فرمایا ہے امام صادقؑ: **«لاتمس الکتاب ومس الورق واقراہ»** بغیر وضو کے نہ قرآن چھو سکتے ہیں نہ ورق نہ قرأت کر سکتے ہیں۔[3]

سات آیت والی روایت سائل نے سوال کیا کہ کیا مجنب قرآن پڑھ سکتا ہے تو آپ نے فرمایا: **«ما بینه وبین سبع آیات»**[4]

---

[1] وسائل الشیعه، ح۲، باب ۱۷، عدم جواز وضع الجنب والحائض مشیا فی المسجد...، ص ۲۱۳، ح۲-۳- تہذیب الاحکام، ج۱، ص ۱۵۴، ح ۳۔

[2] وسائل الشیعه، ح۳، باب ۱۷، ص ۲۱۳، ح۲-۳- تہذیب الاحکام، ج۱، ص ۱۵۴، ح ۶۔

[3] وسائل الشیعه، ح٦، باب ۱۷، ص ۲۱۳، ح۲-۳- تہذیب الاحکام، ج۱، ص ۱۵۴، ح ۳۳۔

[4] وسائل الشیعه، ح۲، باب ۱۷، ، ص ۲۱۳، ح۲-۳- تہذیب الاحکام، ج۱، ص ۱۵۴، ح ۴۱، ح ۵۔

ایک مقام پر آپ نے فرمایا ستر آیات پڑھ سکتے ہیں۔[1]

آپ نے جو تبصرہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۰ پر فرمایا کہ مجتہدین نے سات سے زیادہ آیات قرآنی پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے جب کہ ائمہ معصومینؑ نے سوائے سورہ ہای عزائم کے پورا قرآن پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ جناب باقر صاحب کم از کم تمام روایات کا مطالعہ فرمایا ہوتا تو آپ اس قسم کی بات نہ کہتے۔

جس شخص پر چند غسل واجب ہوں[2]

مراجع کرام نے فرمایا ہے کہ جس پر چند غسل واجب ہوں وہ چاہے ایک نیت سے سب کو انجام دے یا الگ الگ کرلے۔ بعض نے فرمایا ایک ہی غسل کرنا ہے بعض نے فرمایا دونوں میں سے جس طرح کرے درست ہے آپ کا تبصرہ یہ ہے کہ یہ رخصت کس طرح مراجع کرام نے دی ہے اور دلیل کے طور پر فروع کافی کی حدیث نقل کی ہے اور حوالہ دیا ہے کتاب طہارت باب ۳۶، حدیث ا۔

اگر آپ کے پاس وہی ایڈرس نہیں ہے جو ہمارے پاس ہے تو بھی اغسال کے جتنے ابواب فروع کافی میں ہیں ان میں کسی ایک جگہ پر بھی جو روایت آپ نے دلیل کے طور پر لکھی ہے موجود نہیں ہے۔ آپ نے حوالہ مذکور کے ساتھ لکھا کہ امام صادقؑ نے فرمایا غسل جنابت کرنے کے بعد اور غسلوں کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ کم از کم میرے پاس جو فروع کافی ہے جس کا حوالہ تفصیل سے میں نے منابع و مآخذ کے باب کے ذیل میں نقل کیا ہے آپ کی بیان کردہ روایت نہیں ہے یعنی اب آپ کی جرأت اتنی بڑھ گئی ہے کہ مراجع کرام کے ساتھ خیانت کرتے کرتے ائمہ طاہرینؑ کے اقوال بھی غلط نقل کرنے لگے۔ یعنی جو روایت امام سے منقول ہی نہیں اس کو گڑھ کر آپ نے پیش کر دیا اور اس یقین کے ساتھ کہ عوام کہاں کتاب دیکھنے جاتے ہیں اپنا مدعا یعنی مراجع کرام کے اختلاف کو نقل کر دو اور ائمہ طاہرینؑ کی

[1] تهذيب الاحكام، ج۱، باب ۶، حكم الجنابة، ص ۱۵۶ وسائل الشيعه، ج۲، باب ۱۹، باب جواز قرأة الجنب والحائض، ص ۲۱۵، الاستبصار، ج۱، باب ۶۹ ، الجنب والحائض---، ص ۱۱۴۔
[2] کشف التضاد، ص۱۴۳۔

طرف غلط روایت منسوب کردو یہ ہی کام بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت کے زرخرید ضمیر فروش افراد انجام دیتے تھے کہ اہلبیتؑ کی کسی فرد سے منسوب کر کے حدیث اپنے فضائل کے لئے نقل کروالیتے تھے ان شاء اللہ آپ بھی انہیں لوگوں کے ساتھ محشور ہوں گے۔

جہاں تک چند غسل کے بجائے ایک غسل یا متعدد غسل کا مسئلہ ہے ائمہ طاہرینؑ کی روایت میں لفظ "یجزی"، "اجزاء" ، "مجزی" کا لفظ آیا ہے اس کے معنی تمام اہل لغت نے بدلے۔ برابر بدل بیان کئے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مجزی ہے یعنی حتمی نہیں ہے کہ ایسا ہی کیا جائے۔ دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں جس کو چاہئے اپنالو۔ اس لے مراجع کرام نے رخصت دی ہے کہ چاہے تو الگ الگ غسل کریں اور چاہیں تو ایک ہی غسل کرلیں وہ تمام کے لئے کافی ہوگا اور جہاں تک روایت کا مسئلہ ہے روایت ہے کہ طلوع فجر کے وقت ایک غسل انسان کرے جو دن میں تمام غسل کرنے میں اس کے لئے کافی ہوگا: «اذا اغتسل الجنب بعد طلوع الفجر اجزء عن ذالک من کل غسل یلزمه فی ذالک الیوم»[1]

غسل کے بعد وضو[2]

مراجع کرام کا فتویٰ ہے کہ غسل جنابت کے علاوہ باقی تمام غسلوں کے بعد وضو کرنا ضروری ہے اور آپ کا تبصرہ یہ ہے کہ درست نہیں ہے اس لئے کہ قول معصومؑ آپ نے نقل کیا ہے کہ سوائے غسل جمعہ کے کوئی غسل ایسا نہیں ہے جس میں وضو ہو غسل سے زیادہ پاک کرنے والا کون ہے۔ جس روایت کو آپ نے نقل کیا ہے وہ روایت آپ کی خیانت پر چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ یہ خیانت ہے اس لئے کہ حدیث اس طرح نہی جیسے آپ نے نقل کیا ہے یا پھر یہ ممکن ہو کہ آپ حدیث سمجھ ہی نہ پاتے ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں حدیث: «کل غسل قبله وضو الاغسل الجنابة» کہ ہر غسل سے پہلے وضو کرنا سوائے غسل جنابت کے۔ «وروی انه لیس شیی من الغسل فیه وضو الاغسل الجمعة فان

[1] فروع کافی، ج۱، باب ۲۷، مایجزی الغسل، ص ۴۹-۴۸-ح۲۔
[2] کشف التضاد، ص۱٤٤۔

قبله وضو»: کسی بھی غسل میں وضو نہیں ہے الا غسل جمعہ کے کہ اس میں غسل سے پہلے وضو ہے وروی ای وضوء اطھر من الغسل" کون سا وضو غسل سے زیادہ طاہر ہے قارئین کرام ملاحظہ فرمایا آپ نے ۔ تین روایت کو باقر صاحب نے ایک کر کے اپنے مطلب کی بات نکال لی جب کہ یہ تینوں روایت الگ الگ ہیں ۔ یہ ہے ان کی خیانت ۔ اور اس مذکورہ روایت میں تمام اغسال کے بعد وضو کو منع کیا گیا ہے سوائے غسل جمعہ کے یعنی غسل جمعہ کے بعد وضو کرنا ہوگا جب کہ روایات متعدد اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ غسل جمعہ خود واجب ہے۔ نیز خود حدیث جب کہہ رہی ہے کہ کون سا وضو غسل سے بہتر ہے ۔ تو غسل جمعہ کیوں مستثنیٰ ہے کیا یہ غسل نہیں ہے کہ اس کے بعد یا پہلے وضو کیا جائے ۔ جب کہ سارے مراجع کرام تقریباً غسل جمعہ کے بعد وضو لازم نہیں جانتے وہ انہیں روایت کی بناء پر ہے کہ جو غسل جمعہ کو واجب کہہ رہی ہیں مثلاً سائل نے امام سے سوال کیا غسل جمعہ کے بارے میں تو آپ نے فرمایا: «واجب علی کل ذکر وانثی عبدا وحر» سائل نے سوال کیا امامؑ سے کہ کیا غسل جمعہ واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: خدا نے نماز واجب کو نماز نافلہ کے ذریعہ مکمل کیا ہے صیام فریضہ کو صیام نافلہ کے ذریعہ مکمل کیا ہے اور وضو فریضہ کو غسل جمعہ کے ذریعہ مکمل کیا ہے۔[1]

---

[1] فروع کافی، ج۱، باب ۲۸، وجوب الغسل یوم الجمعة، ص ۱، ۲، ۳، ۴، ح ۴۹، من لا یحضره الفقیه ، باب ۲۲، غسل یوم الجمعة، ح ۷۔

احکام حیض

حیض والی عورت کی دبر میں وطی کرنا

صفحہ نمبر ۱۴۵: مراجع کرام کا فتویٰ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہیت شدید ہے بعض نے کفارہ کے بارے میں کہاہے کہ ایسا شخص کفارہ بھی دے بعض نے کفارہ کا بھی ذکر نہیں کیا ہے آپ کا تبصرہ ہے کہ یہ ایسامسئلہ ہے جس کوپڑھ کراور بیان کرکے گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے زانیوں پر کبھی عذاب نازل نہیں کیالیکن یہ فعل قبیح کرنے والی ایک قوم پر شدید عذاب نازل فرمایاہے۔

اولاً آپ نے آقائے خوئی کا جو فتویٰ نقل کیاہے کہ عورت کی پشت کی جانب سے مجامعت حرام ہے خواہ وہ حائض ہو یانہ ہو۔ فتویٰ غلط نقل کیاہے اصل فتویٰ اس طرح ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۵۶: حائض کے احکام، چند چیزیں اس عورت پر حرام ہیں جسے خون حیض آرہاہو۔ عورت کے اگلے حصے میں داخل کرنا جو مرد پر بھی حرام ہے اور عورت پر بھی چاہے صرف سپاری داخل ہو اور منی بھی نہ نکلے بلکہ احتیاط واجب یہ ہے کہ سپاری سے کم مقدار میں بھی داخل نہ ہو اسی طرح حائض کے پچھلے حصے میں بھی داخل نہ کرے۔

آپ نے جس طرح عوام کو بہکانے کی کوشش کی ہے اور فتویٰ نقل کیاہے یہ آقائے خوئی پر تہمت ہے۔اب جو لوگ بھی ان کا یہ فتویٰ پڑھ کر ان کو برا کہیں گے یا بدگوئی کریں گے ان سب کا عذاب آپ کے سر جائے گا۔

ثانیاً آپ کے تبصرہ کے مطابق عذاب زنا کرنے والوں پر نہیں آیا بلکہ اس فعل کے مرتکب افراد پر آیا ہے تو جناب آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ قوم اس فعل کو عورتوں کے ساتھ انجام نہیں دیتی تھی بلکہ اغلام بازی اور لواطہ کیا کرتی تھی یعنی عورت عورت مرد مرد جسے ہم جنس بازی کہا جاتا ہے لہٰذا خدا کا

عذاب نال ہوا ہے۔

ثالثاً آپ نے رسول خدا سے حدیث نقل کی من لایحضرہ الفقیہ کی کہ جس میں رسول خدا نے کہا میری امت کی عورتوں کا پچھلا مقام ہماری امت کے مردوں پر حرام ہے کم از کم میرے پاس جو ایڈیشن من لایحضرہ الفقیہ کا ہے اس میں اس قسم کی روایت نہیں ملی ممکن ہو روایت ہو مگر اس کے مقابلے میں تقریباً تمام ائمہ طاہرینؑ جن سے بھی اس فعل کے بارے میں سوال ہوا ہے انھوں نے جواز کا حکم لگایا ہے۔ اب اگر آپ میں ہمت ہو تو نعوذ باللہ کہہ دیجئے ائمہ طاہرینؑ نے حکم رسول کی مخالفت کرتے ہوئے اپنا حکم صادر کیا ہے۔

رابعاً جہاں تک شرم کا مسئلہ ہے آپ کو تو بغیر ایک چلو کے پانی ہی کے مرجانا چاہئے اس کے لئے کہ یہ مسائل خود ائمہ طاہرینؑ نے بیان کئے ہیں اور روایت بھی ہے "لاحیاء فی الدین" دین کو سیکھنے میں کوئی حیا نہیں کرنی چاہئے۔ لیجئے اب ائمہ طاہرینؑ کی روایت ملاحظہ فرمائیے۔

سائل نے امامؑ سے سوال کیا کہ حائضہ عوت کے ساتھ جماع ہو سکتا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا: «**کلا شیی ما عدا القبل منها بعینه**» قبل کے علاوہ دوسرے مقامات پر ہو سکتا ہے جائز ہے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا فرج کے علاوہ دوسری چیزیں مرد پر حلال ہیں۔ وسائل الشیعہ کے اس باب میں اس کے متعلق ائمہ طاہرینؑ سے ۹ عدد روایت موجود ہیں۔ استبصار میں آٹھ حدیث ، تہذیب میں ۵ عدد حدیث موجد ہیں۔ اب جناب باقر صاحب حدیث تو آپ کے نظریہ کے لحاظ سے سب صحیح ہیں ، لہٰذا نعوذ باللہ نعوذ باللہ فرمائیے یا رسول نے غلط کہا یا نعوذ باللہ نعوذ باللہ ائمہ طاہرینؑ نے حکم رسول کی مخالفت کی اب آپ کیا کہیں گے ؟

خامساً مراجع کرام نے جو بغیر کفارہ کے فتویٰ دیا ہے اس پر بھی ان کے پاس دلیل موجود ہے۔ جناب زرارہ نے امامؑ سے سوال کیا کہ کیا حائضہ عورت کے ساتھ جماع کا کفارہ ہے تو آپ نے فرمایا نہیں اس پر

کچھ نہیں ہاں استغفار کرو اور اعادہ نہ کرو۔[1]

اگرچہ کفارہ والی روایت بھی موجود ہیں مگر وجوب کی حد تک نہیں وہ بھی قبل میں دبر میں نہیں۔ ایسے حالات میں جب کہ روایات دو طرح کی ہوں اور مسئلہ بھی ایک ہو تو ہمارے مراجع کرام درمیانی راہ نکالتے ہیں۔ روایت دیکھتے ہیں حالات دیکھتے ہیں۔ راوی دیکھتے ہیں تب جا کر کہیں فتویٰ دیتے ہیں اب اگر آپ کے اندر کسی شریف انسان کا خون ہے تو حق و انصاف کے ساتھ بتایئے کہ ان حالات میں آپ کیا کریں گے؟

اسی طرح **صفحہ ۱۴۷** پر جو آپ نے نفاس والی بحث کی ہے اس میں بھی جواب یہ ہی ہے جو حیض والی عورت میں گذر چکا ہے لہٰذا ضروری نہیں کہ الگ سے اس کی بحث کی جائے کفارہ والی اور نہ دینے والی روایت بھی ہم نے نقل کردی ہے بعض مراجع کرام نے کفارہ دینے کا فتویٰ دیا ہے اور بعض کفارہ کو مستحب یا غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

حائضہ کا خضاب لگانا

صفحہ ۱۴۸: مراجع کرام کا فتویٰ ہے کہ حائضہ عورت کا خضاب لگانا درست ہے مگر مکروہ ہے آپ نے تبصرہ فرمایا کہ سارے مراجع اس مسئلہ میں ہم خیال ہیں اولاً ابتدائے کتاب میں آپ نے فرمایا کہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں مراجع کرام میں اختلاف نہ ہو لہٰذا میں نے پہلے بھی اس بات کو ذکر کیا ہے کہ خود آپ کی باتوں میں اور آپ کی کتابوں میں سوائے اختلاف اور تضاد کے کچھ نہیں ہے۔

ثانیاً قول معصوم جو آپ نے نقل کیا ہے کہ امام نے اجازت دی ہے کہ خطاب لگا سکتی ہے، اس کے مقابلے میں جو قول ہیں ان کو بھی ملاحظہ کر لیا ہوتا۔ مثلاً امامؑ سے سوال کیا گیا کہ کیا حائضہ عورت خضاب

[1] استبصار، ص ۱۳۵، ح ۸۔

لگاسکتی ہے توآپ نے فرمایا: نہیں اس لئے کہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو شیطان بہکانہ دے۔ دوسری جگہ امام موسیٰ ابن جعفرؑ سے سوال کیا گیا توآپ نے فرمایا: "لاتختضب الحائض "کہ حائض خضاب نہ لگائے

اس قسم کی حدیث اور بھی ہیں مگر ہم طوالت کی وجہ سے تمام احادیث کو نقل نہیں کررہے ہیں۔[1] اس مقام پر بھی بظاہر حدیث میں اختلاف نظرآتا ہے اب آپ بتایئے کہ کیا کرینگے ہمارے مراجع کرام کے پاس اس قسم کی متضاد روایت کو پرکھنے کے راستے ہیں اور انھیں راہوں پر چل کروہ فتوی دیتے ہیں مگر آپ کے پاس کون راستہ ہے جب کہ آپ حدیث فہمی کے تمام علوم سے منکر ہیں۔

[1] تہذیب الاحکام، ج۱، باب ۷، حکم الحیض والاستحاضه والنفاس۔۔۔، ح ۹۱، ۹۲، ۹۳، وسائل الشیعه، ج۲، باب ۴۲، جوا الخضاب للحائض من کراهیة، ح ۷، ۸،

بچے کی نماز جنازہ

صفحہ ۱۴۸: اس مقام پر بھی آپ نے خیانت سے کام لیا ہے اور خمینی صاحب کا مکمل فتویٰ نقل نہیں کیا ہے اصل فتویٰ اس طرح ہے توضیح المسائل مسئلہ ۵۹۴ مسلمان میت پر نماز پڑھنا اگرچہ بچہ ہو واجب ہے البتہ بچے کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہوں اور بچہ پورے چھ سال کا ہو جائے۔ خدا معلوم جہنم میں کس مقام پر آپ کا مقام ہو گا جو آپ مراجع کرام پر تہمت اور جھوٹا الزام لگایا کرتے ہیں اور جہاں تک آپ نے دو روایت نقل کی آپ نے روایت لکھی کہ فروع کافی باب الجنائز باب ۷۱، ح ۳ میں ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا میں بچوں پر نماز نہیں پڑھا کرتا۔ حضرت علیؑ بچوں کو بے نماز پڑھے دفن کر دیا کرتے تھے۔ دوسری روایت میں آپ نے لکھا کہ امام باقرؑ سے پوچھا گیا کہ کتنی عمر کے بچے پر نماز پڑھی جائے؟ تو فرمایا جب نماز کو سمجھنے لگے اور چھ سال کا ہو جائے۔ اب آپ خود بتایئے کہ امام باقرؑ نے اپنے والد بزرگوار اور اپنے جد بزرگوار مولائے کائنات کے حکم کے خلاف حکم دیا ہے یا نہیں۔ اب تو سمجھ جاؤ کہ اختلاف فتاویٰ کیوں ہیں۔ اختلاف روایات کے اسباب باب حدیث فہمی میں ملاحظہ فرمایئے ۔مراجع کرام نے اس قسم کی روایت کا حل نکالا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یا روایت درست نہیں ہے یا تقیہ کی وجہ سے ہے یا پھر اس قسم کی روایت ہماری کتب میں داخل کی گئی ہیں۔ آپ تو ان مذکورہ اصولوں کے قائل نہیں تو اب آپ اس حالت میں کیا کریں گے مجھے تو لگتا ہے کہ آپ ائمہ طاہرینؑ کی عصمت و ولایت سے بھی کچھ دن میں انکار کر دیں گے اس لئے کہ فتاویٰ میں اختلاف دیکھ کر آپ نے مراجع کرام کو چھوڑا ۔اب روایت میں اختلاف دیکھ کر ائمہ طاہرینؑ کو بھی چھوڑ دیں گے اس لئے کہ آپ نے ابتدائے کتاب میں امام باقرؑ سے روایت نقل کی ہے کہ خدا کو یہ بات ناپسند ہے کہ اس کے حکم میں اختلاف ہو یا اس کے حکم میں تناقض و تضاد ہو اگرچہ آپ کی اکثر خیانتیں دیکھ کر اور مذکورہ روایت کا حوالہ نہ دے کر ہمیں

سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ روایت بھی آپ نے تحریف کر کے لکھی ہے اور تحریف حدیث کرنے والے کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ع اگر اب بھی نہیں سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

اس باب کو ہم اسی جگہ پر ختم کر رہے ہیں اور باب صلوٰۃ میں داخل ہو رہے ہیں ہمارے محترم قارئین کے لئے آپ کی متضاد اور مفسد کتاب پر اتنا ہی تبصرہ کافی ہے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی ورنہ ہر باب کا جواب دیا جاتا اگرچہ آپ اس کے بعد بھی منہ کالا کرتے ہوئے اور ڈھٹائی سے کیسے کہیں گے کہ ان ابواب کے جواب اس لئے نہیں دیئے کہ ان کا جواب ان کے پاس تھا ہی نہیں لیکن ہمارے قارئین اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ آپ کی باتوں میں کتنا دم ہے اور سچائی، لہٰذا ہم اس باب کو اسی جگہ پر ختم کر رہے ہیں۔

اذان و اقامت[1]

فتاویٰ مراجع کرام

مرد و عورت کے لئے مستحب ہے کہ پانچوں نماز کے لئے اذان و اقامت کہے۔ جناب صاحب صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس سلسلے میں قول معصوم کی طرف رجوع کرتے ہیں، امام صادق (ع) نے فرمایا ہے کہ عورت پر نہ اذان ہے نہ اقامت، آپ نے من لایحضر کی روایت ۹۰۸ کا ذکر کیا مگر حدیث ۹۰۹ کو یا تو دیکھا نہیں یا دیکھ کر بھی اندیکھی کی اس لئے کہ وہ روایت آپ کے مخالف ہے، روایت ۹۰۹ میں ہے کہ عورت پر اذان و اقامت کہنا ضروری نہیں ہے اس کے لئے کلمہ شہادتین ہی کہنا کافی ہے لیکن وہ اذان و اقامت کہے تو افضل و بہتر ہے[2] اس مقام پر بھی اختلاف روایت موجود ہے جس کی بناء پر مراجع کرام کے فتاویٰ میں اختلاف ہے اگرچہ یہ ظاہری اختلاف ہے اس کا حل ہمارے مراجع کرام نے نکالا ہے اور اس حل سے متعلق ہم متعدد مقام پر تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ مگر چونکہ باقر صاحب صرف اختلاف فتاویٰ کی بات کرتے ہیں اور فتوے میں اختلاف کیوں ہے اس کا ذکر نہیں کرتے لہٰذا ہم نے اختلاف روایت کی بات کی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ در حقیقت فتوے میں اختلاف روایت کے اختلاف کی بناء پر ہے۔

الحمد و سورہ پڑھنا بھول جائے[3]

فتاویٰ مراجع کرام اگر کوئی حمد و سورہ بھول جائے اور رکوع میں پہونچنے کے بعد اسے یاد آئے تو اس کی نماز صحیح ہے۔

---

[1] کتاب کشف التضاد، ص۱۹۷-۱۹۸

[2] من لا یحضر الفقیه، ج۱، ح۹۰۹ اردو۔

[3] کتاب کشف التضاد صفحه۱۹۹:۔

باقر صاحب کا تبصرہ اور دعوہ پر دلیل یہ ہے کہ مراجع کے فتاویٰ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حمد و قرأت کے بغیر بھی نماز ہو سکتی ہے یعنی یہ لوگ حمد و سورہ کو شرط نماز نہیں مانتے۔ پھر دلیل کے طور پر فروع کافی سے امام صادقؑ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ امامؑ سے پوچھا گیا کہ نماز میں کیا فرض ہے تو آپ نے فرمایا[1] وقت کی پہچان، طہارت، قبلہ کا رخ، توجہ خاطر، رکوع و سجود، حمد و سورہ کی قرأت۔

جناب باقر صاحب: اولاً بہت سی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان قرأت بھول گیا ہے اور موقع و محل گذر جانے کے بعد یاد آئے تو نماز صحیح ہے ملاحظہ فرمایئے امام باقرؑ نے فرمایا کہ نماز کا اعادہ صرف پانچ موقعوں پر کیا جائے گا طہارت، وقت، قبلہ اور رکوع و سجود کے بعد بھول جانے کے بعد اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے اور فرائض کے بھول جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

ایک دوسرے مقام پر امام صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص رکوع میں سوروں کے بارے میں شک کرے تو اعتنا نہ کرے یعنی اس کی نماز صحیح ہے۔[2]

ثانیاً جو روایت آپ نے پیش کی اس کا مذکورہ فتاویٰ سے کیا تعلق ہے مارو گھٹنا پھوٹے سر والا حساب ہے، آپ کی پیش کردہ روایت فرائض کے باب میں ہے جب کہ فتویٰ سہو نماز کے سلسلے میں ہے۔

ثالثاً مذکورہ روایت میں تو امام نے تشہد و سلام کا بھی ذکر نہیں کیا ہے، تو کیا یہ فرائض میں شامل نہیں ہیں، یا مذکورہ ۹۹۱ نمبر کی روایت میں امام مزید فرماتے ہیں کہ سوروں کی قرأت اور تشہد سنت ہے اور سنت فریضہ کو نہیں توڑتا۔

کمال ہو گیا صاحب آپ لوگ جو شہادت ثالثہ کے وجوب کے قائل ہیں یہاں تو قول معصوم نے اسے مستحب قرار دیا ہے اور آپ لوگ تو صرف قول معصوم کو مانتے ہیں، اگر دل سے مانتے ہیں اور ڈھونگ نہیں کرتے تو اب ہم کو آپ مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے، اس لئے کہ فعل مستحب کریں یا نہ کریں، نہ عذاب ہوگا نہ ہماری نماز خراب ہوگی۔ ہاں آپ لوگ قول معصوم کی مخالفت کرتے ہوئے ایک فعل مستحب کو واجب قرار دیتے ہیں لہٰذا بدعت بھی ہے اور وجود شہادت ثالثہ کے قائل ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں نماز بھی صحیح نہیں۔

---

[1] من لا یحضرالفقیه، ج۱، ۱۹۸ ح ۹۹۱۔

[2] حواله مذکوره، ح۹۹۷، ص۱۰۰۴۔۱۰۰۵

مسافر کی نماز[1]

مسافر کی نماز کے ذیل میں بھی باقر صاحب نے خواب خوب مغالطہ سے کام لیا ہے اور سیدھے سادے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً ایک مقام پر امام صادقؑ کا قول نقل کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ تمام مراجع کرام کا فتویٰ قول معصوم کے خلاف ہے، قول معصوم ہے کہ جب سائل نے سوال کیا کہ ہم قصر کہاں سے شروع کریں تو آپ نے فرمایا: جہاں سے آبادی کے مکانات نگاہوں سے چھپ جائیں۔ جناب باقر صاحب تمام مراجع کرام کا فتویٰ بھی عین قول معصومؑ کے مطابق ہے اور سب نے یہ ہی فتویٰ دیا ہے کہ حد ترخص یعنی جہاں سے شہر کے مکانات نہ دیکھائی دیں انسان قصر نماز پڑھ سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ سفر کا ارادہ ۸ فرسخ ۴۴ کلومیٹر تقریباً ہو اور یہ شرط بھی مراجع کرام نے قول معصوم سے ہی اخذ کیا ہے۔

اور وہ اقوال معصومینؑ بیان کرتے ہیں کہ سفر میں نماز اس وقت قصر ہو گی جب ۸ فرسخ کا ارادہ ہو ملاحظہ فرمائیں۔[2]

ایک دوسری جگہ پر جناب باقر صاحب فرماتے ہیں کہ [3] اس مسئلے میں مجتہدین کے درمیان اختلاف تحقیق نہ کرنے کی بناء پر ہے پھر آگے فرماتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ موجودہ دور سے متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ آج کل ذرائع سفر میں گاڑیاں، بس یا ریل گاڑیاں اور جہاز وغیرہ شامل ہیں اور ان چیزوں سے سفر میں وہ مفروضہ جو مراجع کرام نے پیش کیا (کہ سفر ۸ فرسخ ہے یا نہیں اس میں تحقیق کی جائے گی یا نہیں) امکان نہیں اس لئے کہ سڑکوں اور ٹرین کی پٹریوں کے کنارے سنگ میل نصب ہوتے ہیں، جن سے فاصلہ اور مسافت کا علم ہو جاتا ہے۔

جناب باقر صاحب اولاً دروغ گو حافظہ نداد مثل کی آپ جیتی جاگتی تصویر ہیں آپ نے اپنی متعدد کتابوں میں بالخصوص کشف الحقائق اور کشف التضاد میں جا بجا تحریر فرمایا ہے کہ شریعت موجودہ دور یا گذشتہ دور کے لئے

---

[1] کشف التضاد ص۲۰۷ سے ص۲۲۵۔

[2] من لا یحضر الفقیه، ج۱، ص۲۵۳، ح۱۳۲۰۲ اردو۔

[3] ص۲۱۰۔

نہیں ہے ہر دور کے لئے ہے اور قیامت تک کے تمام مسائل ائمہ طاہرینؑ نے بیان کر دیئے ہیں۔

ثانیاً آپ کے پاکستان میں ٹرین کی پٹڑی کے کنارے سنگ میل ممکن ہے لگا ہو مگر ہمارے یہاں بہر حال نہیں ہے اگر بالفرض ہو بھی تو مسافر سفر کے دوران خالی سنگ میل پر ٹکٹکی لگائے بیٹھا رہے کہ اب اتنا فاصلہ گذر چکا ہے۔ یہ خود ایک زحمت کا کام ہے اور بقول آپ کے شریعت آسان ہے مشکل نہیں۔

ثالثاً ممکن ہے انسان کسی ایسی جگہ سفر کر رہا ہو جو نئی جگہ ہو اور اسے علم نہ ہو کہ اس کی مسافت کتنی ہے اور سنگ میل بھی نہ ہو مثلاً ایک دیہات سے دوسرے دیہات کا سفر۔

تو ان حالات میں انسان تحقیق نہیں کرے گا بغیر تحقیق کے جو دل میں آئے کرنے لگے گا یا پھر سوال کرے گا اور سوال کرنے میں مشکل ہی کیا ہے اس لئے کہ ہم نہ حسبنا کتاب اللہ والے ہیں نہ حسبنا حدیث والے لہٰذا سوال کر لینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی مسئلہ سے غافل رہ کر غلط عمل کر لیں۔

پھر آپ مزید فرماتے ہیں کہ شاید یہ مسئلہ ان لوگوں کو پیش آسکتا ہے جو غیر معروف راستوں، بیابانوں میں سفر کرتے ہوں ایسے لوگوں کے لئے تحقیق کرنا کیسے ممکن ہے پھر کیا پتہ کہ بستی والوں کو معلوم بھی ہے یا نہیں کہ جہاں سے آرہا ہے وہاں کا یہاں سے فاصلہ کتنا ہے۔

جناب باقر صاحب اولاً واقعاً دروغ گو حافظہ ندارد، ابھی اوپر عبارت میں آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ تو اس دور میں ممکن ہی نہیں پھر چند سطروں کے بعد ہی امکان کی صورت کیسے پیدا ہو گئی۔

ثانیاً اگر مقامی حضرات کو فاصلہ کا علم نہیں تو پھر آپ خود بتائیں کہ مسافر کو کیسے فاصلہ کا علم ہو گا، کیا غیر معروف راستوں اور جنگلوں میں بھی سنگ میل لگا رہتا ہے۔

ثالثاً اگر تحقیق نہ کرے تو اب میرا آپ سے سوال ہے کہ ان حالات میں ایک شخص کا حکم شرعی کیا ہے، کیا وہ سفر میں کتب روائی اور حدیث لیکر چلے کہ جہاں مشکل ہو دیکھ لے یہ خود ایک مشقت کا کام ہے اس لئے کہ کم از کم اگر روائی کتاب میں کتب اربعہ ہی ساتھ لے جانا پڑے تو دس بارہ کلو کا ایک بیگ الگ سے لے کر چلیں اور شریعت بندوں پر مشقت نہیں ڈالتی یا یہ آسان ہے کہ تحقیق کر کے اور مراجع کرام کے بتائے ہوئے فتوے پر عمل کرے؟

پھر آپ مزید فرماتے ہیں کہ سب سے کڑی شرط دو عادل گواہوں کی ہے ایک اجنبی بستی میں کسی کے لئے یہ

طے کرنا کہ کون عادل ہے تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ عادل و غیر عادل کا فیصلہ تو وہاں ہو گا جہاں انسان نے ان کے ساتھ عمر گذاری ہو۔ دنیائے فقہ میں یہ لفظ اس قدر عام ہے کہ موقعہ بہ موقعہ اس کا بے محابا استعمال ہوتا ہے جبکہ عادل اور غیر عادل کا تشخص ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔

جناب باقر صاحب اولاً مجھے نہیں معلوم کہ اس لفظ سے آپ کو کیوں اتنی تکلیف ہے شاید آپ کے دل کے نہاخانوں سے آواز آتی ہو گی کہ باقر یہاں اسی عدالت کے تحت آپ کا مواخذہ ہونا ہے جتنے گلچھرے اڑانا ہے جتنا قوم میں اختلاف پیدا کرنا ہے کر لو آخر ش تو جانا ہی ہے اور عدالت الٰہیہ سے کون بچ سکا ہے جو آپ بچ جائیں گے، خیر۔

ثانیاً فقہی اصطلاح میں جو عدالت کا مفہوم ہے تو شاید آپ کو معلوم نہ ہو میں بتائے دیتا ہوں، ہر اس شخص کو عادل کہا جائے گا جو واجبات کو ترک نہ کرتا ہے اور محرمات سے پرہیز کرتا ہو اور اس قسم کے عادل بہت ہیں آخر حسن ظن بھی تو کوئی چیز ہے۔

ثالثاً آپ نے جس معنی عدالت کو سمجھ رکھا ہے اس سے تو عوام الناس کی توہین لازم آتی ہے کہ آپ کیسی کو عادل نہیں سمجھتے، اب میں عوام سے گذارش کروں گا کہ وہ جائیں اور باقر صاحب سے پوچھیں کہ ہم عادل ہیں یا نہیں۔

رابعاً، مراجع کرام نے مذکورہ مسئلہ میں صرف عادل کی گواہی میں ہی فتوے کو محصور نہیں کیا ہے بلکہ آپ حضرات فرماتے ہیں کہ اولاً تحقیق کرئے یا دو عادل گواہی دیں یا پھر جو لوگوں کے درمیان مشہور ہو کہ فاصلہ کتنا ہے اس لئے کہ عموماً مقامی حضرات جانتے ہیں کہ ان کے شہر سے دوسرے شہروں کا فاصلہ کتنا ہو گا۔

احکام نماز

ظہر کا شرعی وقت[1]

تمام مراجع کرام کا فتویٰ ہے کہ ظہر شرعی کا وقت جب سایہ کمی کے آخری درجے تک پہنچ جائے اور دوبارہ بڑھنا شروع ہو تو معلوم ہوگا کہ ظہر شرعی کا وقت ہو گیا ہے، جب مراجع کرام کے فتوے میں اتحاد دیکھا تو آپ نے بغیر تبصرہ کئے ہوئے ایک روایت نقل کی اور وہ روایت بھی من لایحضرہ الفقیہ میں ہیں۔ اگرچہ اس روایت کو مان لیں تو آپ کی کم علمی کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ روایت جب آپ نہیں سمجھ پا رہے ہیں جن کو عالم ہونے کا دعویٰ بھی ہے تو پھر بیچاری سادہ لوح عوام جو علوم حدیث سے ناواقف ہے وہ کیسے سمجھے گی اس لئے کہ آپ نے جس روایت کو ذکر کیا ہے وہ انتہائے ظہر کا وقت بتا رہی ہے نہ کہ ابتدائے ظہر شرعی کا وقت۔ آپ نے روایت نقل کی امام باقرؑ اور امام صادقؑ نے فرمایا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد دو قدم سایہ ڈھلنے تک ہے۔

اس کے علاوہ ہماری چاروں کتاب تہذیب، استبصار، کافی، من لایحضرہ الفقیہ نیز وسائل الشیعہ میں پچاسوں حدیث ایسی موجود ہیں جس کے ذریعہ ہمارے مراجع کرام نے فتویٰ دیا ہے۔

نماز جمعہ[2]

آپ نے تبصرہ فرمایا ہے کہ آخر غیبت امام سے ایسا کون سا فرق پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے وجوب نماز جمعہ کی نوعیت ہی کو تبدیلی کرنا پڑ گیا۔ مجتہدین کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ جس شے کو اللہ نے واجب

---

[1] کشف التضاد، ص١٦٢۔

[2] کشف التضاد، ص١٦٢-١٦٤۔

عینی قرار دیا ہو وہ اسے واجب تخییری میں تبدیل کر دیں۔

جناب باقر صاحب آپ کی تحریر میں تضاد پایا جاتا ہے اور آپ دبے لفظوں مذکورہ تبصرہ کے ذیل میں وجوب عینی نماز جمعہ کے قائل ہوئے جب کہ دوسرے کئی جگہ آپ نماز جمعہ کی حرمت کے قائل ہیں اور جہاں تک مجتہدین کے اختیار کی بات ہے یقیناً مجتہد کو شریعت میں دخل کا حق نہیں مگر اجتہاد کرنے کا حق خود امام کی طرف سے دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ میری طرف سے حجت ہیں تم پر اور میں اللہ کی طرف سے ان پر حجت ہوں۔

صفحہ ۱۶۵ پر آپ نے تبصرہ فرمایا کہ بہت سے جلیل القدر مجتہدین جن میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور شہید ثالث بھی شامل ہیں ایسے بھی ہیں جنہوں نے غیبت امام میں نماز جمعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ اولاً آپ نے صرف نام لکھا ہے حوالہ نہیں دیا کہ کہاں ان بزرگان نے حرام کیا ہے نماز جمعہ کو۔ ثانیاً اگر حرام قرار دیا ہے تو یہ ان کا فتویٰ ہے اور فتوے کو آپ کو قبول نہیں کرتے۔ یہ بھی آپ کے بیان میں تضاد کی زندہ مثال ہے۔ ثالثاً انہیں مراجع کرام کو آپ نے کشف الحقائق میں آپ نے ایسے نازیبا الفاظ سے یاد کیا ہے جسے ہم نقل کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں پھر اس کتاب میں یہ جلیل القدر کیوں اور کیسے ہوگئے صرف اس لئے کہ (شاید) ان کا فتویٰ آپ کے مطابق ہے؟

جناب باقر صاحب اور حمایت و دفاع خلفاء ثلاثہ

من لا یحضرہ الفقیہ سے زیارت جامعہ کا ایک ٹکڑا نقل کرنے کے بعد آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ زیارت جامعہ کا یہ جملہ محکم دلیل ہے اس بات کی کہ حق حاکمیت صرف اور صرف امامؑ کے پاس ہے اور صلح امام حسنؑ کے بعد جہاں جہاں بھی جو کوئی بھی حاکم بنا ہوا ہے وہ غاصب حق امامؑ ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

جناب باقر صاحب ہم نے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ آپ استعمار کے ساتھ ساتھ اپنے پڑوسی ملک کے نمک کا بھی حق ادا کر رہے ہیں اور اس جگہ پر آپ نے کھل کر اس کا اظہار بھی کر دیا۔ کیا صلح حسن سے پہلے اور امام علیؑ سے پہلے خلفاء ثلاثہ جو حاکمیت اور خلافت امام علیؑ کو غصب کئے ہوئے تھے غاصب نہیں تھے۔ کیا وہ حق پر تھے اور اگر حق پر نہیں تھے تو پھر آپ نے ان کو مستثنیٰ کیوں کیا اس لئے کہ صلح حسن کے بعد کی قید کا مطلب ہے صلح حسن سے پہلے سب حق پر تھے، اگر آپ کہیں کہ وہ تو خلافت کا دعویٰ کر رہے تھے حکومت کا نہیں تو کیا وہ خلیفہ بر حق تھے ؟ اگرچہ خلافت کے نام پر حکومت ہی کی جارہی تھی اور حضرت علیؑ کی خلافت بر حق اور حکومت الٰہیہ (بقول آپ) کے غاصب تھے مگر آپ نے ان کو مثتنیٰ کر کے ثابت کر دیا کہ آپ انہیں کے مدافع ہیں اور آپ کے ان نظریات اور بیانات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ قوم شیعہ کے کتنے مخلص ہیں۔

آپ نے تبصرہ فرمایا کہ تمام مجتہدین شرائط نماز جمعہ بیان کرتے ہوئے ایک شرط بیان کرتے ہیں کہ کم از کم سات مسلمان جمع ہو جائیں جن میں ایک امام ہو اور ایک حدیث بیان کی: «لا جمعة بدون امام»

جناب باقر صاحب اولاً تمام مجتہدین نے سات کی شرط نہیں لگائی بعض نے سات اور بعض نے پانچ کی

شرط لگائی ہے۔امام خمینی نے پانچ کی شرط لگائی ہے۔مسئلہ ۴/۵۶ آقائے خوئی نے بھی پانچ کی شرط کی ہے ۔مسئلہ ۴۰/۷/ان کے علاوہ بھی اکثر فقہاء نے پانچ کی قید لگائی ہے۔ثانیاًامام سے مراد امام جماعت ہے اس لئے کہ جہاں بھی لفظ امام کا ذکر آیا ہے وہاں بغیر جماعت نماز جمعہ کے نہ ہونے کا ذکر ہے جو خود قرینہ ہے کہ امام سے مراد امام جماعت ہے امام معصوم نہیں۔آئندہ تذکرہ کریں گے اور روایت سے بھی ثابت کریں گے کہ نماز جمعہ امام معصوم کے علاوہ بھی ہوسکتی ہے اور انہیں روایات کی روشنی میں مراجع کرام نے فتویٰ دیا ہے۔

اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۹ پر آپ نے من لایحضرہ الفقیہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ امام باقرؑ سے روایت ہے کہ اگر سات نفر مومنین کی تعداد ہے تو نماز جمعہ واجب ہے اس سے کم تعداد پر واجب نہیں ہے۔امام اور قاضی اور دو مدعی اور مدعا علیہ اور دو گواہ اور ایک وہ جو امام کے سامنے حد جاری کرے۔ اس کے بعد آپ نے تبصرہ فرمایا کہ آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ آخر یہ نماز جمعہ ہو رہی ہے یا حکومتی احکام پر عمل درآمد ہو رہا ہے عدالت لگ رہی ہے قاضی موجود ہے مدعی مدعا علیہ موجود ہیں دو گواہ موجود ہیں اور وہ شخص بھی جو امام کے سامنے حد جاری کرے آج بھی اگر آپ دیکھیں تو سعودی عرب میں حکومتی فیصلوں پر عمل درآمد بعد نماز جمعہ ہی ہوتا ہے۔اسی روز سر قلم ہوتا ہے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں اور جیل بھیجا جاتا ہے پس اس حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ نماز جمعہ کا تعلق امام کی ظاہری حکومت سے ہے اور اگر یہ شرط مفقود ہو جائے تو نماز جمعہ واجب ہی نہیں ہے۔

جناب باقر صاحب کا سعودی کو حق

اور حکمران کو امام معصوم ماننا

بہت خوب جناب باقر صاحب مجھے نہیں معلوم تھا کہ اپنی کتابوں کو کتاب العقل سے شروع کرنے والا (بقول خود) اتنا بے عقل ہو سکتا ہے اگر آپ کو سعودی حکومت کی حمایت ہی کرنی تھی اور نمک حلال کرنا تھا تو اتنا کھل کر لکھنے کی امید نہیں تھی بہر حال قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں:

جناب باقر صاحب نے ایک روایت امام کی نقل فرمائی اور دلیل کے طور پر سعودی حکومت کے حد جاری کرنے کے مسئلہ کو لے آئے۔

اولاً وہ لوگ متعصب سنی ہیں وہابی ہیں امام باقرؑ کی روایت پر عمل نہیں کریں گے۔

ثانیاً آپ کی طرف سے ان کی حمایت کا کیا مطلب ہے؟

ثالثاً اگر امام کا مقصود امام عادل اور معصوم ہے تو پھر اب جب کہ امامؑ غائب ہیں کیا حدود شرعیہ معطل کر دیئے جائیں اگر آپ کہتے ہیں کہ معطل کر دیئے جائیں تو یہ نقص ہے اور آپ نے جدید مسائل کے ذیل میں یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت میں جدید مسائل کا امکان نہیں اور شریعت کامل ہو چکی ہے اور جس دن لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ حدود و قصاص بدون امام ممکن نہیں تو آپ خود بتایئے دنیا کا کیا حال ہو گا؟ کیا جنگل راج نہیں ہو جائے گا؟ ہر شخص منمانی نہیں کرنے لگے گا؟ اور ان سب سے اہم بات یہ ہے کہ تمام کتب احادیث سے حدود و قصاص کے ابواب کو ختم کرنا ہو گا، میں نہیں بلکہ خود مصنفین کتب احادیث جو بقول آپ کے خود اخباری تھے انھیں اپنی کتاب میں ان ابواب کو شامل کرنا ہی نہیں چاہئے تھا اس لئے کہ غیب امام مین ان ابواب کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لئے کہ حدود و قصاص تو امام کی موجودگی میں ہے مگر بزرگان نے اپنی کتاب میں ان ابواب کو شامل کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ اخباری نہیں اور غیبت امام میں امام کے وکلاء اور نائبین جو مجتہد ہیں حدود و قصاص کو جاری کر سکتے ہیں۔

رابعاً آپ نے جس طرح تبصرہ فرمایا ہے اس سے ابتداءً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ روایت کا

مضحکہ اڑا رہے ہیں مگر دروغ گو حافظہ ندارد کے تحت پھر آپ نے حکومت سعودی میں حدود کے اجراء کی تعریف فرمایا ہے ان کی تعریف ہی نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ "اس حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ نماز جمعہ کا تعلق امام کی ظاہری حکومت سے ہے۔ اس سے آپ ثابت کر رہے ہیں کہ سعودی حکومت شرعی حکومت سے نیز وہاں کا حاکم معصوم ہے۔

خامساً آپ تو شیعہ حکومت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں جہاں کم از کم دن میں پانچ مرتبہ علی الاعلان «حی علی خیر العمل» اور «اشھد ان امیرالمؤمنین علیاً ولی اللہ» کی آواز سنائی دیتی ہے اور کافی حد تک شریعت محمدی کا اجراء ہوتا ہے دوسری طرف حکومت سعودی کے غلط اقدامات کو درست قرار دیتے ہوئے وہاں کے حاکم کو معصوم ثابت کر رہے ہیں ان سب تبصروں کے بعد قارئین کرام خود ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ باقر صاحب کس کے ایجنٹ ہیں اور قوم شیعہ کے کتنے مخلص؟

صفحہ ۱۷۰ پر آپ نے تبصرہ فرمایا کہ قائل نے کہا ہے کہ چونکہ نماز جمعہ کو حرام جاننے والے کم ہیں لہٰذا ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ پھر آپ نے تبصرہ فرمایا کہ کیا مسائل شرعیہ کا فیصلہ بھی ووٹنگ کے ذریعہ ہونا چاہیئے؟ جناب باقر صاحب مسائل شریعت میں یقیناً روایات کی قلّت و کثرت کو نظر میں رکھا جاتا ہے اگر کسی مسئلہ میں روایت کم ہیں اور اس کے مقابلے میں زیادہ روایت پائی جاتی ہے تو مراجع کرام اکثریت والی روایت لے لیتے ہیں اور بالعکس اگر روایات زیادہ ہیں مگر درست نہیں اور کم روایات ہیں مگر صحیح و درست ہیں تو اس کم والے گروہ پر مراجع کرام عمل کرتے ہیں۔

صفحہ ۱۷۰ پر ایک اور مغالطہ کے عنوان سے تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے امام سجادؑ سے روایت نقل کی اگرچہ حوالہ نہیں دیا مگر ظاہراً یہ صحیفۂ سجادیہ کی کوئی دعا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ بارالٰہا یہ مقام خطبہ اور امامت جمعہ تیرے امانت داروں کا محل تھا درآنحالیکہ تو نے اسے بلند منصب کے ساتھ انہیں سے مخصوص کیا تھا غصب کرنے والوں نے اسے چھین لیا۔ اپکا تبصرہ تین صفحوں پر مشتمل ہے: صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۴، جس کا کل خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے صرف اور صرف بنی امیہ اور بنی عباس کا دفاع کرنے میں

اپنی طاقت صرف کی ہے۔ جہاں تک عموم خصوص کا سوال ہے ہم اس سلسلے میں بحث کریں گے جب آپ عموم و خصوص کے قائل ہوگئے ہیں تو ہم جمعہ کے سلسلے میں عمومی روایت بھی نقل کریں گے اور خصوصی بھی۔

مجھے تو آپ کے دماغ کے ساتھ ساتھ فکری کجی پر بھی افسوس ہے اور غربت علمی پر ہنسنا بھی آتا ہے کہ آپ تو تاریخ کی ت سے بھی واقف نہیں جو شخص صحیفۂ سجادیہ کا اردو ترجمہ نہ سمجھ سکتا ہو وہ عربی زبان میں کلام معصوم کو سمجھ کر کیا مسائل کو اخذ کر سکتا ہے آپ کو معلوم ہی نہیں کہ امامؑ نے کن حالات میں کن لوگوں سے کس کے لئے یہ جملہ کہا ہے؟ واقعہ کربلا گذر چکا ہے بنی امیہ کا دور ہے امام معصومؑ موجود ہے اور نماز جمعہ غیر لوگ پڑھا رہے ہیں اور صرف یہ ہی نہیں ۴۰ ہزار منبروں سے حضرت علیؑ کو گالیاں دی جا رہی ہیں جب کہ اس دور میں کوئی امام ظاہری طور پر موجود نہیں تو پھر یہ مراجع کرام کس کا حق غصب کر رہے ہیں اگر امام ظاہر ہوتے اور مراجع کرام ان کو اس حق سے محروم رکھتے تو آپ کا الزام درست تھا اور غاصب کہلاتے جس دور میں امام زندگی گذار رہے تھے اور خدا سے شکوہ فرما رہے تھے کیا اس زمانہ میں مراجع کرام موجود تھے؟ یہ فتویٰ موجود تھا؟ جو آپ مراجع کرام کو موردالزام ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ بنی امیہ کا نام آتے ہی آپ تلملا کیوں اٹھے یہ ان کا دفاع کیوں شروع کر دیا اور دشمنی و دوستی کے مغالطے میں اس کو لپیٹ دیا ان سب باتوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ کا ان سے یقیناً کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور ہے ورنہ اس طرح معاویہ اور بنی امیہ کا نام سنتے ہی آپ چراغ پا نہ ہو جاتے اور ان کا دفاع نہ کرتے۔

صفحہ ۷۶ اپر یہ شمارہ ۷ کے عنوان سے آپ نے تبصرہ کیا کہ مولانا نے لکھا کہ آل محمد کی معنوی حکومت کو معاشرہ میں قائم کیا مجھے نہیں معلوم یہ مولانا کون ہیں اور نماز جمعہ کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے صد در صد درست لکھا ہے اور آپ نے بھی بے خیالی میں تائید بھی فرمائی ہے اس لئے کہ آپ پہلے کہہ چکے ہیں کہ بنی امیہ کے زمانہ میں شیعہ اپنی جان بچانے کے لئے کونے کھدرے میں چھپتے پھر رہے تھے (البتہ شیعوں کے لئے اس طرح کے رکیک جملے لکھنا آپ کی خباثت نفس اور بنی امیہ سے دوستی کو ثابت کر رہا

ہے) اور حکومت معنوی کا مطلب آپ نے یہ نکالا ہے کہ ان کی ولایت تو اس وقت کے شیعہ حضرات بھی ولایت کا ہی پرچار کررہے تھے اور لوگوں کو آل محمدؐ کی مظلومی اور ان کے حقوق اور ان کی ولایت کی طرف راغب کررہے تھے رشید ہجری اور میثم تمار وغیرہ کا کیا قصور تھا کہ ان کو اموی حکمرانوں نے قتل کیا سوائے اس کے کہ وہ مدافع اہلبیت تھے اور ہم نے ائمہ طاہرینؑ کے زمانہ میں باب اجتہاد کے ذیل میں ثابت کیا ہے کہ میثم تمار بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

صفحہ ۷۷ پر آپ نے اپنی خباثت نفس کا اظہار کرتے ہوئے مراجع کرام پر خمس لینے کا الزام لگایا اگرچہ یہ ان کا حق ہے اور یہ حق ان کو معصومینؑ نے دیا ہے جسے ہم خمس کے باب میں ثابت کریں گے مگر سعودی حکومت امریکہ اسرائیل جیسے بدترین اسلام اور شیعہ دشمنوں سے پیسہ لینا کہاں سے جائز ہو گیا ہے۔

آیئے اب ہم ان دو روایات کو پیش کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ غیبت امامؑ میں بھی پڑھی جاسکتی ہے اور انہیں روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارے مراجع کرام نے فتاویٰ صادر فرمائے ہیں۔

امام باقرؑ سے زرارہ ابن اعین نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر جمعہ سے جمعہ تک ۳۵ نمازیں فرض کی ہیں اور ان میں سے ایک نماز ایسی ہے جو جماعت سے پڑھی جائے گی اور وہ ہے جمعہ کی نماز۔[1]

جناب باقر صاحب کیا ناس (لوگ) میں صرف وہی لوگ شامل ہیں جو امام معصومؑ کے زمانہ میں رہتے تھے اور بالخصوص غیبت امامؑ میں جو لوگ رہ رہے ہیں کیا وہ ناس میں شمار نہیں ہوتے۔ یہاں ممکن ہے کہ آپ ناس (لوگ) میں نہ ہوں مگر دوسرے لوگ ناس (لوگ) میں ضرور ہیں۔

پھر زرارہ نے امام سے سوال کیا کہ مولا نماز جمعہ کب واجب ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب مسلمان میں سے سات لوگ جمع ہو جائیں اور پانچ سے کم میں جمعہ نہیں ہو گی اور جب سات لوگ جمع ہو جائیں اور

---

[1] من لا یحضره الفقیه، ج۱، ص ۳۲۸، ح ۱، باب ۵۷، وجوب الجمعة وفضلها۔۔۔

خوف بھی نہ ہو تو جمعہ واجب ہو جائے گی۔[1]

کیا باقر صاحب مسلمین میں آپ ہیں کہ نہیں اور لفظ امام مطلق استعمال ہوا ہے اس جگہ پر امام معصوم کی قید نہیں لگائی گئی کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم قول معصوم کی مخالفت کریں؟اور نماز جمعہ کو معطل کر کے خود کو انسانوں اور مسلمین کے زمرے سے نکال لیں۔

امام سے سوال کیا گیا کہ ہم لوگ نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا جب تم لوگوں کی سات کی عدد روز جمعہ پوری ہو جائے تو جماعت کے ساتھ نماز جمعہ پڑھو۔[2]

یہاں بھی مطلق حکم ہے امام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں وہاں موجود ہوں اس وقت نماز ہو گی بلکہ آپ نے فرمایا جب سات لوگ ہو جائیں تو نماز کو جماعت سے پڑھو اس کے علاوہ جہاں جہاں بھی امام کا لفظ آیا ہے وہاں جماعت کا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ امام سے مراد امام جماعت ہے نہ کہ امام معصوم پھر یہ کہ امام کسی ایک جگہ نماز پڑھائے گا بقیہ جگہ پر کیا لوگ امام کی غیر موجودگی میں جہاں امام حاضر نہیں محروم رہیں گے اس بافضیلت نماز سے؟

حضرت علیؑ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا جمعہ کی نماز واجب ہے ہر مومن پر سوائے بچے مریض، مجنون، بوڑھا، اندھا، مسافر عورت، غلام اور جو لوگ قریہ کے باہر ہوں۔[3]

جناب باقر صاحب یہاں بھی مولا نے مومن کی شرط لگائی ہے کہ ہر مومن پر نماز جمعہ واجب ہے کیا آپ خود کو مومن نہیں سمجھتے؟ اور اگر نہیں سمجھتے تو شاید یہ آپ کا پہلا درست قدم ہو گا ویسے ہر منافق خود کو سب سے بڑا مومن سمجھتا ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا جو بھی نماز جمعہ میں پہنچنے کے لئے کوشش کرے گا خدا اس پر جہنم کی آگ کو

---

[1] من لا يحضره الفقيه، ج۱، ص ۳۲۸، ح۲، باب وجوب الجمعة

[2] الاستبصار، ج۱، ص ۴۱۶ با ۲۵۲، "العدد الذى يجب عليهم الجمعة، ج۱

[3] وسائل الشيعه، ج۷، ص ۲۹۷، باب ۱، وجوبها على كل مكلف۔۔۔، ج۶

حرام کردے گا۔[1]

کیا جناب باقر صاحب فرمائیں گے کہ غیبت امامؑ میں بقول آپ کے نماز جمعہ ہے ہی نہیں تو کوشش بھی نہیں ہوگی تو پھر جہنم کی آگ بھی ان لوگوں کا مقدر ہو جائے گی بالخصوص وہ لوگ جو امام معصومؑ کی قید لگاتے ہیں وہ غیبت میں جمعہ کو درست نہیں سمجھتے۔

امام صادقؑ نے فرمایا جمعہ ہر شخص پر واجب ہے کوئی بھی اس سے معذور نہیں ہے مگر عورت، غلام، مسافر، مریض، صبی یعنی بچے۔[2] اس حدیث میں بھی امام نے "علی کل احد" کہہ کر سارے کے سارے راستے بند کر دیئے ہیں نیز یہ کہ عورتوں کا نماز میں جانا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان پر فرض نہیں اگر چلی جائیں تو اشکال نہیں ہے۔

اس جگہ پر بھی جس طرح آپ مراجع کرام پر اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں نے ایک فعل میں فلاں شرط کی ہے فلاں نے شرط نہیں کی اسی طرح اس روایت پر بھی اگر ہمت ہے تو اعتراض کیجئے کہ اس لئے کہ اس سے قبل والی روایت میں مستثنیٰ ہونے والے افراد پانچ سے زیادہ ہیں اور اس روایت میں صرف پانچ افراد مستثنیٰ ہیں۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: «ان الله كتب عليكم الجمعة فريضة واجبة الى يوم القيامة» اس حدیث نے تو آخری کیل ٹھونک دی باقر نثار صاحب کے نظریہ پر اس لئے کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ اللہ نے نماز جمعہ کو واجب قرار دیا ہے قیامت تک کے لئے اس میں کہیں شرط نہیں ہے کہ امام معصوم ہوں۔ اسی وقت نماز جمعہ ہوگی ورنہ الی یوم القيامة نہ کہتے اور یہ حکم اسی طرح ہے جیسے قرآن میں روزہ کے لئے ہے کہ «كتب عليكم الصيام» لکھ دیا گیا ہے رسول بھی چونکہ قرآن ناطق ہے لہٰذا وہی قرآنی لہجہ

---

[1] حواله مذكور، ح۷

[2] حواله مذكور ح۱۶۔

آپ کے لہجہ میں شامل ہے کہ جمعہ لکھ دی گئی ہے لوگوں پر قیامت تک کے لئے۔[1] اور رسول خدا اپنے علم کے ذریعہ جانتے تھے کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ جب دنیا کی نظروں سے امام غائب ہوگا۔ لہٰذا رسول خدا کو «الی یوم القیامۃ» کہنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ اب اگر کہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ رسول خدا کی نگاہ میں زمانہ غیبت میں وقت کے امام کے نائبین اس فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سی احادیث مختلف کتب روائی وغیرہ میں موجود ہیں شائقین دیکھ سکتے ہیں اور فیصلہ کر سکتے ہیں کہ باقر نثار صاحب صحیح فرماتے ہیں یا مراجع کرام، جہاں تک واجب تخییری کا مسئلہ ہے تو چونکہ ہر روز ایک نماز تو واجب ہی ہے اور روز جمعہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے لہٰذا دونوں میں سے کوئی بھی نماز پڑھ لے وہ کافی ہے۔

لیکن نماز جمعہ افضل ہے لہٰذا روز جمعہ نماز جمعہ کو پڑھنا بہتر ہے اگر شرائط جمع ہو جائے اور تخییر اس لئے ہے کہ نماز جمعہ کے ساتھ ایک دوسری واجب نماز ظہر موجود ہے اور روایات مذکور سے ثابت ہے کہ نماز جمعہ بھی واجب ہے لہٰذا ایک واجب کا دوسرا واجب بدل ہو سکتا ہے جب کہ جنس ایک ہو، اسی لئے مراجع کرام نے واجب تخییری کا فتویٰ دیا ہے، ظہر پڑھیں تو جمعہ ساقط، جمعہ پڑھیں تو ظہر ساقط۔

[1] حواله مذکور، ح ۲۲۔

یقین قبلہ

فتوی مراجع: اگر سمت قبلہ پتہ کرنے کا کوئی وسیلہ نہ ہو اور کوشش کے باوجود کسی ایک طرف گمان بھی نہ جائے تو اگر نماز کا وقت وسیع ہے تو ہر چار جانب نماز ادا کرے الخ۔۔، مراجع کرام کے فتاویٰ نقل کرنے کے بعد آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ تمام مجتہدین شک میں مبتلا ہیں اسی لئے فتاویٰ میں اختلاف ہے اور پھر آپ بیان کرتے ہیں کہ جن مراجع کرام نے چار جانب کی بات کہی ہے اسے کوئی بھی عقلمند قبول نہیں کرے گا۔

جناب ہر عقلمند اسی چیز کو قبول کرتا ہے کہ جب انسان کسی دو چیز میں مشکوک ہو جائے کہ درست کیا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ دونوں کو انجام دے لے تاکہ یقین ہو جائے کہ میرا فعل درست ہے۔

اس کے بعد آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ خدا بھی اپنے بندوں کو مشقت میں نہیں ڈالتا تو جناب عالی حقیقتاً اللہ اپنے بندوں پر وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں ڈالتا مگر کیا نماز تکلیف و کلفت ہے اگر عبادات الٰہی کو تکلیف سمجھتے ہیں تو کوئی بات نہیں اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مومن نماز نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ اپنے خدا سے ملاقات اور بات کرتا ہے کون مومن ایسا ہے جو اللہ سے ملاقات سے کتراتا ہے۔

بہر حال آپ نے چار جانب نماز پڑھنے کے مراجع کرام کے فتاویٰ کو رد کرتے ہوئے امام باقرؑ اور امام صادقؑ کی روایت نقل کی ہے اور تبصرہ فرمایا ہے کہ مجتہدین کے فتاویٰ خلاف حکم معصوم ہے نیز یہ کہ جو چار رکعت نماز واجب ہے اسے سولہ رکعت پڑھنا ہوگا اور یہ شریعت محمدی میں تغیر و تبدیلی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے جو روایات چار جانب نماز پڑھنے کو کہتی ہیں امامؑ نے فرمایا جو شخص قبلہ معین نہ کر سکے

اسے چار جانب نماز پڑھنا چاہئے۔[1]

اب بتایئے جناب، مراجع کرام نے شریعت محمدی میں تغیر اور تبدیلی کی ہے یا ائمہ طاہرین (ع) نے، یہاں بھی آپ نے اپنی مرضی کی روایت کا استعمال کیا اور دوسری روایت نقل نہیں کی اور ہم نے دوسری روایت آپ کی روایت کے خلاف نقل کی ہے، اب ارباب اخباری کس روایت پر عمل کرینگے جن کا محور صرف روایت ہے اور روایت کو چھوڑ بھی نہیں سکتے اس لئے کہ دونوں قول معصوم ہے ایک روایت لے گیں تو دوسری چھوٹے گی اور جو روایت چھوٹے گی اس کے انجام نہ دینے پر حکم معصوم کی مخالفت ہو گی۔

عجائب المسؤلین

اس ذیل میں آپ قصہ کہانیوں کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ اس کتاب کا موضوع قدرے غیر دلچسپ ہے لہٰذا مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں اپنے قارئین کو اسی حالت میں چھوڑ دوں لہٰذا چند نمونہ حاضر ہیں۔

تعجب ہے باقر نثار زیدی صاحب کی فکر پر پوری کتاب میں روایات و حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ موضوع خشک ہے، کیا ائمہ طاہرین (ع) سے منقول روایات خشک ہوتی ہیں اگرچہ ہم ابھی ثابت کرینگے کہ یہ مسائل بھی جسے باقر صاحب تفریح ذہنی کے لئے پیش کررہے ہیں وہ بھی ائمہ طاہرین سے ہی منقول ہیں جو شخص اقوال معصومین کو تفریح طبع کا ذریعہ سمجھتا ہو اس کے خیانت باطنی پر تبصرہ کرنا ہی مہمل ہے۔ قارئین کرام اب تو ان جناب کی حیثیت و حقیقت کو سمجھ لیجئے کہ یہ صاحب، ائمہ طاہرین کی روایت کو خشک اور بعد میں تفریح ذہنی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

---

[1] من لایحضره الفقیه، ج۱۱، ص ۲۴۹، باب ۴۲، القبله ح ۱۴، وسائل الشیعه ج۴، ص ۳۱۰، ۳۱۱، باب ۸، وجوب الصلوٰۃ اربع جهات، ح۱، ح۵ ، تہذیب الاحکام، ج۲، ص ۴۲، باب ۵، القبله، ح۱۲۔

دشمنی محمد وآل محمد انسان چاہے لاکھ چھپائے حق منھ پہ آہی جاتا ہے۔

صفحہ ۲۶۶ پہ آپ امام خمینی رحؒ کا ایک فتوی نماز کے سلسلے میں نقل کرتے ہیں کہ ،ایک شخص تنگ وقت میں نماز پڑھ رہاہے اور اثنائے نماز میں لباس نجس ہوجائے اور قبل اس کے کہ وہ اگلا حصہ نماز کا ادا کرے، اسے معلوم ہو جائے کہ لباس نجس ہے اور شک ہو کہ اسی وقت نجس ہوا ہے یا پہلے سے نجس تھا تو اگر بدلنے یا پاک کرنے سے نماز نہین ٹوٹتی تو اس پاک کرے یا پھر اتار دے۔

تبصرہ فرماتے ہیں میرا دعوی ہے کہ کوئی آئے اور ایسی نماز پڑھکر دیکھائے جس میں نماز کی حالت میں کپڑا پاک کرے اور پھر پہن بھی لے (اگرچہ اس جگہ بھی باقر صاحب نے کھلی خیانت سے کام لیا ہے، فتوی ہے دھلے یا بدل لے ،آپ نے تبصرہ فرمایا کپڑا دھلے پھر پہن لے) اور موالات بھی نہ ٹوٹتے قبلہ سے رخ بھی نہ پھرے۔ ایسی نماز پڑھنے والوں کا نام ہم گینز بک آف دی وڑلد، لکھوائے گیں۔

جناب باقر صاحب آپ نے اقوال معصومین (ع) کی مخالفت کر کے گینز بک آف جہنم میں ضرور نام لکھوالیا ہے، مبارک ہو آپ کو قول معصوم (ع) کے آیینہ میں ہم ایسی ہی ایک نماز پیش کرتے ہیں۔

علی ابن جعفر نے اپنے بھائی امام موسی بن جعفر (ع) سے ایک طویل روایت کی ہے جسمیں نمازی کے بارے مختلف سوالات کئے گئے ہیں، انھیں سوالوں میں ایک سوال یہ ہوا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، کسی نے اس کو پتھر مارا اور اس نمازی کے بدن سے خون نکل آیا وہ نماز کی جگہ سے پلٹا اور زخم کو دھویا مگر کسی سے کوئی بات نہیں کی واپس مسجد میں آیا کیا وہ جتنی نماز پڑھ چکا ہے، دوبارہ پڑھے یا اس کے آگے پڑھے ،آپ نے فرمایا وہ اس سے آگے پڑھے اور جو پڑھ چکا ہے اس میں کسی کا اعادہ نکرے۔[1]

جناب باقر صاحب، مراجع کرام پر تنقید اور سوالات سے پہلے امام (ع) سے سوال کیجئے کیا اس کا موالات باقی ہے؟ کیا قبلہ اس کا سلامت ہے ،اب آپ ایسی نماز کو کیا لکھے گیں جس کا امام (ع) حکم دے رہے ہیں۔

ان تمام باتوں سے ایک بات تو ثابت ہے کہ آپ صرف اور صرف شیعوں کے درمیان اختلاف پیدا

---

[1] من لا يحضر الفقيه، ج١ ، ص١٣٨، ح٧٧٦۔

کرنے کے در پے ہیں ورنہ حدیث کی موجودگی میں آپ اس قسم کی بیہودہ اور پوچ باتیں نکرتے ،آپ کو نہ اقوال معصومین (ع) کا پاس ولحاظ ہے اور نہ تعلیمات معصومین کا اس لئے کہ اخباریوں کا کم از کم اتنا دعوی تو ہے ہی کہ وہ روایات پر عمل کرتے ہیں ، مگر آپ تو روایات ہی کے مخالف ہیں۔[1]

ایک اور مثالی نماز[2]

آقای خمینی (رح) کا فتوی نقل کرتے ہیں اگر اثنای نماز میں کئی دفعہ اس سے پائخانہ خارج ہوتا ہے اور بار بار وضو کرنا بھی اس کے لئے مشکل نہیں تو وہ پانی کا برتن اپنے قریب رکھ لے اور جب بھی پاخانہ خارج ہو وضو کر کے بقیہ نماز پڑھے۔

اس مسئلہ پر آپ تبصرہ فرماتے ہوتے لکھتے ہیں کہ آپ ایسی نماز کا صرف معمولی تصور کر لیں اور اس جا نماز کا بھی وغیرہ۔

جناب باقر صاحب، اس دور میں تو اس قسم کی مشکلات کے حل کے لئے مختلف قسم کے اسباب فراہم ہیں آج تو کوئی مشکل نہیں ہے مختلف پیمپرز وغیرہ آگئے ہیں جسے باندھ کر انسان نماز پڑھ سکتا ہے نہ مصلی کثیف ہوگا نہ لوگوں کے لئے مشکلات ہونگیں، ہاں آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پائے گیں کہ لوگوں کو اس بہانے نماز سے دور کر سکیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ تمام امکانات آج کی ترقی یافتہ دور میں آئے ہیں کل یہ سب کچھ نہیں تھا، پھر ائمہ طاہرین (ع) نے ایسی نماز کے لئے حکم دیا ہے اس کا مطلب ہے کہ کل بھی اس قسم کے دوسرے امکانات ضرور رہے ہونگے جس کی بناء پر امام نے حکم دیا ہے ، کیا آپ امام (ع) سے زیادہ خود کو طاہر اور پاک صاف سمجھتے ہیں اب وہ روایات بھی ملاحظہ فرمایئے جس میں امام (ع) نے نماز کا حکم دیا ہے۔

امام باقر (ع) کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص کو ہر وقت پاخانہ ہو تو وہ وضو کرے اور نماز پر بناء رکھے

---

[1] مذکورہ نماز کي طرح ایک اور نماز بھي روایت میں ذکر ھے ، ح۱۰۶۰۔

[2] کشف التضاد، ص۳۲۷۔

گا۔[1]۔ لیجئے جناب اس روایت کو پڑھنے کے بعد آقای خمینی(رح) کے ساتھ ساتھ آپ امام(ع) کا بھی مزاق آڑا رہے۔

پوسٹ مارٹم[2]

آقامی خمینی(رح) کا فتوی نقل کرتے ہیں کہ مسلمان کا پوسٹ مارٹم جائز نہیں اگر ایسا کریں تو فعل حرام ہے۔ اس لئے آپ تبصرہ فرماتے ہیں کے نئے زمانے کے نئے مسائل حل کرنے والے شاید بھول رہے ہیں کہ مشکوک موت کی ضرورت میں بغیر پوسٹ مارٹم، مجرم کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا اور اس کے حرام قرار دئے جانے کی صورت میں قتل کا کوئی بھی کیس حل نہیں کیا جاسکتا وغیرہ، پھر لکھتے ہیں اگر میت کی بی حرمتی پیش نظر ہے تو بے حرمتی تو کافر کی لاش کی بھی نہیں کی جاسکتی، کیا رسول خدا نے کسی جنگ میں کافر کے اعضاء کاٹنے کی اجازت دی تھی؟

جناب باقر صاحب، اولاً تقریباً تمام مراجع کرام نے وقت ضرورت پوسٹ مارٹم کی اجازت دی ہے اور خمینی صاحب نے بھی ایسی کوئی بات نہیں لکھی جس میں پوسٹ مارٹم کو مطلّقاً حرام جانا جائے، جس طرح ابھی تک تمام مراجع کرام کا فتوی نقل کرتے آئے ہیں اس مسئلہ میں سب کا فتوی کیوں نہیں نقل کیا۔ ثانیاً کیا رسول خدا(ص) یا ائمہ طاہرین کے زمانے میں کیسی کا پوسٹ مارٹم ہوتا تھا، یہ تو جدید مسئلہ ہے اور اس کے آپ قائل نہیں، لہٰذا آپ کو اس مسئلے میں بحث ہی نہیں کرنی چاہئے تھی مگر آپ کو مجتہدین کرام کی دشمنی نے اتنا لاشعور بنادیا ہے کہ خود اپنی بات بھی یاد نہیں رہتی، صحیح ہے دروغ گو حافظہ ندارد۔

ثالثاً: میدان جنگ کا مسئلہ الگ ہے اور عالم حالات میں مرنے والے کے حالات الگ خود آپ کے بیان کے مطابق مشکوک مرنے والے کے لئے پوسٹ مارٹم ضروری ہے تا کہ مجرم کا سراغ لگایا جاسکے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اتنی ترقی کے باوجود مجرم باآسانی سے ہاتھ نہیں آتے، بہر حال یہاں معاملہ جنگ کا آپ

---

[1] من لا یحضره الفقیه، ج۱، ص۲۰۸، ح۱۰۴۳۔

[2] کشف التضاد ص۳۲۹۔

نے اٹھایا ہے تو آپ کو بتادیں کہ ہمارے یہاں کافر ہی کی کوئی حرمت نہیں چہ جائے کہ اس کے لاشے کی حرمت کی بات کی جائے، مبارک ہو آپ کو آپ کی کافر نوازی۔

ریڈیو اور ٹی وی کی خرید و فروخت[1]

آقای خمینی کا فتوی نقل کرتے ہیں۔ چونکہ ان آلات کا استعمال وجہ حرام پر شایع اور رائج ہے ایسا کہ ان کا جائز استعمال تقریباً غیر مقصود ہو گیا ہے لہٰذا میں ان کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں دیتا مگر ان اشخاص کو کہ جو بالکل غیر شرعی طور پر انھیں استعمال نکریں اور کسی اور کو بھی غیر مشروع طور پر استعمال نکرنے دیں۔

تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مقلدین فوراً ٹی وی ریڈیو کا کارو بار بند کردیں یا جس کو یہ اشیاء فروخت کریں اس سے ایک حلف نامہ بھروائیں کہ وہ ان کا حرام استعمال نہیں کریگا۔ الخ۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ کیا زمانہ، رسول میں تلوار و نیزہ بیچنے پر پابندی عائد تھی یا قول وقسم لی جاتی تھی۔

جناب باقر صاحب آپکے مذکورہ تبصرہ کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کے اندر مراجع کرام کے فتوی سمجھنے کی سطحی صلاحیت بھی نہیں ہے۔آقای خمینی (رح) نے انھیں شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے جو اسلحہ بیچنے اور خریدنے کی شرائط ہیں چونکہ آپ نے زمانے رسول میں اسلحہ کی خرید و فروخت کو دلیل کے طور پر استعمال کیا ہے لہٰذا تمام مراجع کرام فرماتے ہیں کہ اگر یقین ہو کہ اسلحہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو گا تو ان کو بیچنا حرام ہے اسی طرح اگر معلوم ہو جائے کہ ٹی وی فعل حرام میں استعمال ہو گی تو اس کا خریدنا اور بیچنا حرام ہے۔

البتہ آج کل جو ہمارے معاشرہ میں فحاشی، بے غیرتی، بے حیائی، غیر اخلاقی کردار نظر آرہا ہے وہ تقریباً ٹی وی ہی کی دین ہے، آج کونسا پروگرام ایسا ہے جیسے ہم فمیلی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتے ہیں۔

---

[1] کشف التضاد، ص۳۳۰۔

شاید سو میں ۹۹ فیصد پر وگرام ایسے ہیں جیسے فمیلی کے ہمراہ نہیں دیکھا جا سکتا حتی کہ بچوں کے پر وگرام کارٹون۔ ذہنی سر گرمی وغیرہ بھی اس انداز سے بنائی جارہی ہے کہ بچے قبل از وقت بالغ ہو جاتے ہیں ، ہاں ایران وغیرہ کے ٹی وی قابل استفادہ ہیں، جہاں مہذب فلمیں، سریل، مذہبی پر وگرام، تلاوت، اذان، نماز وغیرہ دیکھائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اگرآ قای خمینی (رہ) کا فتوی جس طرح آپ سمجھے ہیں ویسے ہی ہوتا تو ایران میں ریڈیو، ٹی وی کی دکانیں نہیں ہونی چاہئیں تھی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کی دکانیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

نکاح بچایئے[1]

آ قای خمینی (رہ) کا فتوی ہے کہ اگر عقد میں ایک حرف بھی غلط پڑھا گیا ہو جو معنی کو بدل دے تو عقد باطل ہے۔ اس کے بعد باقر صاحب لمبا چوڑا تبصرہ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ کہ عرب ممالک یا چند افریقی ممالک کے علاوہ، دنیا بھر میں نہ تو عربی بولی جاتی ہے نہ سمجھی جاتی ہے اور دلھا دلھن اس بات سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں کہ جس کو انھوں نے وکیل بنایا ہے وہ کیا پڑھ رہاہے، صحیح پڑھ رہاہے یا نہیں، لہٰذا نکاح کا صحیح ہونا ان کے لئے ثابت نہیں ہوتا اور نکاح اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب وہ خود عربی جانتے ہوں اس کے اعراب و مخارج سے واقف ہوں وگرنہ نکاح صحیح نہیں ہے ہاں ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ نکاح اپنی مادری زبان میں پڑھا جائے تاکہ نکاح یقینی ہو سکے کہ صحیح ہے اور اس کی اجازت بعض مراجع کرام نے دی ہے۔ مگر اس کا ایک نقصان یہ ہوگا کہ بعض پیشہ ور نکاح خوانوں کی دوکان ٹھنڈی پڑ جائے گی جو کہ ایک بڑاالمیہ ہوگا۔

مذکورہ مسئلہ میں جناب باقر صاحب کی متضاد بیانی اور مغالطہ کی حد ختم ہو گئی ہے، قارئین کرام ملاحظہ فرمایئے باقر صاحب کہنا کیا چاہتے ہیں۔ جناب باقر صاحب کے نظریہ کے مطابق اب تک کے ساری دنیا

---

[1] کشف التضاد، ص۳۳۱۔

میں ہونے والے نکاحوں کی اکثریت باطل ہے جب ان کے نظریہ کے مطابق باطل ہے تو پھر نسلوں کا کیا ہوگا یہ باقر صاحب سے پوچھئے۔ خود ان سے پوچھئے آپ کے اجداد کا نکاح کس نے پڑھا تھا یا ان بزرگان نے اپنا نکاح اپنی مادری زبان میں خود پڑھا تھا اگر ایسا ہوا ہو جو یقیناً ناممکن ہے (تو باقر صاحب آپ کیسے اس دنیا میں تشریف لائے)؟ بہت اچھا آپ اپنے مدعا میں اپنی حد تک ٹھیک ہیں والّا۔۔۔۔ میرا ہدف بزرگان کی توہین نہیں آپ کے اعتراض کو آپ کی طرف لوٹانے کی کوشش ہے۔

مراجع کرام نے ایک فتوی دیا ہے کہ عقد صحیح ہونا چاہئے اور کہیں ایسی شرط نہیں لگائی کہ دلھا دلھن تحقیق کریں کہ نکاح خوان نے صحیح پڑھا ہے یا نہیں اور سب ہی علماء نکاح صحیح پڑھتے ہیں نیز جسے دلھا دلھن وکیل بناتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ وہ نکاح صحیح پڑھتا ہے، ہاں باقر صاحب کو چونکہ علماء سے دشمنی ہے (جب کہ وہ خود کو عالم ہی سمجھتے ہیں) تو اپنی اولاد کا نکاح کسی پنڈت سے پڑھوائیں، دوسری طرف آپ فرماتے ہیں کہ اس وقت نکاح صحیح نہیں ہوگا جب تک دلھا دلھن خود نہ عربی جانتے ہوں مخارج واعراب سے واقف ہوں اب آپ خود فیصلہ کریں قارئین کرام کونسی دلھن بھرے مجمع میں آکر نکاح سنتی ہے (اگر عربی زبان سے کاملاً واقف بھی ہو) کیا باقر صاحب کی اہلیہ محترمہ بھابھی صاحبہ نے اپنا نکاح خود سنا تھا کیا وہ عربی زبان سے واقف ہیں۔

میرا گمان غالب یہ ہے کہ چونکہ آپ سے کوئی نکاح نہیں پڑھواتا چونکہ آپ خود عربی زبان سے واقف نہیں ہیں جس کا ثبوت آپ کی کتاب میں متعدد مقامات پر ملتا ہے لہٰذا آپ نے یہ شوشہ چھوڑا کہ نکاح اردو زبان میں پڑھا جائے تاکہ آپ کی بند دکان پھر سے کھل سکے۔

سب سے اہم بات آپ نے اس مسلئے میں روایت کا سہارا نہیں لیا شائد اس قسم کی روایت آپ کو نہیں ملی جس میں اپنی زبان میں نکاح پڑھنے کی اجازت دی گئی ہو تو اب آپ نے مراجع کرام کا سہارا لیا جب کہ مکمل کتاب کشف التضاد مراجع کرام کی مخالفت میں لکھی گئی مگر جب اپنا الو سیدھا کرنا مقصود ہوا تو مراجع کرام کا سہارا لینا ہی پڑا اسی کو کہتے ہیں حق سر چڑھ کر بولتا ہے۔

حرام یا حلال[1]

آقای خمینی سے سوال ہوا کہ غیر مسلم ملکوں سے پیک پکی ہوئی مچھلیاں جو آتی ہیں ان کا کیا حکم ہے، آپ نے جواب دیا کہ اگر اس کے ذبیحہ کا علم نہ ہو تو حرام ہے اور اگر شرعی ذبیحہ کا علم ہے تو حلال ہے چاہئے مچھلی کی اس قسم کا علم نہ ہو کہ حلال ہے یا حرام۔

باقر صاحب تبصرہ فرماتے ہیں کہ شریعت نے آپ پر فرض کیا ہے کہ آپ کھانے والی چیز کو کھانے سے پہلے پرکھ لیں، یقین پیدا کرلیں کہ اس کو شریعت نے آپ پر حلال کیا ہے یا نہیں؟

جناب باقر صاحب اگر پیک چیزوں کی تحقیقات کی بات آجائے گی تو غیر اسلامی ممالک کے مسلمان اور باشندے بھوکوں مر جائے گیں اس لئے کہ اکثر پیک چیز کا علم نہیں کہ یہ پاک ہے یا نجس، ائمہ طاہرین کی روایات کے مطابق آپ پر تحقیق کرنا ضروری نہیں، پیک ہے لہٰذا حلیت یعنی حلال مانتے ہوئے استعمال کرسکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

فقیر بھی پکڑے گئے[2]

فتوی یہ ہے کہ فقیر پر سالانہ بچت اگر ہوگئی ہے تو اس پر خمس واجب ہے۔ جناب باقر صاحب ائمہ طاہرین کی روایات میں ارباح مکاسب کے عنوان میں جو کچھ ملتا ہے وہ مطلق اور عام ہے۔ امام (ع) نے بتایا ہے کہ تمام وہ لوگ جن کے پاس سالانہ بچت ہوتی ہے ان پر خمس ہے اب وہ چاہے فقیر ہو یا غنی۔ ملاحظہ فرمایئے ائمہ طاہرین کی روایات:

بعض ہمارے اصحاب نے ابی جعفر (ع) سے خمس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہر چیز پر خمس ہے جو انسان کے استفادہ کے لئے ہے وہ چاہے کم ہو یا زیادہ۔[3]

---

[1] کشف التضاد، صفحہ۳۳۲۔

[2] کشف التضاد، ص ۳۳۳۔

[3] تہذیب الاحکام، ج٤، ص۱۰۸، ح ۹۔

میرے خیال سے آپ خمس وزکواۃ کے مطلق مخالف ہیں اور آپ کی فکر اموی اور غاصبین خلافت و فدک کی فکر سے ملتی ہے اس لئے کہ انھوں نے فدک غصب کیا تا کہ اہلبیت (ع) (بزعم خود) بے دست و پا ہو جائیں اور عوام ان سے دور ہو جائیں مگر جس طرح وہ ناکام ہوئے اور حقیقی محبان اہلبیت (ع) فقر و فاقہ میں رہے مگر اہلبیت کے دامن کو نہیں چھوڑا، اسی طرح آپ کے بہکاوے میں آکر مقلدین بھی اپنے مرجع کو نہیں چھوڑے گیں چاہے انھیں کچھ ملے یا نہ ملے، آپ کی فکر یہ ہے کہ عوام کو گمراہ کر کے مرجعیت سے دور کیا جائے اور خمس سے آپ نے جو انکار کیا ہے وہ بھی سیاست کے تحت انکار کیا ہے اس لئے خمس جن چیزوں پر واجب ہے ان میں سے اکثر چیزیں آج نہیں ہیں مثلاً مال غنیمت اگر ہے بھی تو وہ غنیمت کا مال حکومت لیتی ہے عوام کو نہیں ملتا، دریاؤں سے جواہرات آج کوئی نہیں نکالتا، معدن بھی چند لوگوں کا ذریعہ معاش ہے، خزانہ بھی آج نہیں نکلتا اگر نکلتا ہے تو حکومت اس پر قبضہ کر لیتی ہے، رہ گئے سالانہ بجت تو آپ اس کے منکر ہیں۔

مال حلال مخلوط بہ مال حرام اس کے بھی آپ منکر ہیں فقیروں کے خمس کے بھی آپ منکر ہیں تو پھر بچا کیا، جس میں عوام خمس نکالے کیا وہ حرام کہاتے ہیں؟ کیا فقیر کو جو مال ملتا ہے وہ اس کی آمدنی نہیں ہے؟ اور اگر سال کے خرچ کے بعد جو بجت ہوتی ہے وہ اس کے خرج سے بچی نہیں ہے؟ اور قول معصوم کے مطابق ہر بچت پر خمس ہے ہم آخر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ آپ ڈائرکٹ نہ صحیح، ان ڈائرکٹ اصلاً خمس کے مخالف ہیں اور خمس، قرآن و حدیث سے ثابت ہے لہذا قرآن و حدیث کا مخالف بہر حال نہ دین کا مخلص ہو سکتا ہے نہ دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے۔ کتاب کشف التضاد صفحہ ۳۴۶ پر علاوہ ازاین آپ کے نظریہ کے مطابق کتاب خریدنے والا خمس نہ نکالے ورنہ جاہل رہ جائے گا۔ اگر کسی کے پاس گھر نہیں تو گھر بنوانے والے پر خمس نہیں ہے۔

کشف التضاد صفحہ ۳۴۷: کرایہ پر رہن پر مکان لینے والے پر خمس نہیں ہے، شادی کرنے والے پر خمس نہیں ہے۔ صفحہ ۳۵۰: کفن پر خمس نہیں ہے (تا کہ آپ کی طرح دنیا و آخرت دنوں خراب کرلے)

، یعنی اب بچا ہی کیا ہے کہ جس پر خمس نکالا جائے جب کہ دوسری طرف آپ کا دعوی ہے (جیسا کہ ہم اسی بحث میں پہلے بیان کر چکے ہیں) لوگوں کا خمس نہ نکالنے کی بناء پر آج فقیر، فقیر ہے، یہ قول آپ نے امام (ع) سے نقل کیا ہے ، اب آپ خود بتایئے ، اپنی کتاب کا نام کشف التضاد رکھنے والے ہم آپ کی کس بات کو مانیں ، اس لئے کہ خود آپ کے قول میں تضاد ہے اس لئے کہ ایک طرف آپ خمس کے تمام امکانی ابواب کے منکر ہیں دوسری طرف خمس نہ نکالے جانے پر، امام کی روایت پیش کرتے ہیں۔ آپ جیسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے کہ «درغگو حافظه ندارد»۔ میں حسن ظن رکھتے ہوئے آپ کی تایید کرتا ہوں کہ آپ خمس کے قائل ہیں مگر آپ کے پیٹ میں مروڑ صرف اس لئے اٹھتا ہے کہ یہ خمس کی رقم بجائے آپ کے مراجع کرام کو کیوں دی جاتی ہے۔

لذت انگیز تنقید[1]

آپ نے ٹی وی ، سریل وغیرہ کے لئے مراجع کرام کے فتوی پر تنقید کی غرض سے اور لوگوں کو نقصانات سے آگاہی کے لئے دیکھے جانے کے معاملہ پر تبصرہ فرماتے ہوئے۔ اپنے دل کی بات کہہ دی کہ آپ کو صرف مولویوں سے دشمنی ہے ، مولوی جو علوم آل محمد کو نشر کرتا ہے اس سے آپ کو مشکل ہے ، اس لئے کہ مراجع کرام نے عام فتوی دیا ہے کہ کوئی بھی اس تنقید کو انجام دے سکتا ہے جو بھی اپنے نفوس کو کنڑول میں رکھے وہ یہ کام انجام دے سکتا ہے اور آپ نے تبصرہ میں مراجع کرام پر تہمت رکھدی کہ ان کا مقصود مولوی ہے اور صرف مولوی یہ کام کر سکتا ہے جب کہ مراجع کرام کا فتوی عام ہے، اب تہمت لگانے والے کی سزا، اسلام نے جو معین کی ہے اس کے لئے آپ آمادہ رہیں ، انشاء اللہ ملائکہ جہنم ، آپ کے استقبال کے لئے کافی بے چین ہونگے۔

اُسترا تیار رکھئے[1]

[1] کشف التضاد، ص۳۵۲۔

اگر مرد ختنہ ہونے سے پہلے بالغ ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ اپنا ختنہ خود کرے آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ یہ فتوی ہمیں خود کفالت اور اپنے تمام کام خود کرنے کا سبق دیتا ہے۔

ایک کلی مسئلہ ہے کہ شرم گاہ کا چھپانا واجب ہے (جس کے شاید آپ بھی قائل ہونگے) اور شرم و حیا کا تقاضا بھی ہے اور اگر آپ قائل نہیں ہیں تو آپ لباس پہننا چھوڑ دیجئے اور برہنہ ہو جایئے، انشاء اللہ اس صورت میں کوئی پاگل خانہ بھی آپ کو قبول نہیں کریگا۔

اب اگر کوئی انسان بالغ ہو جاتا ہے اور کسی وجہ سے ختنہ نہیں ہو پاتا تو دو صورت ہے یا ختنہ خود کرے اس لئے کہ شریف النفس انسان آسانی سے بغیر کسی مجبوری کے شرمگاہ کیسی کے سامنے نہیں کھولتا اور اگر مجبوری ہے، خود نہیں کر سکتا تو چونکہ شریعت مقدس اسلام کے حکم پر عمل کرنا ہے تو دوسروں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے مجبوری کی حالت میں مردار کھانا انھیں وجوہات کی بناء پر شریعت نے اور مراجع کرام نے بے حیائی سے بچنے کا راستہ بتایا ہے، ہاں بے شرم و بے حیاء کے لئے تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ایسے بہت سے واقعہ سامنے آچکے ہیں کہ لڑکا بالغ ہو گیا ہے اور ختنہ صرف اس لئے نہیں کرا رہا ہے کہ اسے شرم آتی ہے۔ اب روایت ملاحظہ فرمالیجئے اپنی اولاد کا ختنہ کراؤ تا کہ وہ طاہر ہو جائیں۔ اس لئے کہ زمین بغیر ختنے والے کے پیشاب سے چینخ اٹھتی ہے۔[2] اب آپ خود بتایئے کہ جب تک انسان شرماتا رہے گا وہ طاہر نہیں ہو گا اور زمین چینخ چینخ کر گلا بیٹھا لے گی، مجھے تو لگتا ہے کہ ختنہ کرنے والے حجام سے آپ کا کنٹراکٹ ہے کہ بھیا ہر ختنہ پر ۲۰ فیصد ہمارا حصہ کھال کے علاوہ اسی لئے خود سے ختنہ کرنے والوں کے خلاف آپ نے محاذ کھول دیا ہے کہ آمدنی کا ذریعہ رک جائے گا اور مراجع کرام نے تو پیٹ پر لات مار ہی دی ہے۔

---

[1] کشف التضاد، ص ۳۵۳۔

[2] من لا یحضره الفقیه، ص۲۹۳، ح ٤٧٢٥، اردو۔

گمراہ کن کتابیں[1]

مراجع کرام کا فتوی ہے کہ ایسی کتابیں رکھنا، بیچنا، پڑھنا جائز نہیں ہے ہاں اگر جواب دینا ہدف ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقر صاحب، تبصرہ فرماتے ہیں کہ خدا نے انسان کو فکر و نظر کے معاملات میں ازاد چھوڑا ہے اور قرآنی آیت لا اکراہ فی الدین اس کی شاہد ہے اگر کسی کو زبردستی اندھیرے میں بند رکھا جائے گا تو وہ روشنی دیکھتے ہی بغاوت کردے گا ایک دوسرے زاویہ سے بھی یہ غلط ہے اگر ہم ان کی کتاب نہیں خریدے گیں تو وہ ہماری کتاب نہیں خریدیں گے، اس طرح اسلام کی نشر و اشاعت ختم ہو جائے گی۔

جناب باقر صاحب، آپ کو چونکہ اپنی دکان بند ہوتی نظر آرہی ہے، آپ کی روزی روٹی کا مسئلہ سامنے آگیا ہے اس لئے کہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ آپ کی تمام کتابیں کتب ضلال میں شمار ہوتی ہیں، رہ گیا معاملہ خریدنے بیچنے کا تو یہ ان افراد کے لئے ہے جو دشمنوں کے مغالطہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور ان کے گمراہ ہونے کا خطرہ زیادہ ہے، لہٰذا گمراہی سے بچنے کے لئے اس قسم کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ اور جو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی کتاب ہم نہیں خریدے گیں تو وہ ہماری کتاب نہیں خریدے گیں، جناب آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم خریدیں یا نہ خریدیں، وہ ہماری کتاب نہیں خریدتے ہیں اور فتاوی الگ دیتے ہیں کہ شیعوں کی کتاب کا خریدنا بیچنا حرام ہے ان کے پاس نہ جاؤان کی کتاب نہ خریدو ان کی مجالس میں نہ جاؤ ان کی بڑی بڑی لائبریریوں میں آج نہج البلاغہ، صحیفہ سجادیہ، صحیفہ الزہراء، اور دیگر ہماری کتب حدیث نہیں ملتی، مگر ہم ان کی کتاب خریدتے ہیں چاہے حوالہ دینے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ میں پہلے بھی متعدد مقامات پر ذکر کر چکا ہوں کہ آپ دبے لفظوں میں مخالفین کی تائید کیوں کرتے ہیں، آپ کو ان سے اتنی ہمدردی کیوں ہے، دشمنوں کی کتاب ہر شیعہ سے کیوں خریدوا رہے ہیں، ان کے اقتصاد کو کیوں بہتر بنانے کی فکر میں ہیں۔ اور یہ لازمہ کہاں سے آپ لے کر آئے ہیں کہ اگر ہم ان کی

---

[1] کشف التضاد، ص ۳۵۳۔

کتاب نہیں خریدے گیں تو وہ ہماری کتاب نہیں خریدے گیں۔

اجازہ اجتہاد

سائل نے سوال کیا کہ رات میں اور دن میں قبلہ کی سمت کیسے معلوم کریں اگر چاند سورج ستارے نظر نہ آرہے ہوں؟ تو آپؑ نے فرمایا: اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اپنی رائے سے قبلہ کی سمت کو معین کرو۔ اس قسم کی روایات کتب اربعہ[1] کے علاوہ بحار الانوار اور وسائل الشیعہ میں بھی موجود ہیں۔[2]

لیجئے جناب مراجع کرام پر اپنی رائے سے فتویٰ دینے پر لعن وطعن کرنے والے باقر صاحب اب آپ کیا کہیں گے ائمہ طاہرینؑ کو کہ جو خود ہی سائل کو اپنی رائے سے اجتہاد کی اجازت دے رہے ہیں۔

ستر عورتین[3]

مراجع کرام نے فتوی دیا کہ اگر برہنہ شخص نماز پڑھے تو اگر کوئی نامحرم اسے دیکھ رہا ہے تو بیٹھ کر، و گرنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔

باقر صاحب کا تبصرہ ہے کہ مجتہدین نے نامحرم کی عدم موجودگی میں برہنہ کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم لگایا ہے، جو کہ غلط ہے اس لئے کہ امام صادق (ع) کا قول ہے کہ برہنہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔

جناب باقر صاحب، اولاً تو آپ نے جو روایت بیان کی ہے اور جس کتاب سے بیان کی ہے اس میں وہ حدیث موجود ہی نہیں ہے، آپ نے من لایحضرہ الفقیہ کا حوالہ دیا ہے اور حدیث نمبر ۱۳۴۹ لکھا جبکہ اس نمبر کی حدیث میدان جنگ کی نماز کو بیان کررہی ہے ستر عورتین کی نہیں۔ مراجع کرام نے جو فتوی دیا ہے وہی درست ہے اس لئے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر برہنہ شخص نماز پڑھے تو اگر اسے کوئی

---

[1] کتب اربعه هماري احاديث كي چار كتابين: اصول كافي، من لا يحضره الفقيه، الاستبصار، تهذيب الاحكام۔

[2] وسائل الشيعه، ج۴، ص ۳۰۷، ۳۰۸ مختلف احاديث۔

[3] صفحه ۱۸۳۔

دیکھ رہاتو بیٹھکر والا کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔[1]

---

[1] من لا يحضره الفقيه، ج١، ص١٤٣، ح ٧٩٧۔

روزے کی تعریف[1]

تمام مراجع کرام کی تعریف لکھنے کے بعد آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفوں میں خمینی صاحب کی تعریف شرعی تقاضوں کے مطابق ہے (روزہ کی تعریف یعنی انسان اللہ کے فرمان کے مطابق اذان صبح سے لے کر مغرب تک ان چیزوں سے پرہیز کر جو روزے کو توڑ دیتی ہے) خمینی صاحب نے شرعی غروب آفتاب تک کی قید لگائی ہے پھر آپ دن اور رات کے بارہ بارہ اوقات لکھ کر (مجھے نہیں معلوم یہ بارہ بارہ اوقات لکھنے کا مقصد کیا ہے لیکن اتنا معلوم ہے کہ زبردستی گاڑھی گاڑھی اصطلاح استعمال کر کے عوام پر علمی دھونس جمانے کے علاوہ مقصد کچھ اور نہیں ہے) فرماتے ہیں کہ روزے کی حد وہ وقت ہے جبکہ رات چھا جائے اور وہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ مشرق کی سرخی غائب ہو جائے۔

جناب باقر صاحب تعصب کی عینک اتار کر اگر آپ نے اوقات نماز کی بحث کو دیکھا ہوتا تو آپ اس قسم کا بیہودہ اعتراض نہ کرتے خیر اس قسم کا اعتراض کر کے (تقریباً تمام اعتراض آپ کے ایسے ہی ہیں جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر) بتا دیا کہ آپ کا مقصد صرف توہین مراجع کرام ہے اس لئے کہ تمام مراجع کرام نے مغرب کا جو وقت لکھا ہے اس میں صاف لکھا ہے کہ مغرب کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب حمرہ مشرقیہ سر کے اوپر سے ہو کر گذر جائے یعنی غائب ہو جائے جس کا آپ نے خود بھی ذکر کیا ہے خیر شاید آپ کو یہ حمرہ مشرقیہ سمجھ میں ہی نہیں آیا ہو لہٰذا آپ نے مشرق کی سرخی اور حمرہ مشرقیہ کو دو الگ معنی میں سمجھا ہے۔ عوام الناس سے گذارش ہے کہ وہ ان اعتراضات کا بغور مطالعہ کریں تاکہ پتہ چل جائے کہ باقر صاحب کے اعتراضات میں نہ کوئی دم ہے نہ بنیاد، خالی لفظوں کو مغالطوں کی چادر میں لپیٹ کر لوگوں کو گمراہ کرنا ہے اور بس۔

مجنب کا روزہ[2]

---

[1] کشف التضاد، ص۲۳۵۔

[2] کتاب کشف التضاد، ص۲۴۲۔

مراجع کرام کا فتویٰ ہے اگر کوئی رمضان کی رات میں مجنب ہو اور اسے علم ہو کہ اگر سو جائے گا تو صبح تک بیدار نہ ہو سکے گا تو ایسے شخص کو سونا نہیں چاہئے، اگر سو جائے اور صبح تک نہ اٹھ سکے تو روزہ باطل اور قضا کے ساتھ کفارہ بھی ادا کرے۔ باقر صاحب نے بغیر تبصرہ کے ایک روایت امام صادقؑ سے نقل کی کہ امام صادقؑ سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا کہ ایک شخص رمضان میں اول شب مجنب ہوا مگر صبح وہ دیر تک سوتا رہ گیا تو امام نے فرمایا: اس پر کچھ نہیں ہے اس لئے کہ اس کی جنابت وقت حلال میں ہوئی ہے۔

جناب باقر صاحب نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا بلکہ سیدھے روایت نقل کر دی تاکہ عوام کو گمراہ کر سکیں اس لئے کہ ان کو بھی معلوم تھا کہ مذکورہ فتوے اور روایت میں کافی فرق ہے مراجع کرام کے فتوے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ جاگ رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ اگر سو گیا تو اٹھ نہ سکے گا ایسی صورت میں یقیناً اسے سزا تو ہوگی ہی جبکہ روایت امامؑ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص حالت خواب میں مجنب ہوا اور سوتا رہ گیا وہاں صورت اختیاری ہے جبکہ یہاں صورت حال غیر اختیاری ہے۔

ملاحظہ فرمایئے، امام صادقؑ سے سوال ہوا کہ ایک شخص ماہ رمضان میں مجنب ہوا پھر جاگا پھر سو گیا پھر جاگا اور پھر سو گیا اور صبح تک سوتا رہا، آپ نے فرمایا وہ اس روزہ کو بھی پورا کرے اور بعد میں قضا بھی کرے[1] وہاں وہ جاگ رہا تھا اور یقین ہونے کے بعد اس نے غسل نہیں کیا سو گیا تو اب قضا کے ساتھ کفارہ بھی ہوگا جیسا کہ مراجع کرام نے فتویٰ دیا ہے۔

چاند ثابت ہونے کا طریقہ[2]

امام خمینیؒ کا فتویٰ: پہلی کا چاند پانچ طریقوں سے ثابت ہوتا ہے جس میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ حاکم شرع حکم دے کہ آج پہلی ہو گئی ہے، حاکم شرع سے مراد مجتہد جامع شرائط ہے۔ اگر حاکم شرع کا حکم آجائے تو اس کے مقلدین کے علاوہ دوسروں پر بھی حاکم شرع کا حکم ماننا ضروری ہے۔ آقای خوئیؒ اور سیستانی صاحب نے فرمایا کہ حاکم شرع کے حکم سے پہلی تاریخ ثابت نہیں ہوتی۔

---

[1] من لا یحضر الفقیه، ج۲، ص۷۱، ح۱۸۹۸۔

[2] کشف التضاد، ص۲۴۷۔

باقر صاحب تبصرہ فرماتے ہیں کہ خمینی صاحب لنکرانی صاحب اور خامنہ ای صاحب نے نظریہ تقلید کو ختم کرتے ہوئے اور مرجع تقلید کی حیثیت کو کالعدم کرتے ہوئے حکم حاکم کو رؤیت ہلال کے سلسلے میں حجت شرعی قرار دیا ہے، اور آخر میں دو روایت ایک امام باقرؑ سے نقل کر دی ہے جس میں کہا گیا ہے جب تم چاند، دیکھو تو روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر توڑ دو۔ اور دوسری روایت رسول خداؐ سے نقل کی کہ پہاڑ کی چوٹی والے چاند دیکھ لیں تو عید کر لیں میدان والے نہ دیکھیں تو عید نہ کرے۔ ان دونوں روایت سے باقر صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں انسان خود چاند دیکھے اور کسی کا اعتبار نہ کرے۔

جناب باقر صاحب کو سب سے زیادہ دکھ اور پیٹ میں مروڑ صرف اس بات کا ہے کہ ایران میں علماء اور مراجع کی حکومت کیوں قائم ہوگئی ہے لہٰذا گاہے بگاہے وہ اسی بات پر اعتراض کیا کرتے ہیں اس مسئلہ رویئت میں بھی انہوں نے اصل مسئلے سے زیادہ حکومت پر اعتراض کیا ہے جناب باقر صاحب نے مذکورہ دونوں روایت ذکر کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ چاند انسان خود دیکھے اور کسی کی بات پر اعتبار نہ کرے، جناب باقر صاحب انصاف سے بتایئے چاند کتنے لوگ دیکھتے ہیں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو چاند خود دیکھتے ہیں ورنہ اکثریت خبروں پر یقین رکھتی ہے بھائی خبر آگئی کہ چاند ہو گیا سب نے تسلیم کر لیا اب آپ کہیں گے کہ خبر معتبر ہوتی ہے اکثر لوگ کہتے ہیں لہٰذا سب مان لیتے ہیں، اولاً آپ اکثریت کے سخت مخالف ہیں، ثانیاً مراجع کرام بھی مثلاً آقای سیستانی اور آقای خوئی بھی یہ ہی فرماتے ہیں کہ حاکم شرع کا حکم اس مسئلہ میں حجت نہیں مگر اگر لوگ یقین پیدا کر لیں اور مرجع وقت سے زیادہ معتبر کون ہو گا لہٰذا اس طرح ان کے کہنے پر چاند ثابت ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کی پیش کردہ روایت پر عمل کریں تو جو شخص نابینا ہے اس پر سے تو روزہ ساقط ہو جائے گا یا جس نے بھی چاند نہیں دیکھا وہ روزہ نہیں رکھے گا یہ تو آپ نے ان لوگوں کے لئے جو روزہ سے بھاگتے ہیں کھلی رخصت دیدی اس کے علاوہ بعض روی زمین پر ایسے علاقے ہیں جہاں چھ مہینہ دن اور چھ مہینہ رات رہتی ہے وہ لوگ کیا کریں گے کیا روزہ نہیں رکھیں گے، ہوش کے ناخن لیجئے جناب مراجع کرام کی دشمنی میں اس حد تک عقل سے پرے نہ ہو جایئے کہ رات کو دن اور دن کو رات کہنے لگئے۔

روایات: وہ روایات جو چاند دیکھنے کے علاوہ دوسرے ذرائع کی بھی اجازت دیدتی ہے۔

۱۔ امام باقرؑ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم لوگ ماہ شوال کا چاند

دیکھو تو عید الفطر مناؤ اگر چاند نہ دیکھ سکو تو مسلمانوں میں سے اگر دو عادل لوگ گواہی دیں تو قبول کر لو...الخ[1] لیجئے جناب اب آپ کی رخصت بھی ختم ہو گئی اس لئے کہ مولانے گواہ کی بات کو ماننے کے لئے کہہ دیا ہے البتہ آپ تو دو شاہد عادل پر بھی چند صفحہ پہلے اعتراض کر چکے ہیں کہ عادل کی تلاش تقریباً ناممکن ہے اب وہ اعتراض جو مراجع پر کیا تھا اگر دم ہو تو امامؑ پر بھی کیجئے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جایئے۔

امام صادقؑ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ چاند کا ثابت ہونا بغیر دو عادل مردوں کے درست نہیں ہے۔[2]

رسول خدا سے سوال ہوا کہ اگر رویئت کے سلسلے میں اختلاف ہو تو کیا کریں آپ نے فرمایا اگر اہل شہر بر بنائے ہلال اس دن کے روزے پر مجتمع ہو جائیں اور پانچ سو اہل شہر مجتمع ہوں تو روزہ رکھو۔[3]

جناب باقر صاحب اب آپ بتایئے کہ اس مسئلہ میں آپ کے پاس کیا راہ حل ہے، امام علیؑ کی روایت کے مطابق دو گواہ کی بات مانے گیں یا پھر رسول خداؐ کے مطابق پانچ سو کی بات کو قبول کریں گے آپ تو صرف روایت پر عمل کرتے ہیں دونوں روایت کو کس طرح جمع کریں گے۔

عاشور کے دن کا روزہ[4]

تمام مراجع کرام کا فتویٰ ہے کہ عاشور کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے: فتویٰ لکھنے کے بعد باقر صاحب مکروہ کی تعریف لکھتے ہیں اور پھر تبصرہ کرتے ہیں کہ ہم یہاں اصول کافی سے چند احادیث پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کی سنگینی کا احساس ہو سکے جو لوگ ان احادیث سے سرسری طور پر گذر جائیں ان کے دل میں کہیں نہ کہیں نفاق ضرور چھپا ہوگا۔ اس تبصرہ کے بعد ائمہ طاہرین سے چند روایات نقل کی ہے جس میں روز عاشور پر تنقید کی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دن کے روزے کے بارے میں نہ قرآن میں ہے اور ائمہ طاہرین کے اقوال میں ایک روایت ہے کہ یہ دن منحوس ہے ابن مرجانہ نے اس دن امام حسینؑ کو قتل کر کے روزہ رکھا اور اسے برکت

---

[1] من لا یحضر ہ الفقیه، ج۲، ص۷۳، ح۱۹۱۱۔
[2] من لا یحضره الفقیه، ج۲، ص۷۳، ح۱۹۱۲۔
[3] من لا یحضره الفقیه، ج۲، ص۷۴، ح۱۹۱۳۔
[4] کشف التضاد، ۲۵۲۔

کا دن شمار کیا۔ عاشور کو روزہ رکھنے والے کا نصیب وہی ہو گا جو ابن زیاد کا تھا۔ خدا ایسے صائم کو ممسوخ القلب محشور کرے گا وغیرہ۔ اس کے بعد باقر صاحب پھر تبصرہ فرماتے ہیں کہ حیرت ہے کہ صوم عاشورا کے بارے میں اس قدر شدید احکام کے باوجود مجتہدین نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور مکروہ قرار دیا ہے۔

کمال تو یہ ہے کہ باقر صاحب نے آگے جو تبصرہ کیا ہے وہ عین مراجع کرام کے فتوے کے مطابق ہے، کہتے ہیں کہ مکروہ کے بیان کردہ مفہوم اور پھر احکام معصومینؑ کی روشنی میں کیا اس کا مطلب یہ مان لیا جائے کہ ابن زیاد ملعون کے ساتھ محشور نہ ہوا جائے تو بہتر ہے۔ جناب باقر صاحب مکروہ کی یہ ہی تو تعریف ہے کہ اگر نہ کریں تو بہتر ہے قارئین کرام غور کیجئے کہ باقر صاحب ایک طرف بے جا تنقید کرتے ہیں پھر خود حمایت بھی کرتے ہیں، کیوں نہ ہو حق خواستہ یا نخواستہ زبان پر آ ہی جاتا ہے۔

دوسری طرف جناب باقر صاحب روایت کو احکام سے تعبیر کر رہے ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ ائمہ طاہرین کی روایات میں کہیں بھی حرام کا ذکر نہیں آیا ہے جبکہ کراہیت اور صوم عاشور کے مکروہ ہونے کا ذکر ہے ملاحظہ فرمایئے۔

زہری نے امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے آپ نے روزہ کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روزے کی چالیس قسمیں ہیں، دس قسمیں واجب ہیں، دس قسمیں حرام ہیں اور چودہ قسم کے روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے خواہ روزہ رکھے یا نہ رکھے۔ زہری کہتا ہے کہ مولا اگر ممکن ہے تو تفصیل بیان کیجئے آپ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ فلاں فلاں، روزہ واجب، فلاں فلاں روزے میں اختیار ہے اس میں صوم عاشور کا بھی ذکر کیا ہے[1] جناب باقر صاحب اب آپ بتایئے اس مرحلے میں آپ کیا کریں گے کس امامؑ کی بات مانیں گے اگرچہ ہمارے اعتبار سے ائمہ کے اقوال میں تضاد نہیں ہے مگر آپ کے مطابق اور آپ کے عقیدے کے مطابق اب آپ کیا راہ حل نکالیں گے یا یہ کہہ دیں گے کہ امام سجادؑ کا قول صحیح نہیں ہے (نعوذ باللہ)

اس دن کہ جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ آخری شعبان ہے[2] یا پہلی رمضان تو صائم رمضان کی نیت سے روزہ رکھے تو حرام۔ تمام مراجع کرام کا متفقہ فتویٰ ہے۔ باقر صاحب نے فتویٰ لکھنے کے بعد بلا تبصرہ دو روایت

---

[1] من لا یحضر الفقیه، ج۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ح۱۷۸۴۔

[2] کشف التضاد، ص۲۵۴۔

نقل کی ہے تبصرہ اس لئے نہیں کیا کہ انہیں بھی معلوم ہے کہ فتویٰ درست ہے اور جو روایت پیش کی ہے وہ اس فتوے سے متعلق ہے ہی نہیں صرف عوام کو مغالطہ میں ڈال کر بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے ملاحظہ فرمایئے: ایک شخص کو شک ہے کہ آج شعبان کا آخری دن ہے یا رمضان کا اور وہ روزہ رکھ لے اور وہ ماہ رمضان ہو تو امامؑ نے فرمایا وہ... توفیق ہے اس پر قضا نہ ہو گی۔

امام رضاؑ سے سوال ہوا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اگر کوئی اس دن روزہ رکھے گا تو ایسا ہے جیسے رمضان میں روزہ نہ رکھا، فرمایا وہ جھوٹا ہے اگر وہ دن رمضان کا ہوا تو یہ توفیقی ہو گا ورنہ عام دنوں کا سا روزہ ہو گا۔

مذکورہ دونوں روایت میں اس شرط کا ذکر نہیں جو مراجع کرام نے لگائی ہے کہ مارہ رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا حرام ہے ، امامؑ نے بھی عام بات کہی ہے اگر کوئی روزہ رکھے اور بعد میں پتہ چلے کہ رمضان ہے تو وہ رمضان میں شامل ہو گا اور یہ فتوی تمام مراجع کرام کا ہے کہ بغیر رمضان کی نیت کے روزہ رکھے بعد میں پتہ چلے تو وہ رمضان میں شمار ہو گا اس دن کی قضا نہیں کرنی ہو گی۔

آیئے اب ہم روایات پیش کرتے ہیں، حضرت علیؑ سے مشکوک دن کے روزے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر میں شک کی بناء پر شعبان میں ایک دن روزہ رکھوں تو میرے لئے یہ بہتر ہے کہ میں رمضان کے ایک دن کا روزہ نہ رکھوں قضا کر لوں مگر یہ جائز ہے کہ اس نیت سے روزہ رکھا جائے کہ شعبان کا دن ہے اب اگر وہ رمضان کا دن ہو تو وہ رمضان میں محسوب ہو جائے گا اگر شعبان کا دن ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی شخص شک کرتے ہوئے کہ یہ شعبان کا آخری دن ہے یا رمضان کا پہلا دن ہے اور پھر روزہ رکھے تو اگر وہ رمضان کا دن بھی ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی شخص شک کرتے ہوئے کہ یہ شعبان کا دن ہے یا رمضان ہے اور پھر روزہ رکھے تو اگر وہ رمضان کا دن بھی ہو تو اس دن کے روزے کی قضا کرنی ہو گی اس لئے کہ فرائض میں سے کوئی خیر اس وقت تک قبول نہیں ہو گا جب تک اس پر یقین نہ ہو اور یہ بھی جائز نہیں کہ یوم شک میں اس بات کی نیت کر لی جائے کہ یہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے[1] اس کے علاوہ ایک مقام پر تو رسول خدا(ص) نے یوم الشک کے روزے کو منع بھی فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔ جناب باقر صاحب آپ کی پیش کردہ روایت اور اس روایت میں آپ کے عقیدے

[1] من لا يحضر الفقيه، ص۷۵، ح۱۹۲۲، ح۱۹۲۵۔

کے مطابق واضح تضاد ہے اس لئے کہ آپ کی پیش کردہ روایت میں قضا نہیں کرنی جبکہ امام علیؑ سے منقول مذکورہ روایت میں قضا کا حکم ہے۔ اب آپ کیا کریں گے اور اخباری برادران کیا کریں گے، کیا دونوں پر عمل کریں گے جو ممکن نہیں ہے ایسے مشکل مرحلے میں مراجع کرام علم حدیث کی روشنی میں روایات کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کر کے فتویٰ دیتے ہیں اور اپنے مقلدین کو صحیح راستہ دکھاتے ہیں۔

ثانیاً مراجع کرام نے جو رمضان کی نیت سے روزہ کو حرام قرار دیا ہے اس کی تائید بھی اس روایت امام علیؑ میں موجود ہے کہ جائز نہیں کہ یوم شک میں اس بات کی نیت کر لی جائے کہ رمضان کا دن ہے۔

خمس وزکوۃ

احکام خمس[1]

خمس کن چیزوں پر واجب ہے کا ذکر کر کے باقر ساحب تبصرہ فرماتے ہیں کہ روزگار کے نفع پر تو خمس ہو ہی نہیں سکتا پھر قول معصوم نقل کرتے ہیں اصول کافی اور من لایحضر الفقیہ سے مگر حوالہ نہیں دیا پھر آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ قول معصوم سے مجتہدین کے فتوؤں میں واضح فرق ہے کیونکہ مال حلال مخلوط بہ مال حرام اور روزگار کے منافع کا اضافہ بقلم خود کیا گیا ہے۔ مجتہدین نے اگرچہ بظاہر صرف سات چیزوں پر خمس قرار دیا ہے لیکن درحقیقت یہ صرف نظر کا فریب ہے اور بھی بہت سے چیزیں ہیں جن پر خمس کی وصولی کی جارہی ہے۔

جناب باقر صاحب کیوں عوام کو گمراہ کر رہے ہیں اور مغالطہ میں ڈال کر اپنے ساتھ ساتھ انکا بھی ایمان خراب کر رہے ہیں لیجئے ملاحظہ کیجئے ائمہ طاہرینؑ کی روایات:

روزگار کے نفع پر خمس ہے۔ امامؑ سے "واعلموا انما غنمتھم" کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ روزمرہ کا فایدہ ہے جس پر خمس نکالا جائے گا۔[2]

لیجئے جناب آپ کی ایک صفحہ کے مکمل خرافات کا امامؑ نے دو جملوں میں جواب دے دیا اس لئے کہ امام کاظمؑ سے خمس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہر وہ چیز جسے انسان کو فایدہ حاصل ہو وہ کم ہو یا زیادہ اس پر خمس واجب ہے۔

جناب باقر صاحب اس روایت نے تو آپ کے تمام اعتراضات کا جواب دے دیا اس لئے کہ آپ کے نظریہ کے مطابق روزگار کے منافع ہدیہ اور فقیر وغیرہ پہ خمس نہیں ہے مگر امامؑ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جو لوگوں کو فائدے

---

[1] کشف التضاد، ص۲۵۷۔

[2] الاستبصار، ج۲، ص۵، باب ۳۰، ح۱، تہذیب الاحکام، ج۴، باب ۳۵، ح۳۴۴۔ اصول کافی، ج۱، ص۶۲۴ یا ۱۸۶، ح ۱۰۔

کے طور پر حاصل ہو اس پر خمس ہے اب آپ خود بتائیے ہم آپ کی مانیں یا امامؑ کی۔[1]

مال حلال مخلوط بہ حرام[2]

آپ جناب مطلقاً اس قسم کے خمس کے منکر ہیں اور کمال الدین و تمام النعمۃ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کے پاس کچھ لوگ مال لیکر آئے امام حسن عسکری کے پاس امام زمانہ موجود تھے اور آپ جب کچھ لکھنا چاہتے تھے تو امام زمانہؑ قلم پکڑ لیتے تھے آپ کے پاس ایک انار پڑا تھا جو سونے کا تھا اور اس پر نادر نگینے جڑے تھے۔ آپ اسی انار کو دور پھینک دیتے تھے امام زمانہ (عج) اس کو پکڑنے جاتے تو آپ اپنا کام کر لیتے تھے وہ لوگ جو مال لے کر آئے تھے انہوں نے مولا سے کہا: مولا یہ مال ہم لے کر آئے ہیں، امامؑ نے امام حجتؑ سے کہا کہ بیٹا اپنے دوستوں اور شیعوں کے تحفے کی مہر کو توڑ دو امامؑ نے فرمایا: اے میرے آقا کیا یہ بات جائز ہے کہ میں اپنے پاک ہاتھ نجس تحفوں اور پلید مال کی طرف پھیلاؤں۔

پھر آپ تبصرہ فرماتے ہیں امامؑ کے نام خمس وصول کرنے والوں کو پہلے خود یہ صلاحیت پیدا کرنا چاہئے کہ حلال و حرام میں تمیز کر سکیں نہ کہ خمس کے نام پر مال حرام خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں پھر آپ فرماتے ہیں دودھ میں اگر ایک قطرہ نجاست گر جائے تو سب دودھ نجس ہو جاتا ہے پھر یہ لوگ کیسے تصور کر سکتے ہیں نجس مال سے کچھ حصہ نکال دینے سے باقی پاک ہو جاتا ہے۔ جناب باقر صاحب آپ کی جسارت و جرأت کی انتہا ہے اب آپ ائمہ طاہرین کی شان میں گستاخی کرنے لگے ہیں، اگر آپ کے ذکر کئے ہوئے واقعہ کو تسلیم کر لیں تو اولاً یہ دو امامؑ کا مسئلہ ہے جو معصوم ہیں ثانیاً واقعہ میں جو انار کا مسئلہ ہے وہ قطعاً درست نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ امامؑ کے پاس اتنا مال کہاں تھا کہ وہ سونے کے انار کا کھلونا استعمال کریں جب کہ یہ دَور وہ دَور ہے جب شیعوں کے پاس کھانے کو روٹی نہیں تھی اور آپ دو امام کو متہم کر رہے ہیں کہ وہ سونے کے نادر نگینوں والے انار سے کھیل رہے تھے کچھ تو حیا کیجئے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے آپ کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں۔ ثالثاً اگر سونے کا انار کیسی نے تحفے میں بھی دیا تھا پھر بھی امام امت کا باپ ہوتا ہے لہٰذا اس کی نظر سب پر یکساں ہوتی ہے

---

[1] اصول کافی، ج۱، کتاب الحجۃ، ح۱۱، ص۶۲۴۔

[2] کشف التضاد، ص۲۷۴۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ان کا لخت جیگر تو سونے کے انار سے کھیلے اور امت کے بچے بھوک سے مر جائیں۔ رابعاً امام حجتؑ کو امام حسن عسکریؑ نے مسلسل لوگوں سے چھپایا ہے اور لوگوں کے سامنے کم لائے ہیں حتی کہ آپ کی ولادت کے آثار کو بھی مخفی رکھا گیا ہے اور اس حد تک احتیاط کی گئی ہے کہ غیر تو غیر، اپنے بھی ولادت امام (ع) حجت (ع) کے سلسلے میں مشکوک ہوگئے تھے، مزید تفصیل کے لئے امام حسن عسکری (ع) کے زندگی کے آخری ایام اور امام حجت (ع) کی ولادت سے مربوط کتابوں کی طرف مراجعہ کیا جائے۔ خامساً اگر بالفرض محال واقعہ کو تسلیم کرلیں تو امامؑ نے اپنے علم غیب سے حلال و حرام مال کی تمیز کی تھی اور ہمارے مراجع کرام نے کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا ہے، سادساً جو آپ نے دودھ کی مثال دی ہے وہ قیاس مع الفارق ہے۔ سابعاً آپ کے کہنے کے برخلاف اس معاملہ میں روایت موجود ہے جس کا سہارا لیکر مراجع کرام نے فتوی دیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا مولا ہمارے پاس ایسا مال ہے جو حرام سے مل گیا ہے۔ اور ہم کو نہیں معلوم کہ حلال کون ہے حرام کون۔ تو آپ نے فرمایا اس مال سے خمس نکالو، اس لئے کہ خدا مال خمس سے راضی ہو جاتا ہے۔[1] اسی قسم کی پانچ روایات وسائل الشیعہ کتاب الخمس باب ۱۰ ص ۵۰۵ پر موجود ہیں قارئین کرام اب آپ فیصلہ کریں ہم باقر صاحب کی مانیں یا ائمہ طاہرینؑ کے اقوال کے پیش نظر دیئے گئے فتویٰ پر عمل کریں۔ ثامناً کمال تو یہ ہے کہ اپنا مدعا بیان کرنے کے لئے آپ ایک امام کی توہین فرما رہے ہیں امام حسن عسکری جو باپ بھی ہیں اور امام وقت بھی، ان کو نہیں معلوم کہ اس میں مال حرام ہے اور امام زمانہ جو امام تو ہیں مگر ابھی اپنے بابا کی امامت میں ہیں ان کو پتہ چل گیا کہ یہ مال حرام ہے۔

زکوٰۃ کا مصرف (۱)[2]

مراجع کرام کے فتوے فی سبیل اللہ کے ذیل میں نقل کرنے کے بعد تبصرہ فرماتے ہیں کہ چونکہ زکوۃ ایک دینی مسئلہ ہے جس میں ہماری خواہشات کا کوئی دخل نہیں لہٰذا ہمیں جائزہ لینا پڑے گا کہ مسجد مدرسہ، پل وغیرہ مال زکٰوۃ سے بنانا جائز ہے یا نہیں پھر چند عدد روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زکوۃ فقراء کے لئے

---

[1] تہذیب الاحکام، ج۴، ص۱۱۰، ح۳۵۸۔ ۱۵، ص۵۰۔

[2] کشف التضاد، ص۲۹۰۔

ہے اور جو فقراء کی بد حالی ہے وہ صرف اس لئے کہ لوگ ان کو زکوۃ نہیں دیتے۔ زکوۃ اس لئے رکھی گئی ہے کہ دولتمندوں کا امتحان ہو جائے۔ فقراء کی روزی کا اہتمام ہو جائے۔ پھر آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ مسجد و مدرسہ پل اور سڑکیں بنوانے سے آج ساری دنیا کے فقیر بد حالی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

جناب باقر صاحب آپ تو ویسے بھی خمس و زکوۃ کے مخالف ہیں اور بالخصوص آپ کو صرف اس بات کی فکر ہے کہ لوگ مراجع کرام کو خمس و زکوۃ کیوں دیتے ہیں آپ کو کیوں نہیں دیا جاتا اگرچہ آپ کو ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے آپ کے پاس غیر شرعی منابع مالی بہت سے ہیں۔

جناب باقر صاحب جن روایات کا ذکر آپ نے کیا ہے ان مین اکثر روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لوگ خمس و زکوۃ ادا ہی نہیں کرتے نکالتے ہی نہیں ہیں نہ یہ کہ وہ فقراء کو نہیں دیتے وہ دراصل خمس نکالتے ہی نہیں ہیں، آج اگر لوگ خمس و زکوۃ ادا کریں اور ایک مرکز پر جمع ہو تو یقیناً فقیر، فقیر نہیں رہے گا، تمام فقراء خوشحال ہوں گے مگر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ فقراء جن کو آپ سمجھ رہے ہیں وہ فقیر یقیناً نہیں ہیں دوسری بات یہ کہ خدا کے حکم اور ائمہ طاہرین کی سیرت کے مطابق ہر ہٹے کٹھے انسان کو خمس و زکوۃ نہیں دیا جائے گا بلکہ پہلے ان سے تقاضا ہو گا کہ وہ جائیں محنت مزدوری کریں اور اگر اس کے باوجود خرچ تمام نہیں ہو رہا ہے تو خمس و زکوۃ میں اپنا حصہ لے لیں اگر ایسا نہ ہو گا تو ہر انسان گھر میں بیٹھ کر چارپائی توڑے گا اور چھین کر وڑ کی چوتھائی کا امیدوار رہے گا جو کہ نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً۔

اور ائمہ طارینؑ نے خمس و زکوۃ کے مصارف میں سب کا الگ الگ حصہ رکھا ہے مثلاً دس روپیہ ہیں تو اس دس کو ان تمام وہ افراد جو مستحق ہیں ان پر تقسیم کیا جائے گا صرف فقراء کو نہیں دیا جائے گا بلکہ سب کے الگ الگ مصارف ہیں، لہٰذا امام کا قول ہے کہ زکوۃ و خمس کو فقراء، مساکین، ابن سبیل اور ان تمام امور میں خرچ کر سکتے ہیں جن کا تعلق خیر سے ہے "او فی جمیع سبل الخیر"[1]

اب قارئین کرام فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے بتایئے مسجد بنوانا کار خیر نہیں ہے مدرسہ بنوانا کار خیر نہیں ہے، پل یا سڑک بنا دینا کار خیر نہیں ہے، اگر نہیں ہے تو آپ نے یقیناً اس کار خیر میں کہیں نہ کہیں حصہ ضرور لیا

[1] تہذیب الاحکام، ج۴، ص۴۷، ح۱۲۹ یا ۱۲۔

ہوگا اب یا تو اپنا پیسہ واپس لے لیجئے یا پھر سمجھ لیجئے کہ آپ کا پیسہ ضایع ہوگیا ہے اس لئے کہ باقر صاحب کے نظریہ کے مطابق جو کہ قول معصوم کے مخالف ہے یہ کار خیر نہیں ہے۔

زکوٰۃ کا مصرف(۲)[1]

مراجع کرام کا فتویٰ ہے کہ زکوٰۃ و خمس دے دیا جائے گا جو شیعہ اثنا عشری ہو۔ اسی بات پر باقر صاحب کو اعتراض ہے کہ شیعوں کو نہیں اہل ولایت کو خمس و زکوٰۃ دیا جائے گا اور یہ بات ائمہ کی طرف منسوب کر دی ہے، اب ملاحظہ فرمایئے کہ یہ کتنا بڑا مغالطہ ہے ائمہ طاہرین نے اہل ولایت سے زیادہ اپنی روایات میں شیعوں کا ذکر کیا ہے اور لفظ شیعہ استعمال کیا ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ جن کے کلمہ میں نہ ولایت ہے نہ اذان میں نہ نماز میں وہ ہرگز ہرگز اہل ولایت نہیں ہو سکتے چاہے انہوں نے اپنے اوپر شیعہ اثنا عشری کا لیبل ہی کیوں نہ لگایا ہو۔

جناب باقر صاحب: اولاً مغالطہ۔ مغالطہ۔ مغالطہ اور صرف مغالطہ مجھے آپ کی عقل پر کبھی رونا آتا ہے اور کبھی ترس آتا ہے اور کبھی کھلکھلا کر ہنسنے کو دل چاہتا ہے کیوں قوم شیعہ میں فرقوں کی بازار لگانے کے درپے ہیں، ویسے ہی کیا کم فرقے بن چکے ہیں جو اہل ولایت کا ایک نیا فرقہ بنا رہے ہیں۔

ثانیاً بقول ااپ کے ائمہ طاہرینؑ نے اہل ولایت کی شرط لگائی ہے تو انہیں ائمہ طاہرین نے لفظ شیعہ بھی استعمال کیا ہے اور مستحقین خمس و زکوٰۃ کے لئے لفظ شیعہ استعمال کیا ہے یہ بات مختصراً اس جگہ عرض کردوں کہ شیعہ ہی اہل ولایت ہیں ورنہ آپ نے سنیوں کو بھی اہل ولایت بنا دیا ہے تفصیل آیندہ ذکر کروں گا۔

ثالثاً لفظ شیعہ کا استعمال خود نبی اکرمؐ نے کیا ہے یا علی انت و شیعتک ھم الفائزون ، یا علیؑ آپ اور آپ کے شیعہ ہی کامیاب ہیں، کیا رسول خداؐ کو نہیں معلوم تھا کہ شیعوں کے علاوہ اہل ولایت بھی ہیں اور بقول آپ کے اہل ولایت وہ ہیں جو علیؑ کی ولایت کو اپنے دین کی بنیاد جانتے ہیں کیا رسول خداؐ کو نہیں معلوم تھا کہ شیعہ علیؑ کی ولایت کو دین کی بنیاد نہیں مانتے۔ اور اہل ولایت دین کی بنیاد مانتے ہیں شاید آپ بھی سہو النبی کے قائل ہیں کہ رسول خداؐ سے سہو ہوگیا ہے (نعوذ باللہ)

---

[1] کشف التضاد، ص۲۹۲۔

رابعاً، ایمان کا تعلق عقیدے کا تعلق دل سے ہے جس کا اظہار اعمال و کردار سے ہوتا ہے (آپ کو عمل و کردار سے کیا تعلق جس کا ایمان چند پیسوں میں بکتا ہو اس کے کردار کی بات ہی کیا کرنا) ضروری نہیں ہے کہ مائیک لیکر اعلان کیا جائے کہ میں اور میرا عقیدہ یہ ہے اگر ایسا ہو جائے تو ہر اہل ولایت کو ایک عدد لاؤڈاسپیکر خرید کر رکھنا ہوگا اور گاہے بگاہے اپنے ایمان کا اعلان کرنا ہوگا۔

خامساً، عقیدے کا تعلق قلب سے ہے اور اگر کوئی زبان سے اعلان کرتا رہے اور دل میں بغض علیؑ رکھتا ہو تو کیا وہ اہل ولایت ہے جیسا کہ صدر اسلام سے لیکر آج تک منافقین کا یہ ہی شیوہ رہا ہے۔

سادساً، لفظ شیعہ محدود ہے جس کا استعمال مراجع کرام نے کیا ہے اور لفظ شیعہ نہیں شیعہ اثنا عشری یعنی حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ ان کے بعد بقیہ آنے والے ائمہ طاہرین کا بھی اقرار کرے ورنہ آپ نے تو اہل ولایت کہہ کر سنیوں کو بھی شامل کر لیا تھا اس لئے مراجع کرام نے شیعہ اثنا عشری کا لفظ رکھا ہے کہ اگر کوئی چوتھا خلیفہ مان کر علیؑ کی ولایت کا اقرار بھی کر لے تو بقیہ امامؑ کو بہر حال وہ نہیں مانتے۔ لہٰذا وہ اس دائرے سے خارج ہے جسے آپ نے مصلحتاً بڑھا دیا ہے تا کہ اپنے بھی مغالطہ میں آکر خوش ہو جائیں اور دوسروں یعنی اغیار کو بھی شامل کر دیا جائے۔

متضادبیانی یاسنی نوازی

ایک طرف آپ فرماتے ہیں کہ گواہی دینا ضروی ہے اور اپنے بیان کی تائید کے لئے ایک روایت بنام حدیث قدسی بھی نقل کر ڈالی جس کا مطلب ہے کہ ہر انسان کو خدا اور رسول اور ائمہ طاہرینؑ پر ایمان لانا ہے اور ایمان ہی نہیں لانا بلکہ گواہی دینا ہے۔

دوسری طرف اآپ فرمارتے ہیں کہ اہل سنت میں وہ کون ہے جو ولایت علیؑ کا اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ تمام اولیاء کے سروں پر علیؑ کے قدم ہیں۔

تو بقول آپ کے یہ اعلان ولایت اور گواہی ولایت علی نہیں تو اور کیا ہے جناب باقر صاحب خواہ نخواہ آپ کے قلم نے آپ کی سنی نوازی ظاہر ہی کر دی۔ جو دل میں ہوتا ہے انسان کی زبان و قلم کی بھی وہی آواز ہوتی ہے قارئین کرام وہ سنی جو آج بنام وہابی حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پاک کو گالیاں دیتا ہے اور ان کے چاہنے والوں کو

قتل کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے، اسے باقر صاحب اہل ولایت کہتے ہیں اب بھی اگر ہماری قوم نہیں جاگی تو کب جاگے گی یہ لوگ اسی طرح خوبصورت اور احساساتی الفاظ کا استعمال کر کے قوم میں انتشار پھیلا رہے ہیں بھلا بتائیے جس لفظ کا استعمال خود رسول خداؐ کر رہے ہوں، ائمہ طاہرینؑ کر رہے ہوں اس کی مخالفت صرف اس لئے کہ مراجع کرام نے استعمال کیا ہے کہاں سے عقل کی بات ہے انتشار اور اختلاف نہیں تو اور کیا ہے۔

سابعاً، آپ کے بیان کے مطابق اور ائمہ طاہرینؑ کی روایات کی روشنی میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر شیعہ اہل ولایت ہے مگر اہل ولایت شیعہ نہیں ہے۔

چند روایات

اس ذیل میں ہم ائمہ طاہرین (ع) کی ان روایات کا ذکر کر رہے ہیں جس میں لفظ شیعہ استعمال ہوا ہے:

قال النبی(ص): یا علی انت و شیعتک هم الفائزون: اے علی(ع) آپ اور آپ کے شیعہ کامیاب ہیں۔

قال الامام الرضا (ع): آپ سے جب سوال ہوا کہ کیا آپ پر صدقہ حرام ہے تو اپ نے فرمایا: ہاں مگر میرے ان شیعوں کو دے دو جو اس کے مستحق ہیں اور صدقہ لے سکتے ہیں اس لئے کہ اگر ان کو تم نے دے دیا تو سمجھو کہ ہم کو دے دیا۔

قال الامام الصادق(ع): راوی سے امام (ع) پوچھتے ہیں کیا تم کو معلوم ہے کہ لوگوں میں زنا کہاں سے داخل ہوتا ہے، راوی کہتا ہے: نہیں آپ فرماتے ہیں: خمس نہ دینے کی وجہ سے وہ ہمارا حق ادا نہیں کرتے۔ الا شیعتنا مگر ہمارے شیعہ اس حکم میں شامل نہیں ہیں۔

قال ایضاً: امام (ع) نے فرمایا لوگ ہم پر خمس نہ دینے کی وجہ سے ظلم کر رہے ہیں مگر شیعہ اس حکم سے خارج ہیں اس لئے کہ ہم نے شیعوں پر خمس حلال کر دیا ہے۔

امام رضا(ع): «ان الله عزوجل حرم اموالنا و اموال شیعتنا علی عدونا»، خدا نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے اموال کو دشمنوں پر حرام قرار دیا ہے۔

الامام الحسن العسکری(ع): امام(ع) سے زکوۃ کے مستحق کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: «المستضعفون من شیعة محمد و آله»، زکوۃ محمد وآل محمد(ص) کے غریب شیعوں کو دو پھر آگے اسی روایت میں فرماتے ہیں: « فان موالینا و شیعتنا منا و کلنا کالجسد الواحد»، ہمارے چاہنے والے شیعہ ہم سے ہیں اور سب کے سب ایک جسم کی طرح ہیں۔[1]

مدافع ولایت حضرت فاطمہ زہرا (س) فرماتی ہیں: «الهی و سیدی ---- ان تغفر یعصاة شیعتی و شیعة ذریتی» اے خدا میرے اور میری اولاد کے شیعوں کے گناہوں کو معاف فرما۔[2]

قالت ایضاً: عربی عبارت حذف کرتے ہو، ایک محب اہلبیت نے اپنی بیوی کو جناب فاطمہ زہرا(س) کے پاس بھیجا تا کہ وہ پوچھے کہ میرا شوہر آپ کے شیعوں میں شمار ہوتا ہے یا نہیں، تو آپ نے فرمایا: اگر ہمارے اوامر کو بجالاتا ہے اور نواہی کو چھوڑ دیتا ہے، فانت من شیعتنا، تو ایسا شخص ہمارے شیعوں میں سے ہے۔ روایت طویل ہے اسی حدیث میں تین جگہ لفظ شیعہ استعمال ہوا ہے۔[3]

قارئین محترم اب آپ خود بتایئے ہم باقر صاحب کی بات مان کر الگ سے ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائیں اور ایک الگ فرقہ بنام اہل ولایت بنالیں یا پھر امامؑ کی روایات پر عمل کریں اور مراجع کرام کی پیروی کریں جنہوں نے ائمہ طاہرین کی روایات سے مطالب اخذ کر کے فتویٰ دیا فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں، مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے۔

زکوۃ کا ایک دوسرے شہر لے جانا[4]

مراجع کرام کا فتویٰ نقل کرتے ہیں اگر اس کے شہر میں مستحق موجود ہو تب بھی زکوۃ ایک دوسرے شہر کی

---

[1] وسائل الشیعه، ج۹، باب۷، ح٦، ص۲۲۹۔ الاستبصار، ج۲، ص۵۷، باب ما اباحوه لشیعتهم من الخمس۔ چند روایات۔ : تہذیب الاحکام، ج۴، باب ۱۳، مختلف احدیث ص۴۸۔۴۹۔

[2] ذخائر العقبی، ص۵۳۔

[3] بحار الانوار، ج٦٥، ص١٥٥۔

[4] کشف التضاد، ص۲۹۵۔

طرف لے جا سکتا ہے پھر امامؑ کا قول نقل کرتے ہیں فروع کافی اور من لایحضر الفقیہ سے کہ امام نے فرمایا کہ بھیج سکتا ہے مگر ایک تہائی یا ایک چوتھای۔ تبصرہ کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے شہر کی طرف ایک تہائی یا ایک چوتھائی ہی زکوۃ بھیجی جا سکتی ہے۔

جناب باقر صاحب نے من لایحضر الفقیہ سے جس روایت کو نقل کیا ہے اس کے بالکل نیچے ایک دوسری روایت بھی ہے یعنی انہوں نے حدیث ۱۶۲۰ نقل کی ہے اور ہم اس کتاب سے حدیث ۱۶۲۱ نقل کر رہے ہیں قارئین کرام انصاف فرمائیں۔

ایک شخص کو زکوۃ تقسیم کرنے کو دی جاتی ہے کیا وہ اس زکوۃ کی رقم کو دوسرے شہر بھیج سکتا ہے تو آپؑ فرماتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔

اب فروع کافی کی بھی روایت ملاحظہ فرمالیجئے امام باقرؑ سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے زکوۃ دوسرے شہر بھیجی وہ راستہ میں چوری ہو گئی یا ضایع ہو گئی تو آپ نے فرمایا اس کے اوپر کوئی ذمہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بھیج سکتا ہے۔[1]

پھوپھی یا خالہ کی لڑکی سے نکاح[2]

پہلے مراجع کرام کا فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی پھوپھی یا خالہ کی لڑکی سے نکاح کرے اور ہمبستری سے پہلے اس کی ماں سے زنا کرے تو اس کے نکاح میں کوئی اشکال نہیں ہے، بعض مراجع نے اشکال جانا ہے وغیرہ... اب آپ تبصرہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے شرمناک مسائل ہیں جن کو سن کر اور پڑھ کر گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسے غلیظ مسائل کو توضیحات المسائل میں کیوں درج کیا گیا اور کیا ایسی کتابیں گھروں میں رکھی جانے کے قابل ہیں، گھر میں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور جوان لڑکیاں بھی اور کچے ذہن کے لڑکے بھی اور سب ہی ان کتابوں کو پڑھتے ہیں، یہ زمین میں گڑ جانے کا مقام ہے، احکام تو وہ بتانے چاہئے جن کی

---

[1] فروع کافی، ج۱، ص۵۴۵، باب ۳۰۷، ح۵۔
[2] کشف التضاد، ص۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲۔

ضروت انسان کو روز مرہ ہوتی ہے الخ، آخر میں لکھتے ہیں کہ البتہ دوسروں کو بدکاری کے محفوظ راستوں کے بارے میں ضرور علم ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے مسائل بیان کرنے تھے تو اسے بے غیرت شخص پر حد شرعی جاری کی جاتی مگر یہاں دور تک حدود شرعی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جناب باقر صاحب۔۔ میں روز اول سے کہہ رہا ہوں کہ آپ مخالف شیعہ ہیں شیعت کا لبادہ اوڑھ کر شیعوں کے درمیان تفرقہ اندازی کرنے کا دشمنوں سے ٹھیکہ لیا ہے آپ نے ورنہ ایسی باتیں نہ کرتے اس لئے کہ یہ وہ مسائل ہیں جنہیں خود ائمہ طاہرینؑ نے بیان کیا ہے۔ اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ ائمہ طاہرینؑ نے کیوں ایسے مسائل بیان کئے کیا ان کو نہیں معلوم تھا کہ گھر میں عورتیں رہتی ہیں، نوجوان لڑکیاں رہتی ہیں کچی فکر اور کچے ذہن کے لڑکے بھی رہتے ہیں اس طرح آپ مراجع کرام کی نہیں در اصل ائمہ طاہرین کی توہین فرما رہے ہیں آپ کا مقصد ائمہ طاہرینؑ کا نام لیکر انہیں کو بدنام کرنے کا ارادہ ہے ورنہ اس قسم کے مسلمات کے آپ انکار نہ کرتے، آپ نے لبادہ تشیع اوڑھ رکھا ہے ورنہ حقیقت کچھ اور ہے۔

آپ کو گڑ کر مرنے کی ضروت نہیں ہے زمین آپ کو قبول نہیں کرے گی، آپ کے لئے ایک چلو سے بھی کم پانی کی ضرورت ہے جس میں آپ کو ڈوب مرنا چاہئے۔

جہاں تک عورتوں اور لڑکیوں کا مسئلہ ہے یا کچے ذہن کے لڑکوں کا یہ انہیں کے لئے مسائل بیان کیے گئے ہیں تاکہ نوجوانوں کو حلال و حرام رشتوں کا علم ہو سکے، ورنہ انسانوں اور جانوروں میں کیا فرق رہ جائے گا آج اگر یہ مسائل نہ ہوتے تو وہی کچھ ہوتا جو جنگلوں میں ہوتا رہا ہے اور مغربی دنیا میں ہو رہا ہے کیا آپ مغربی کلچر کو مسلمانوں کے درمیان عام کرنا چاہتے ہیں، اس لئے کہ جانوروں میں حلال و حرام کا کوئی فرق نہیں ہے، کیا ائمہ طاہرینؑ کو معلوم نہیں تھا کہ گھر میں عورتیں جوان، لڑکیاں یا نوجوان لڑکے بھی رہتے ہیں پھر آپ نے آداب مباشرت، نکاح کے مسائل عورتوں کے مخصوص مسائل کیوں بیان کیے؟ جواب دیجئے؟ اور جہاں تک حدود و قصاص و سزا کا مسئلہ ہے خود ائمہ طاہرینؑ نے مسائل بیان کرتے وقت نہیں بتائے بلکہ اس کا ایک الگ باب قائم کیا گیا ہے جہاں سب کچھ بیان ہوا ہے اور مراجع کرام نے بھی ائمہ طاہرینؑ کی پیروی کرتے ہوئے مسائل کے درمیان حدود و سزا کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کا الگ ایک باب بنایا گیا ہے جہاں ہر چیز کا ذکر ہے۔

جناب باقر ساحب آج کل کے ترقی یافتہ دور میں ٹی وی چینلوں یا کمپیوٹر کے ذریعہ کیا کچھ دیکھا یا جا رہا ہے اس

کی مخالفت کیوں نہیں کرتے، کیا ان پروگراموں میں گھر میں عورتیں نہیں رہتی، کیا نوجوان لڑکے، لڑکیاں ان پروگرام کو نہیں دیکھتے، کیا ان پروگراموں سے چوری ڈکیتی، قتل و فحاشی کے نئے نئے راستے اور طریقہ نہیں معلوم ہوتے ان پر تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں اور ائمہ طاہرینؑ کے بتائے ہوئے مسائل پر آپ کو اعتراض ہے کیا ہر بالغ ہونے والے لڑکے اور لڑکیوں کو احکام جنابت سے آگاہ کرنا بے شرمی ہے؟ کیا عورتوں کے مخصوص احکام کا بیان کرنا بے حیائی ہے؟ اگر آپ کی نگاہ میں ایسا ہے تو یہ قانون آپ اپنے گھر میں اجراء کیجئے اور قوم کو گمراہ نہ کیجئے۔

ولی کی اجازت[1]

اہل کتاب عورت سے نکاح[2]

مراجع کرام کا فتویٰ ہے کہ باکرہ عورت شرعاً و عرفاً کفو کی موجودگی میں بغیر ولی کی اجازت سے نکاح کر سکتی ہے۔ دوسرا فتویٰ یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے متعہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تبصرہ فرماتے ہیں: مجتہدین کے ایسے فتوؤں کے نتیجے میں معاشرہ میں بے لگامی ابتری خاندان میں ٹوٹ پھوٹ اور قتل و غارت گری کا شدید اندیشہ ہے۔

جناب باقر صاحب آج جو شادیاں ہو رہی ہیں ان بعض شادیاں بغیر ماں باپ کی اجازت کے ہوتی ہے تو کیا اگر وہ شرعی اعتبار سے نکاح کرلیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا؟ اگر صحیح نہیں ہوگا تو ان کی نسل کا کیا ہوگا اور اگر ماں باپ بعد میں راضی ہو جائیں اور آپ کی فکر کے مطابق اس نارضایتی کا زمانہ اتنا طویل ہو کہ ایک بچہ پیدا ہو جائے یا جلد راضی راضی ہو جائیں مگر نارضایتی کے زمانے میں حمل ٹھر جائے تو کیا یہ پیدا ہونے والا بچہ ولد الحرام ہوگا؟ اس سلسلے میں بھی ائمہ طاہرین کی روایات موجود ہیں کہ بغیر ولی کی اجازت نکاح درست ہے اور مراجع کرام نے فتوی بھی انہیں روایات کی بناء پر دیا ہے ملاحظہ فرمایئے:

امام باقرؑ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر وہ سفیہ نہیں ہے، (بیوقوف) تو بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کر

---

[1] کتاب کشف التضاد، ص۳۱۰۔

[2] ص۳۱۲۔

سکتی ہے۔[۱]

اب آپ خود بتایئے اور قارئین کرام فیصلہ کریں کہ ایک ہی کتاب میں ایک ہی باب میں دو طرح کی حدیث موجود ہیں، اب حدیث پر عمل کرنے والے حضرات کیا کریں گے۔

اہل کتاب کے نکاح کے سلسلے میں فتویٰ اور روایت تو نقل کی مگر تبصرہ نہیں فرمایا شاید اس لئے کہ جناب باقر نے دوسری جواز کی روایات دیکھ لیں تھیں۔ اس مسئلے میں بھی ائمہ طاہرین یٔ کی روایات میں بظاہر تضاد ہے کیا کریں گے، باقر صاحب، قارئین کرام مراجع کرام نے انہیں مشکلات کو حل کیا ہے حدیث فہمی اتنی آسان نہیں جتنی باقر صاحب نے سمجھ لیا ہے۔ امامؑ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: زن یہودیہ اور نصرانیہ سے متعہ جائز ہے۔[۲]

اس کے علاوہ بھی بہت سی خرافات اس کتاب مین موجود ہیں مگر ہم ان کو نظر انداز کر رہے ہیں اس لئے کہ کتاب کا حجم زیادہ ہو جائے گا نیز یہ کہ ہمارے محترم قارئین کرام یہاں تک با قاعدہ سمجھ گئے ہوں گے کہ جناب باقر صاحب نے صرف اور صرف خرافات لکھی ہیں اور ان کا مقصد صرف اور صرف قوم کے درمیان اختلاف کی انگیٹی سلگا کر اپنی روی سینکناٹی ہے، اور بس ہم نے یہاں تک واضح کر دیا ہے کہ اختلاف فتاویٰ کی اصل وجہ کیا ہے۔ اور قارئین کرام سے گذارش ہے کہ ہماری اس کتاب میں تاریخ روایات و حدیث کے باب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں تاکہ انہیں بھی احساس ہو جائے کہ ہماری روایات و حدیث کن کن مرحلوں سے ہو کر ہم تک پہونچی ہے اور خود فیصلہ کریں کہ کیا آنکھ بند کر کے چند روایات کے علاوہ ہم تمام روایات پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہم جناب باقر صاحب کی اسی کتاب کے ایک دوسرے باب کا جواب تحریر کر رہے ہیں جو کہ انہوں نے عجائب المسوٴلین کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔

---

[۱] وسائل الشیعه، ج۲۰، باب۳، ح۱، ص۲٦۷ ـ من لا یحضر الفقیه، ج۳، باب ۱۱۷، ح۷، ص۲۴۷ـ

[۲] الاستبصار، ج۳ باب ۹۳، ح ۱۰،۹،۸،۷، ص۱۵۱ـ

مصادرومنابع

۱. قرآن کریم-

۲. الاحتجاج طبرسی، علامه طبرسی، ذوی القری، قم، چاپ سوم، ۱۴۲۹ ق-

۳. الاختصاص، شیخ مفید، تحقیق: علی اکبر غفاری، مؤسسة نشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۸ق-

۴. اختیار معرفة الرجال، شیخ طوسی، دانشگاه مشهد، مشهد-

۵. الاستبصار، شیخ طوسی، دارالمعارف للمطبوعات، بیروت، چاپ سوم، ۱۹۹۱م-

۶. الاستیعاب، ابن عبدالبر، مکتبة النهضة المصریة، ۱۳۸۰ق-

۷. اسدالغابة، ابن اثیر، دارالمعرفة، بیروت، ۱۴۱۸ ق-

۸. الاصابة، ابن حجر عسقلانی، قاهره، ۱۹۲۸م-

۹. اعلام الموقعین، ابن قیم جوزی، دارالاحیاء التراث، العربی، بی‌تا-

۱۰. اعیان الشیعه، محسن امین-

۱۱. انساب الاشراف، بلاذری، دارالمعارف، مصر، ۱۹۵۹م-

۱۲. بحارالانوار، علامه مجلسی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۳، چاپ سوم-

۱۳. البدایة و النهایة، ابن کثیر، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۰۵ق-

۱۴. البرهان فی تفسیر القرآن، سید هاشم بحرانی، مؤسسة البعثة، قم، چاپ اول، ۱۴۱۵ق-

۱۵. تاج العروس، محمد مرتضی الزبیدی، مکتبة الحیاة بیروت، بی‌تا-

۱۶. تاریخ الخلفاء-

۱۷. تاریخ بغداد، احمد بن علی خطیب بغدادی، قاهره، بی‌تا-

۱۸. تجرید المعالم، مشکینی-

۱۹. تحف العقول، ابو محمد حرانی، نجف، بی‌تا-

۲۰. تفسر کاشف، محمد جواد مغنیه، دارالعلم للملائیین، بیروت، چاپ سوم، ۱۹۸۱م-

۲۱. تفسیر المنار، محمد رشید رضا، دارالمنار، قاهره، چاپ چهارم، ۱۳۷۳ ق-

۲۲. تفسیر المیزان، علامه طباطبائی، ترجمه: محمد باقر موشی، انتشارات اسلامی جامعه مدرسین، چاپ اول، ۱۳۶۷ ش-

۲۳. تفسیر رازی، فخرالدین رازی، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، چاپ سوم، بی‌تا-

۲۴. تفسیر نمونه، ناصرمکارم شیرازی، دارالکتب اسلامیه، چاپ نوزدهم، ۱۳۷۰ ش-

۲۵. تهذیب الاحکام، شیخ طوسی، دارالمعارف للمطبوعات، بیروت، چاپ سوم، ۱۹۹۲ م-

۲۶. جامع الرواة ، اردبیلی-

۲۷. جنة الماوی ، نوری محدث

۲۸. الحیاة، محمد رضا حکمی، دفتر نشر و فرهنگ اسلامی، تهران، ۱۳۷۱ش-

۲۹. خصائص نسائی، احمد بن شعیب نسائی، مکتبة نینوا بی‌تا-

۳۰. داستان راستان، مرتضی مطهری-

۳۱. ربیع الابرار، محمود زمخشری، شریف رضی، قم، ۱۴۱۰ ق-

۳۲. سفینة البحار، شیخ عباس قمی، دارالبصائر، تهران، چاپ اول، ۱۴۲۰ق-

۳۳. سیره ابن هشام، ابن هشام، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ق-

۳۴. شواهد التنزیل، حاکم حسکانی، وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی، تهران، چاپ اول، ۱۴۱۱ق-

۳۵. صواعق المحرقه، ابن حجرعسقلانی ، مکتبة قاهره، ۱۳۸۵ق-

۳۶. الغدیر، عبدالحسین النجفی، دارالکتب الاسلامیة، تهران، چاپ پنجم، ۱۳۷۱ش-

۳۷. الغیبة النعمانی، محمد بن ابراهیم نعمانی، مکتبة الصدوق، تهران، ۱۳۹۷ ق-

۳۸. الغیبة شیخ طوسی، شیخ طوسی، دارالکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۲ق-

۳۹. فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، دارالمعرفة، بیروت، چاپ دوم، بی‌تا-

۴۰. فرائد السمطین-

۴۱. فروع کافی، شیخ کلینی، دارالمعارف للمطبوعات، بیروت، چاپ سوم، ۱۹۹۳م-

۴۲. الفهرست، شیخ طوسی، منشورات رضی، قم، بی‌تا-

۴۳. القواعد ، شهید اول، محمد بن مکی، تلنبة المفید، نجف، بی‌تا-

۴۴. قواعد فقهیه، محمد حسن بجنوردی، نشر هادی، قم، چاپ اول، ۱۴۱۹ق-

۴۵. کمال الدین و تمام النعمة، شیخ صدوق، تصحیح: علی اکبر غفاری، انتشارات جامعه مدرسین ، قم، ۱۴۲۶ ق-

۴۶. الکنی و اللقاب، شیخ عباس قمی، مکتبة الصدر، تهران، چاپ پنجم، ۱۳۵۹ش-

۴۷. لسان العرب، ابن منظور، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ ق-

۴۸. مبادی الاصول علامه حلی

۴۹. مجمع البیان فی تفسیرا لقرآن، الطبرسی، ناصر خسرو، تهران، ۱۹۸۶م-

۵۰. المحلی، ابن حزم اندلسی، دارالکتاب العلمیة، بیروت، ۱۴۰۵ق-

۵۱. مستدرک حاکم، حاکم نیشابوری، دارالکتب العلمیة، بیروت، بی‌تا-

۵۲. مستطرفات السرائر-

۵۳. مصباح اللغات

۵۴. مصباح المنیر، احمد بن محمد قیومی ، دارالهجرة، قم، ۱۴۰۵ ق-

۵۵. معالم الدین-

۵۶. معجم الرجال الحدیث، خوئی-

۵۷. مفردات راغب، راغب اصفهانی، دارالعلم، بیروت، چاپ اول، ۱۴۱۲ق-

۵۸. مقدمه ابن خلدون، ابن خلدون، ترجمه محد پروین گناآبادی، علمی فرهنگی، تهران، ۱۴۱۸ق-

۵۹. مکیال المکارم-

۶۰. من لایحضره الفقیه، شیخ صدوق، دارالمعارف للمطبوعات، بیروت، چاپ سوم، ۱۹۹۰م-

۶۱. منتهی الآمال، شیخ عباس قمی، انتشارات پیام آزادی، تهران، ۱۳۷۹ش-

۶۲. المنجد-

۶۳. منیة المرید-

۶۴. موضع القوانین-

۶۵. میزان الحکمة، محمد ری شهری، انتشارات دارالحدیث، قم، ۱۳۸۳ ش-

۶۶. نهج البلاغه، امام علی (ع)، ترجمه علامه جوادی-

۶۷. وسائل الشیعه، شیخ حر عاملی، مؤسسه آل البیت لاحیاء التراث، قم، چاپ اول، ۱۴۱۲ ق-